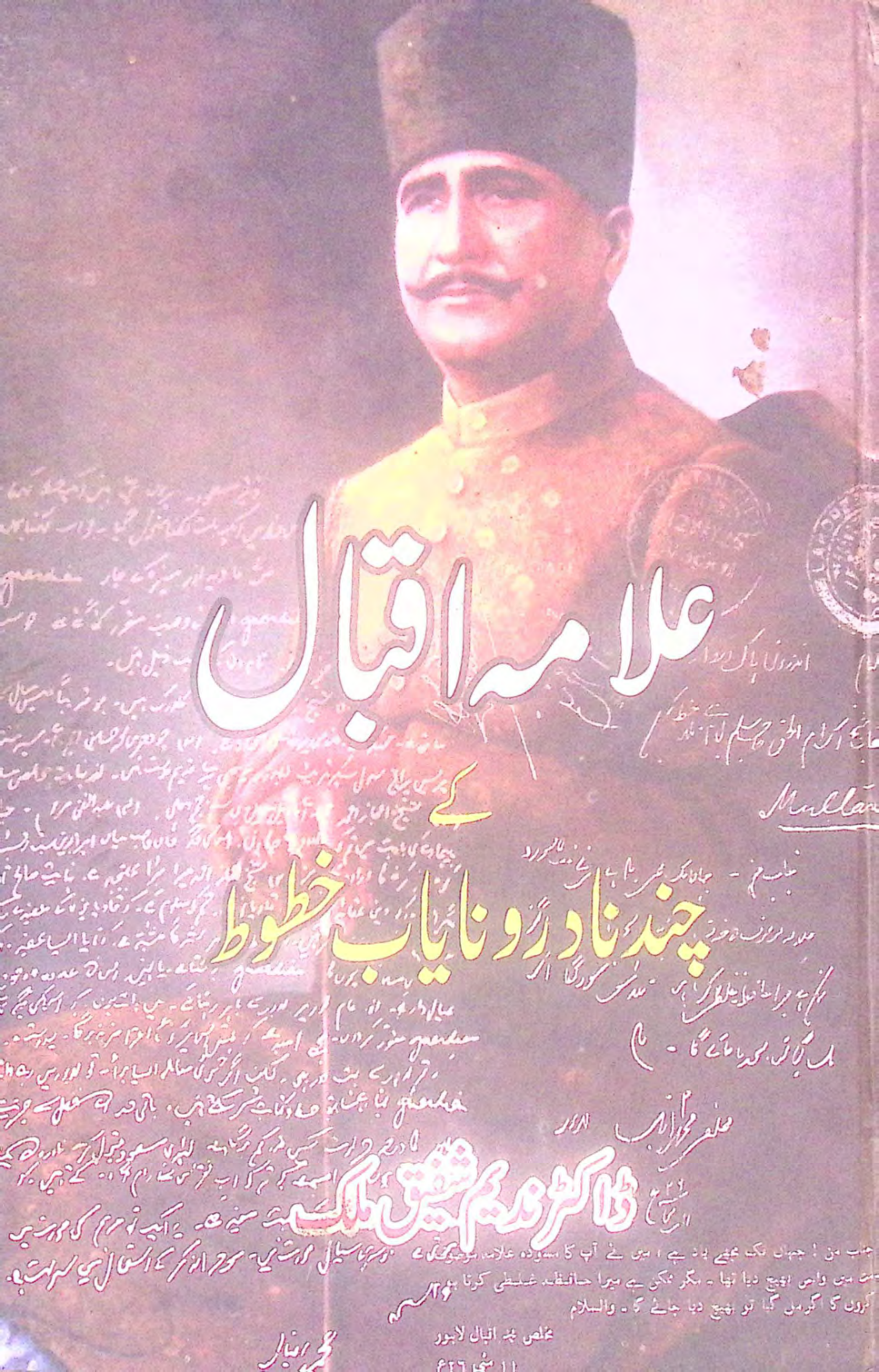


علامہ اقبال

کے

چند نادر و نایاب خطوط

ڈاکٹر ندیم شفیق ملک

علامہ اقبال کے چند نادر و نایاب خطوط

مرتب:

ڈاکٹر ندیم شفیق ملک

فکشن ہاؤس
○لاہور ○ کراچی ○ حیدرآباد
e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

نام کتاب ◁ علامہ اقبال کے چند نادر و نایاب خطوط

مرتب ◁ ڈاکٹر ندیم شفیق ملک

اہتمام ◁ ظہور احمد خاں

پبلشرز ◁ فکشن ہاؤس لاہور

کمپوزنگ ◁ فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور

پرنٹرز ◁ سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور

سرورق ◁ ریاض ظہور

اشاعت ◁ 2014-15ء

قیمت ◁ -/900 روپے

تقسیم کنندہ:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ-68 مزنگ روڈ لاہور، فون: 042-36307550-1,37249218-37237430

فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد، فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی، فون: 021-32603056

فکشن ہاؤس

○ لاہور ○ کراچی ○ حیدرآباد

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

انتساب

ناموراقبال شناس

شیخ محمد عطا اللہ (م ۲۷۔ دسمبر ۱۹۶۸)

کے نام

جن کی مکاتیبِ اقبال پر مرتبہ کتاب

اقبال نامہ (جلد اول)

زمانہ طالبعلمی میں علامہ اقبال کی ہمہ جہت شخصیت سے میرے پہلے
تعارف اور وارفتگی کی بنیاد بنی

فہرست

دیباچہ ۷

۱۔ اقبال کے دو خطوط — رحمان لطیف — ۹

۲۔ اقبال پر نیا مواد — بشیر احمد ڈار — ۳۱

۳۔ علامہ اقبال کے چند نادر خطبات و مکاتیب — محمد حنیف شاہد — ۴۱

۴۔ نوادرِ اقبال — اختر راہی — ۶۳

۵۔ ۱۹۱۰ء میں دنیائے اسلام کی سیاسی حالت پر تبصرہ — ریاض حسین — ۷۳

۶۔ اقبال کے خطوط جناح کے نام...... اشاعت کی کہانی — محمد جہانگیر عالم — ۷۹

۷۔ اقبال کا ایک نادر مکتوب — ڈاکٹر رحیم بخش شاہین — ۸۹

۸۔ علامہ اقبال کے چند غیر مدوّن خطوط — رفیع الدین ہاشمی — ۹۷

۹۔ علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ رقعات بنام پرویں رقم — رفیع الدین ہاشمی — ۱۱۷

۱۰۔ اقبال کا ایک نادر مکتوب — [ڈاکٹر] رحیم بخش شاہین — ۱۲۵

۱۱۔ حیاتِ اقبال کے چند نئے گوشے — سید شکیل احمد — ۱۳۱

۱۲۔ علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط — سردار کریم نواز، محمد سلیم الرحمٰن — ۰۵

۱۳۔ قصہ ایک خط کا......	ڈاکٹر وحید عشرت	۲۱۱
۱۴۔ مکتوبِ اقبال بنام جناح	صابر کلوروی	۲۲۹
۱۵۔ اقبال کی چند نایاب تحریریں	ڈاکٹر تحسین فراقی	۲۴۱
۱۶۔ علامہ اقبال کی ایک نادر تحریر	پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی	۲۵۱
۱۷۔ علامہ اقبال کا ایک مکتوب مطبوعہ آگرہ اخبار	ڈاکٹر رحیم بخش شاہین	۲۵۷
۱۸۔ اقبال کے ایک ناقص خط کی تکمیل	شائستہ خان	۲۸۵
۱۹۔ لمعہ حیدر آبادی کے نام اقبال کا آخری مکتوب	پروفیسر اکبر رحمانی	۲۸۳
۲۰۔ اقبال کے دو غیر مدون خط	ڈاکٹر معین الدین عقیل	۲۹۵
۲۱۔ مکاتیب اقبال کی سات تاریخوں کا مسئلہ	ڈاکٹر صابر کلوروی	۳۰۳
۲۲۔ علامہ اقبال کے تین نادر خطوط	ڈاکٹر وحید قریشی	
	پروفیسر احمد سعید	۳۱۳
۲۳۔ علامہ اقبال کے تین نایاب خطوط	ڈاکٹر رحیم بخش شاہین	۳۲۱
۲۴۔ نوادرِ اقبال	جعفر بلوچ	۳۳۹
۲۵۔ اقبال کا خط اور ایک دلچسپ علمی مباحثہ	پروفیسر ریاض حسین	۳۵۳
۲۶۔ علامہ اقبالؒ کا ایک غیر مطبوعہ خط	ڈاکٹر ندیم شفیق ملک	۳۵۹
۲۷۔ علامہ اقبال کا ایک نایاب خط	محمد جہانگیر عالم	۳۶۵
اشاریہ		۳۶۹

دیباچہ

تمام تر تعریفیں، حمد وثنا اور بزرگی اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیے ہے جو بہت مہربان ، نہایت رحم کرنے والا اور علم کا خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے آخری اور محبوب پیغمبر حضرت سیدنا محمد ﷺ پر اپنی ابدی اور بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے جو کائنات میں علم کے تقسیم کرنے والے ہیں۔

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) کو ہماری ملی تاریخ میں ایک نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ ان کی کتب کا دنیا کی بہت سی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ خود حیاتِ اقبال پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، مگر اب بھی ان کی زندگی کے بہت سے پہلو مخفی ہیں۔ یہ کتاب اسی کمی کو پورا کرنے کی ایک حقیر کاوش ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ علامہ اقبال کے چند نادرو نایاب خطوط کے بارے میں ہے جن کا تذکرہ مجلّہ اقبالیات اردو، اقبال اکیڈمی لاہور، مجلّہ اقبال، بزم اقبال لاہور، اور مجلّہ اقبال ریویو، اقبال اکیڈمی، حیدرآباد دکن، میں چھپنے والے مضامین میں کیا گیا۔ میں تمام محبانِ اقبال کی جانب سے ان کے گرامی قدر مصنفین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنی تحقیق میں ہمیں شریک کیا۔ ان مجلّوں کے مدیران بھی ہمارے خراجِ تحسین کے مستحق ہیں جنھوں نے نامساعد حالات کے باوجود فکرِ اقبال کا چراغ روشن رکھا۔ میں خصوصیت سے پروفیسر محمد حنیف شاہد، ناظم بزم اقبال لاہور کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنھوں نے اس کتاب کی تدوین کے لیے مجلّہ اقبال کے پرانے شماروں کی فراہمی کو ممکن بنایا۔

ان مضامین کی تدوین کرتے ہوئے قرآنی آیات کی تصدیق اور حوالہ جات کے لیے ملک فہد قرآن کمپلیکس برائے طباعتِ قرآن کے نسخہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ امام احمد رضا خان کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان سے لیا گیا ہے۔ علامہ اقبال کے کلام کے مستند متن اور حوالوں کے لیے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے: محمد اقبال، کلیاتِ اقبال: اردو، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۷ء؛ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال: فارسی، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۴ء؛ محمد اقبال، کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال: متروک اردو کلام، صابر کلوروی، مرتبہ، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء؛ اور محمد اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی: منظوم اردو ترجمہ،، مترجم، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۵ء۔

تدوین کرتے وقت اِن مضامین میں شامل انگریزی الفاظ اور مختصر جملوں کی اردو میں صوتی نقل اور ترجمہ، عربی، فارسی، سرائیکی اور پنجابی الفاظ اور جملوں کا ترجمہ خطوطِ وحدانی میں شامل کیا گیا ہے۔

ہر مضمون کے مصنف کی اقبالیات پر تصانیف، اور مصنف اور موضوع سے متعلق دستیاب کتابیات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہوا حوالہ جات کو یکساں طرز پر معیاری بنایا گیا ہے۔

آج زیرِ نظر مجموعہ کی تکمیل پر میرا دل جہاں اللہ رب العلمین کے حضور سجدہ ریز ہے، وہاں مجھ پر کئی محسنین کا شکریہ بھی واجب ہے جنھوں نے اس ضمن میں میری دامے، درمے، سخنے مدد کی۔

اس کتاب کی تیاری میں مجھے اقبال اکادمی پاکستان کے کئی افسران اور عملے کے اراکین کا تعاون حاصل رہا۔ میں جناب محمد سہیل عمر کا ممنون ہوں جن کی ذاتی دلچسپی کے باعث اس کتاب کی تدوین ممکن ہوئی۔ میں جناب محمد نعمان چشتی اور جناب فہیم ارشد کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس تصنیف کی تیاری میں میری معاونت کی اور بہت سے نکات کی وضاحت کے لیے کتب خانہ اقبال اکادمی میں موجود مواد کے لئے میری راہنمائی کی۔ جناب محمد اسحاق بشیر، جناب محمد عثمان اکبر اور جناب میر محمد مبین نے نہایت احسن طریقے سے ٹائپ کاری کی اور جناب محمد یونس لطیف نے اس کتاب کو حتمی شکل دی اور اس کا اشاریہ مرتب کیا۔ میں ان تمام حضرات کا انتہائی شکر گذار ہوں۔ اس کتاب کی اشاعت کے لیے میں فکشن ہاوس کے جناب ظہور احمد خاں اور ان کے عملے کا تہہ دل سے ممنون ہوں جن کی میرے کام میں گہری دلچسپی اور مسلسل حوصلہ افزائی میرے لیے تحریک کا باعث رہی ہے۔

آخر میں، مَیں اپنے والدین کریمین جناب حاجی ملک محمد رفیق صاحب اور جنابہ صفیہ رفیق مرحومہ و مغفورہ کے احسانات کا بھی اعتراف کرتا ہوں جنھوں نے مجھے تحصیلِ علم کی راہ پر لگایا اور ہمیشہ میری علمی کاوشوں کو سراہا۔ آج تک جو کچھ بھی میں حاصل کر سکا ہوں وہ انھی نفوسِ قدسیہ کی دعاؤں کی بدولت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

مزید برآں میں اپنی اہلیہ نادیہ ندیم، اور دیگر اہل خانہ کا تہہ دل سے احسان مند ہوں جنھوں نے دورانِ تحقیق وتدوین مجھے ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی اور ان کے خوش دلانہ تعاون کے بغیر اس تصنیف کی تکمیل ممکن نہ ہوتی۔ میرے بیٹے محمد انس مصطفیٰ، بھتیجے محمد اویس ملک اور بھتیجی ایمل فاطمہ کی مسکراہٹیں اور دلچسپ باتیں اس سارے سفر میں میری زادِ راہ رہیں۔ ان نعمتوں کے لئے میرا رواں رواں رب العزت کا شکر گزار ہے۔

ندیم شفیق ملک
۱۳۔ دسہرہ گراؤنڈ
راولپنڈی
nsmqq@hotmail.com

اقبال کے دو خطوط*

رحمان لطیف

یہ دونوں خطوط مولوی انشاء اللہ خاں ایڈیٹر [مدیر] اخبار وطن لاہور کے نام لکھے گئے تھے اور اسی اخبار کی اشاعت ۶/اکتوبر ۱۹۰۵ء اور ۲۲/دسمبر ۱۹۰۵ء میں بالترتیب شائع بھی ہوئے تھے۔ ان کے مندرجات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں خطوط اسی مقصد سے لکھے بھی گئے تھے کہ اخبار میں چھاپے جائیں اور قارئین کے لیے معلومات اور دلچسپی کا باعث بنیں۔ دوسرے خط سے ایک غزل ''مثال پرتوے طوف جام کرتے ہیں'' کی تاریخ اور شانِ نزول بھی معلوم ہوتی ہے۔

اس سفر سے متعلقہ ایک اور تحریر بھی اگر ان خطوط کے ساتھ پیش نظر رہے تو بہتر ہے، جو یہاں مخزن اکتوبر ۱۹۰۵ء سے نقل کی جاتی ہے۔ یہ عبارت ملاحظہ ہو:

> ۲/ستمبر ۱۹۰۵ء ہمارے خاص احباب کی تاریخ محبت میں ایک قابل یادگار دن ہے۔ صبح کا سہانا سماں ہے۔ بمبئی میل دہلی کے ریلوے اسٹیشن [اقامت گاہ] پر پہنچی ہے۔ خواجہ سید حسن نظامی دہلوی اور منشی نذر محمد بی۔اے، اسسٹنٹ انسپکٹر [نائب معاینہ

---

* سہ ماہی اقبال، اپریل ۱۹۶۲ء۔

نوٹ: سہ ماہی صحیفہ لاہور ماہ نو کراچی اور نیا دور لکھنؤ وغیرہ کے ذریعے پانچ چھ قسطوں میں اکبر علی خاں علامہ اقبال سے متعلق نوادر پیش ہو چکے ہیں۔ یہ نئی قسط اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھنی چاہیے۔ اس میں دو خط ہیں جو علامہ اقبال کے سفر یورپ کی یادگار ہونے کی وجہ سے مزید اہم ہیں۔ یہ خطوط جناب فضل الرحمٰن نعیمی صاحب گوجرانوالہ کا عطیہ ہیں۔ اُن کے اس لطف و کرم کا میں بے حد ممنون ہوں۔

کار] مدارس حلقہ دہلی اسٹیشن پر استقبال کو آئے ہیں۔ استقبال کس کا ہے؟ جدید شاعری کے روح و رواں اقبال با اقبال اور اس کے ہمراہیوں کا۔ وہ کیسے؟ اقبال بغرض تعلیم علوم و فنون انگلستان کو روانہ ہوئے ہیں۔ نیرنگ اور اکرام اپنے پیارے دوست کو رخصت کرنے کے لیے دہلی تک ساتھ گئے ہیں۔ ریل سے اتر کر اوّل منشی نذر محمد صاحب کے مکان پر تھوڑی دیر آرام کیا۔ بعد میں سب دوست مل کر حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ العزیز [اللہ ان کے سرّ عزیز کو برکت دے] کی درگاہ آسمان پایگاہ [آسمان جتنی بلند] کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں شہنشاہ ہمایوں کے مقبرے کی زیارت اور سیر کی۔ درگاہ میں پہنچ کر مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ اوّل اقبال نے عالم تنہائی میں مزار مبارک کے سرہانے بیٹھ کر ذیل کی نظم پڑھی اور ان کی درخواست پر سب احباب باہر صحن میں ٹھہرے رہے۔ بعد میں دوستوں کے اصرار پر اقبال نے اس نظم کو درگاہ کے صحن میں بیٹھ کر مزار مبارک کی طرف منہ کرکے دوبارہ ایک نہایت درد انگیز اور دلنشین لہجہ میں پڑھا۔ سب احباب اور دیگر سامعین نہایت متاثر ہوئے اور بے تحاشا زبان سے موقع بموقع کلمات تحسین و آفرین و آمین نکلتے تھے۔ ایک محویت کا عالم تھا کہ جس کی تصویر حاضرین کے تصور ہی کر سکتے ہیں۔ درگاہ سے واپس ہو کر خواجہ حسن نظامی کے مکان پر قیام کیا اور حضرت محبوب الٰہی کے لنگر کی مہمانی سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ولایت نامی ایک نو عمر قوال خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ نو تعلیم تھا مگر خوش گلو اور باطبیعت۔ وہ کچھ گاتا رہا اور وقت نہایت مزے اور کیفیت سے گزرا۔ اس کے بعد شہر کو واپس ہوئے۔ واپسی کے وقت خاتم الشعرا مرزا اسد اللہ خاں غالب کی تربت پر حاضر ہوئے، عجیب کیفیت تھی۔ بندہ نیرنگ مرزا صاحب کی تربت کے سرہانے لوح تربت پر ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھا تھا۔ میرے دائیں اقبال عالم محویت میں بیٹھے تھے اور تربت کے گردا گرد تمام پارٹی [جماعت] حلقہ باندھے ہوئے تھی۔ دو بجے دن کا وقت اور دن بھی ستمبر کا۔ دھوپ تیز اور ہوا میں گھمس، مگر اسی قبر کی زیارت کا اثر تھا کہ کسی کو گرمی کا خیال تک نہ تھا۔

قوال زادے کو عجیب وقت کی سوجھی۔ بولا حضور! مرزا غالب کی ایک غزل یاد آئی، اگر اجازت ہو تو سناؤں۔ سرود بمستاں یاد دھانیدن [مستوں کو نغمہ آرائی یاد دلانا]، یہاں عذر کس کو تھا۔ چنانچہ اس نے یہ غزل گائی:

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی   دونوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی

ذیل کے دو شعروں پر عجیب کیفیت رہی:

اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں   بارے اب اے خدا ہوس بال و پر گئی
وہ بادۂ شبانہ کی سر مستیاں کہاں   اُٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

غزل کے ختم ہونے پر جب ایک دو منٹ [لمحہ] میں ذرا ہوش بجا ہوئے تو سب چلنے کو اُٹھے۔ اقبال نے جوش محویت میں مرزا صاحب کے مزار کو بوسہ دیا اور سب شہر کو روانہ ہوئے۔

اچھا، پیارے اقبال!

بہ   سفر   رفتنت   بہ سلامت روی و باز آئی[1]

زندہ رہیں گے تو تین سال بعد تیرے کلام کو تیری پیاری زبان سے پھر سنیں گے۔ ناظرین مخزن کی ضیافت طبع کے لیے یہ نظم اس نوٹ [یادداشت] کے ساتھ بھیجتا ہوں۔

نیرنگ

(۱)

مخدوم و مکرم مولوی صاحب، السلام علیکم!

آپ سے رخصت ہو کر اسلامی شان و شوکت کے اُس قبرستان میں پہنچا جس کو دہلی کہتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر خواجہ سید حسن نظامی اور شیخ نذر محمد صاحب اسسٹنٹ

---

1 ترجمہ:
تیرا سفر پر نکلنا
سلامتی سے جاؤ اور واپس آؤ۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

مدارس موجود تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے شیخ صاحب موصوف کے مکان پر قیام کیا، بعد ازاں حضرت محبوب الٰہی کے مزار پر حاضر ہوا اور تمام دن وہیں بسر کیا۔ اللہ اللہ۔ حضرت محبوب الٰہی کا مزار بھی عجیب جگہ ہے۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ دہلی کی پرانی سوسائٹی [معاشرہ] حضرت کے قدموں میں مدفون ہے۔ خواجہ حسن نظامی کیسے خوش قسمت ہیں کہ ایسی خاموش اور عبرت انگیز جگہ میں قیام رکھتے ہیں۔ شام کے قریب ہم اس قبرستان سے رخصت ہونے کو تھے کہ میر نیرنگ نے خواجہ صاحب سے کہا کہ ذرا غالب مرحوم کے مزار کی زیارت بھی ہو جائے کہ شاعروں کا حج یہی ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب موصوف ہم کو قبرستان کے ایک ویران سے گوشے میں لے گئے جہاں وہ گنج معانی مدفون ہے جس پر دہلی کی خاک ہمیشہ ناز کرے گی۔ حسن اتفاق سے اُس وقت ہمارے ساتھ ایک نہایت خوش آواز لڑکا ولایت نام تھا۔ اس ظالم نے مرزا کے مزار کے قریب بیٹھ کر:

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی

کچھ ایسی خوش الحانی سے گائی کہ سب کی طبیعتیں متاثر ہو گئیں۔ بالخصوص جب اُس نے یہ شعر پڑھا:

وہ بادۂ شبانہ کی سر مستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آنکھیں پرنم ہو گئیں اور بے اختیار لوح مزار کو بوسہ دے کر اس حسرت کدہ سے رخصت ہوا۔ یہ سماں اب تک ذہن میں ہے اور جب کبھی یاد آتا ہے تو دل کو تڑپا جاتا ہے۔

اگرچہ دہلی کے کھنڈر مسافر کے دامن دل کو کھینچتے ہیں مگر میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ہر مقام کی سیر سے عبرت اندوز ہوتا۔ شہنشاہ ہمایوں کے مقبرے پر فاتحہ پڑھا۔ دارا شکوہ کے مزار کی خاموشی میں دل کے کانوں سے ہو الموجود [وہی موجود ہے] کی آواز سنی اور دہلی کی عبرت ناک سرزمین سے ایک ایسا اخلاقی اثر لے کر رخصت ہوا جو صفحۂ دل سے کبھی نہ مٹے گا۔

۳ ستمبر [۱۹۰۵ء] کی صبح کو میر نیرنگ اور شیخ محمد اکرام اور باقی دوستوں سے دہلی میں رخصت ہو کر بمبئی کو روانہ ہوا اور ۴ [ستمبر ۱۹۰۵ء] کو خدا خدا کرکے اپنے سفر کی پہلی منزل میں پہنچا۔ ریلوے اسٹیشن [پڑاؤگاہ] پر تمام ہوٹلوں [قیام گاہوں] کے ٹکٹ [پروانے] ملتے ہیں۔ مگر میں نے ٹامس کک کی ہدایت سے انگلش ہوٹل [برطانوی طرز کی قیام گاہ] میں قیام کیا اور تجربہ سے معلوم کیا کہ یہ ہوٹل [قیام گاہ] ہندوستانی طلبا کے لیے جو ولایت جا رہے ہوں نہایت موزوں ہے۔ ریلوے اسٹیشن یہاں سے قریب ہے، گھاٹ یہاں سے قریب ہیں، ٹامس کک کا دفتر یہاں سے قریب، غرض کہ ہر قسم کا آرام ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شہر کے باقی تمام ہوٹلوں کی نسبت ارزاں ہے۔ صرف تین روپیہ یومیہ دو اور ہر قسم کا آرام حاصل کرلو۔ یہاں کا منتظم ایک پارسی پیر مرد ہے جس کی شکل سے اس قدر تقدس ظاہر ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو ایران کے پرانے خشور (نبی) یاد آجاتے ہیں۔ دکانداری نے اُس کو ایسا عجز سکھا دیا ہے کہ ہمارے بعض علما میں باوجود عبادت اور مرشد کامل کی صحبت میں بیٹھنے کے بھی ویسا انکسار پیدا نہیں ہوتا۔ کارلائل نے کیا خوب کہا ہے کہ:

"محنت ہی بہت بڑی عبادت ہے"

میرے دل پر اس پیر مرد کی صورت کچھ ایسا اثر کرتی تھی کہ بعض اوقات اُسے دیکھ کر میری آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔ لیکن جب اُس کی وقعت میرے دل میں اندازہ سے زیادہ ہو گئی تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کا بیان بعض وجودہ سے ضروری ہے۔ میں ایک شام نیچے کی منزل میں کرسی پر بیٹھا تھا کہ پارسی پیر مرد کمرے سے باہر نکلا۔ اس کی بغل میں شراب کی ایک بوتل تھی۔ جب اُس نے مجھے بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کو چھپانے کی کوشش کی اور میں نے دور سے تاڑ کر آواز دی کہ سیٹھ صاحب ہم سے کیوں چھپاتے ہو، خوشی سے اس کا شوق کرو۔ ذرا مسکرایا اور کچھ پیے ہوئے بھی تھا بولا:

؎ شراب شوق پینے سے سبھی غم دور ہو جائے[1]

میں نے سن کر کہا وارے بڈھے خدا تیری عمر دراز کرے اور تیری پرانی شاخ سے بہت سا میوۂ نورس پیدا ہو کر بمبئی کھیت باڑی میں بکتا پھرے۔

اس ہوٹل میں ایک یونانی بھی آکر مقیم ہوا جو ٹوٹی پھوٹی سی انگریزی بولتا تھا۔ میں نے ایک روز اُس سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ بولا چین سے آیا ہوں۔ اب ٹرانسوال جاؤں گا۔ میں نے پوچھا چین میں تم کیا کام کرتے تھے؟ کہنے لگا سوداگری کرتا تھا لیکن چینی لوگ ہماری چیزیں نہیں خریدتے۔ میں نے سُن کر دل میں کہا ہم ہندیوں سے تو یہ افیمی ہی عقلمند نکلے کہ اپنے ملک کی صنعت کا خیال رکھتے ہیں۔ شاباش افیمیو، شاباش! نیند سے بیدار ہو جاؤ۔ ابھی تم آنکھیں ہی مل رہے ہو کہ اُس سے دیگر قوموں کو اپنی اپنی فکر پڑ گئی ہے۔ ہاں ہم ہندوستانیوں سے یہ توقع نہ رکھو کہ ایشیا کی تجارتی عظمت کو از سر نو قائم کرنے میں تمہاری مدد کر سکیں گے۔ ہم متفق ہو کر کام کرنا نہیں جانتے۔ ہمارے ملک میں محبت اور مروّت کی بو باقی نہیں رہی۔ ہم اُس کو پکا مسلمان سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کے خون کا پیاسا ہو اور اس کو پکا ہندو خیال کرتے ہیں جو مسلمان کی جان کا دشمن ہو۔ ہم کتاب کے کیڑے ہیں اور مغربی دماغوں کے خیالات ہماری خوراک ہیں۔ کاش خلیج بنگالہ کی موجیں ہمیں غرق کر ڈالیں! مولوی صاحب، میں بے اختیار ہوں۔ لکھنے تھے سفر کے حالات اور بیٹھ گیا ہوں وعظ کرنے۔ کیا کروں؟ اس سوال کے متعلق تاثرات کا ہجوم میرے دل میں اس قدر ہے کہ بسا اوقات مجھے مجنوں سا کر دیا اور کر رہا ہے۔

ایک شب میں کھانے کے کمرے میں تھا کہ دو جنٹلمین [شریف آدمی] میرے سامنے آبیٹھے۔ شکل سے معلوم ہوتا تھا کہ یورپین [یورپی] ہیں۔ فرانسیسی میں باتیں کرتے تھے۔ آخر جب کھانا کھا کر اُٹھے تو ایک نے کرسی کے نیچے سے اپنی ترکی ٹوپی نکال کر پہنی جس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی ترک ہے۔ میری طبیعت بہت خوش ہوئی اور مجھے یہ فکر پیدا ہوئی کہ کسی طرح ان سے ملاقات ہو۔

---

[1] پارسی بڈھے نے اس مصرع میں شراب، شوق اور غم کی مٹی پلید کی ہے۔

دوسرے روز میں نے خواہ مخواہ باتیں شروع کیں۔ یورپ کی اکثر زبانیں سوائے انگریزی کے جانتا تھا۔ میں نے پوچھا فارسی جانتے ہو۔ بولا بہت کم۔ پھر میں نے فارسی میں اُس سے گفتگو شروع کی، لیکن وہ نہ سمجھتا تھا۔ آخر بمجبوری ٹوٹی پھوٹی عربی میں اُس سے باتیں کیں۔

یہ نوجوان ترک ینگ ٹرک پارٹی [جماعت نوجوانانِ ترکی] سے تعلق رکھتا ہے اور سلطان عبدالحمید کا سخت مخالف ہے۔ باتوں باتوں میں مجھے معلوم ہوا کہ شاعر بھی ہے۔ میں نے درخواست کی کہ اپنے شعر سناؤ۔ کہنے لگا میں کمال بے (ترکی کا سب سے مشہور زندہ شاعر) کا شاگرد ہوں اور اکثر پولیٹیکل [سیاسی] معاملات پر لکھا کرتا ہوں۔ کمال بے کے جو اشعار اُس نے سنائے سب کے سب نہایت عمدہ تھے لیکن جو شعر اپنے سنائے وہ سب کے سب سلطان کی ہجو میں تھے۔ اُن میں سے ایک شعر یہاں درج کرتا ہوں:

ظلم و جورن تو سفوجہ بر ملتے محوا یلیور
آدمیت ملک و ملت دشمن عبدالحمید

یعنی کبیر ظلم و جور نے تمام قوم کو مٹا دیا ہے۔ عبدالحمید آدمیت اور ملک و قوم سب کا دشمن ہے۔

اس مضمون پر اُس سے بہت گفتگو ہوئی اور میں نے اُسے بتایا کہ ینگ پارٹی کو انگلستان کی تاریخ سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ کیونکہ جس طریق سے رعایا انگلستان نے بتدریج اپنے بادشاہوں سے پولیٹیکل حقوق حاصل کیے ہیں وہ طریق سب سے عمدہ ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان انقلابوں کا بغیر کشت و خون کے ہو جانا یہ کچھ خاک انگلستان ہی کا حصہ ہے۔ ایک روز سرِشام میں اور یہ ترک جنٹلمین بمبئی کا اسلامیہ مدرسہ دیکھنے چلے گئے۔ وہاں اسکول [مدرسہ] کی گراؤنڈ [میدان] میں مسلمان طلبا کرکٹ کھیل رہے تھے۔ ہم نے اُن سے ایک کو بلایا اور اسکول کے متعلق بہت سی باتیں اُس سے دریافت کیں۔ میں نے اُس طالب علم سے پوچھا کہ انجمن اس اسکول کو کالج [کلیہ] کیوں نہیں بنا دیتی، کیا فنڈ [سرمایہ] نہیں ہے یا اور کوئی وجہ

ہے۔ اس نے جواب دیا کہ فنڈ تو موجود ہے اور اگر ضرورت ہو تو ایک آن میں موجود ہو سکتا ہے کیونکہ خدا کے فضل سے یہاں بڑے بڑے متموّل مسلمان سوداگر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اور اچھے اچھے کالج بمبئی میں موجود ہیں اور جیسی تعلیم اُن میں ہوتی ہے ویسی سر دست ہم یہاں دے بھی نہیں سکتے۔ یہ جواب سن کر میں بہت خوش ہوا۔ میرا خیال تھا کہ بمبئی جیسے شہر میں مسلمانوں کا کالج ضرور ہوگا کیونکہ یہاں کے مسلمان تموّل میں کسی اور قوم سے پیچھے نہیں ہیں۔ لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ تموّل کے ساتھ اُن میں عقل بھی ہے۔ ہم پنجابیوں کی طرح احمق نہیں ہیں۔ ہر چیز کو تجارتی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نفع و نقصان پر ہر پہلو سے غور کر لیتے ہیں۔

غرض کہ بمبئی (خدا اسے آباد رکھے) عجب شہر ہے۔ بازار کشادہ، ہر طرف پختہ سر بفلک عمارتیں ہیں کہ دیکھنے والے کی نگاہ ان سے خیرہ ہوتی ہے۔ بازاروں میں گاڑیوں کی آمد و رفت اس قدر ہے کہ پیدل چلنا محال ہو جاتا ہے۔ یہاں ہر چیز مل سکتی ہے۔ یورپ امریکہ کے کارخانوں کی کوئی چیز طلب کرو فوراً ملے گی، ہاں البتہ ایک چیز ایسی ہے جو اس شہر میں نہیں مل سکتی یعنی فراغت۔

یہاں پارسیوں کی آبادی اسی نوے ہزار کے قریب ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہر ہی پارسیوں کا ہے۔ اس قوم کی صلاحیت نہایت قابل تعریف ہے اور ان کی دولت و عظمت بے اندازہ۔ مگر اس قوم کے لیے کسی اچھے فیوچر [مستقبل] کی پیشین گوئی نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ عام طور پر سب کے سب دولت کمانے کی فکر میں ہیں اور کسی چیز پر اقتصادی پہلو کے سوا کسی اور پہلو سے نگاہ ہی نہیں ڈال سکتے۔ علاوہ اس کے نہ کوئی ان کی زبان ہے نہ ان کا لٹریچر [ادب] ہے۔ اور طرہ یہ کہ فارسی کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ افسوس! یہ لوگ فارسی لٹریچر سے غافل ہیں ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ ایرانی لٹریچر میں عربیت کو فی الحقیقت کوئی دخل نہیں ہے بلکہ زردشتی رنگ اس کے رگ و ریشے میں ہے اور اسی پر اس کے حسن کا دار و مدار ہے۔ میں نے سکول کے پارسی لڑکوں اور لڑکیوں کو بازار

میں پھرتے دیکھا۔ چستی کی مورتیں تھیں۔ مگر تعجب ہے کہ ان کی خوبصورت آنکھیں اَسّی فیصدی کے حساب سے عینک پوش تھیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عینک پوشی پارسیوں کا قومی فیشن [رواج] ہوتا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ ان کے قومی ریفارمر [مصلح] اس طرف توجہ کیوں نہیں کرتے۔ اس شہر کی تعلیمی حالت عام طور پر نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے ہوٹل کا حجام ہندوستان کی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات جانتا تھا، گجراتی کا اخبار ہر روز پڑھتا تھا اور جاپان اور روس کی لڑائی سے پورا باخبر تھا۔ نوروجی دادا بھائی کا نام بڑی عزت سے لیتا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا: نوروجی انگلستان میں کیا کرتا ہے؟ بولا "حجور، کالوں کے لیے لڑتا ہے" ہوٹل کے نیچے مسلمان دکاندار ہیں۔ میں نے دیکھا ہر روز گجراتی اخبار پڑھتے تھے۔ میں نے ایک روز اُن سے پوچھا تم اُردو پڑھ سکتے ہو۔ کہنے لگے "نہیں، سمجھ سکتے ہیں، پڑھنا نہیں جانتے"۔ میں نے پوچھا کہ جب مولوی تمہارے نکاح پڑھاتا ہے تو کون سی زبان بولتا ہے۔ مسکرا کر بولا "اردو! " یہاں پر ہر کوئی اردو سمجھ سکتا ہے اور ٹوٹی پھوٹی بول بھی لیتا ہے۔ ہمارے ہوٹل کا سیٹھ (وہی بوتل والا پیر مرد) کبھی ہندوستان نہیں گیا مگر اردو خاصی بولتا تھا۔

میں بمبئی یعنی باب لنڈن [لندن کا دروازہ] کی کیفیت دیکھ کر حیران ہوں، خدا جانے لنڈن کیا ہوگا جس کا دروازہ ایسا عظیم الشان ہے۔ اچھا دیدہ خواہد شد [دیکھا جائے گا]۔ ۷ ستمبر کو ۲ بجے ہم وکٹوریہ ڈاک (گھاٹ) پر پہنچے جہاں مختلف کمپنیوں کے جہاز کھڑے ہیں۔ اللہ اکبر! یہاں کی دنیا ہی نرالی ہے۔ کئی طرح کے جہاز اور سینکڑوں کشتیاں ڈاک میں کھڑی ہیں اور مسافر سے کہ رہی ہیں کہ سمندر کی وسعت سے نہ ڈر۔ خدا نے چاہا تو ہم تجھے صحیح وسلامت منزل مقصود پر پہنچادیں گے۔ خیر! طبی معائنہ کے بعد میں اپنے جہاز پر سوار ہوا۔ لالہ دھنپت رام وکیل لاہور اور ان کے ایک دوست ڈاکٹر صاحب اس روز حسن اتفاق سے بمبئی میں تھے۔ میں اُن کا نہایت سپاس گزار ہوں کہ یہ دونوں صاحب مجھے رخصت کرنے کے لیے ڈاک پر تشریف لائے۔ بہت سے اور لوگ بھی جہاز پر سوار ہوئے اور اُن کے

دوستوں اور رشتے داروں کا ایک ہجوم ڈاک پر تھا۔ کوئی تین بجے جہاز نے حرکت کی اور ہم اپنے دوستوں کو سلام کہتے اور رومال ہلاتے ہوئے سمندر پر چلے گئے یہاں تک کہ موجیں اِدھر اُدھر سے آ آکر ہمارے جہاز کو چومنے لگیں۔ فرانسیسی قوم کا مذاق اس جہاز کی عمدگی اور نفاست سے ظاہر ہے۔ ہر روز صبح کو کئی آدمی جہاز کی صفائی میں مصروف ہوتے ہیں اور ایسی خوبی سے صفائی کرتے ہیں کہ ایک تنکا تک جہاز پر نہیں رہنے دیتے۔ ملازموں میں مصر کے چند حبشی بھی ہیں جو مسلمان ہیں اور عربی بولتے ہیں۔ جہاز کے فرانسیسی افسر نہایت خوش خلق ہیں اور اُن کے تکلفات کو دیکھ کر لکھنؤ یاد آجاتا ہے۔ ایک روز ایک افسر تختۂ جہاز پر کھڑا تھا کہ ایک حسین عورت کا ادھر سے گزر ہوا۔ اتفاق سے یا غالباً ارادتاً یہ عورت اُس افسر کے شانے پر ہاتھ رکھتی ہوئی گزری۔ ہمارے نوجوان افسر نے اس توجہ کے جواب میں ایک ایسی ادا سے جنبش کی کہ ہمارے ملک کے حسین بھی اس کی نقل نہیں اُتار سکتے۔

کھانے کے انتظام بھی نہایت قابل تعریف ہے۔ میز بھی فرانسیسی تکلف کی گواہی دے رہا ہے۔ مگر اس جہاز پر ہم ہندوستانیوں کے لیے ایک بڑی دقت ہے اور وہ یہ کہ جہاز کے تقریباً سب مسافر فرانسیسی بولتے ہیں، انگریزی کوئی نہیں بولتا۔ جہاز کے تمام ملازم فرانسیسی بولتے ہیں اور بعض اوقات اُن کو اپنا مطلب سمجھانے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ اگرچہ فرانسیسی جہازوں میں ہر طرح کی آسائش ہے، تاہم میری رائے یہی ہے کہ ہم لوگوں کو انگریزی کمپنیوں کے جہازوں میں سفر کرنا چاہیے۔ ان کے مسافر سب کے سب انگریزی دان ہوتے ہیں اور علاوہ اس کے مسافروں کی کثرت کی وجہ سے جہاز پر بڑی رونق ہوتی ہے۔ ہمارے اس جہاز میں ساٹھ سے زیادہ مسافر نہیں ہیں۔

ہم لوگ رات کو اپنے اپنے کمروں میں سوتے ہیں اور صبح سے شام تک تختۂ جہاز پر کرسیاں بچا کر بیٹھے رہتے ہیں۔ کوئی پڑھتا ہے، کوئی باتیں کرتا ہے، کوئی پھرتا ہے۔ کیبن میں جہاز کی جنبش کی وجہ سے طبیعت بہت گھبراتی ہے مگر تختۂ جہاز پر

بہت آرام رہتا ہے۔ میرے تمام ساتھی دوسرے ہی روز مرض بحری میں مبتلا ہو گئے مگر الحمد للہ کہ میں محفوظ رہا۔ مجھ سے اکثروں نے دریافت کیا کہ کیا تم نے پہلے بھی بحری سفر کیا ہے۔ جب میں نے جواب دیا کہ نہیں تو وہ حیران ہوئے اور کہا کہ تم بڑے مضبوط آدمی ہو۔ بمبئی سے ذرا آگے نکل کر سمندر کی حالت کسی قدر متلاطم تھی۔ خواجہ خضر صاحب کچھ خفا سے معلوم ہوتے تھے۔ اتنی اُونچی اُونچی موجیں آتی تھیں کہ خدا کی پناہ! دیکھ کر دہشت آتی تھی۔ ایک شب ہم کھانا کھا کر تختۂ جہاز پر آبیٹھے۔ کچھ عرصے کے بعد سمندر کی سرد ہوا نے ہم سب کو سلا دیا، مگر دفعتاً ایک خوفناک موج نے اُچھل کر ہم پر حملہ کیا اور تمام مسافروں کے کپڑے بھیگ گئے۔ عورتیں، بچے اور مرد دیکھے بھاگ کر اپنے اپنے کمروں میں جا سوئے اور ہم تھوڑی دیر کے لیے جہاز کے ملازموں اور افسروں کے تمسخر کا باعث بنے رہے۔ رستے میں ایک آدھ بارش بھی ہوئی جس سے سمندر کا تلاطم نسبتاً بڑھ گیا اور طبیعت اس نظارے کی یکسانیت سے اکتانے لگی۔ سمندر کا پانی بالکل سیاہ معلوم ہوتا ہے اور موجیں جو زور سے اُٹھتی ہیں اُن کو سفید جھاگ چاندی کی ایک کلغی سی پہنا دیتی ہے اور دور دور تک ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کسی نے سطح سمندر پر روئی کے گالے بکھیر ڈالے ہیں۔ یہ نظارہ نہایت دلفریب ہے اگر اس میں موجوں کی دہشت ناک کشاکش کی آمیزش نہ ہو۔ ان کی قوت سے جہاز ایک معمولی کشتی کی طرح جنبش کرتا ہے۔ آسمان اوپر تلے ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ آنکھیں اس نظارے سے کسی قدر مانوس ہو گئی ہیں اور نیز جہاز والوں کے چہروں کا اطمینان یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک معمولی بات ہے اس واسطے ہم کو بھی خوف کا احساس نہیں ہوتا۔ یورپین لڑکے لڑکیاں تختۂ جہاز پر دوڑتے پھرتے ہیں اور محسوس بھی نہیں کرتے کہ جہاز میں ہیں۔

ہمارا ہم سفر ایک پادری ہے جو جنوبی ہندوستان سے آیا ہے اور اب اٹلی کو جا رہا ہے۔ گزشتہ رات مجھ سے کسی نے کہا کہ یہ فرانسیسی پادری بہت سی زبانیں جانتا ہے اور روسی زبان خوب بولتا ہے۔ میں اُس کے پاس جا کھڑا ہوا اور اِدھر اُدھر کی

باتوں کے بعد پوچھا کہ کاؤنٹ [نواب] ٹالسٹائی کی نسبت تمہارا خیال ہے۔ اُس نے میرے سوال پر نہایت حیرانی ظاہر کی اور پوچھا کہ کاؤنٹ ٹالسٹائی کون ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ یہ شخص روسی زبان جانتا ہے اور کاؤنٹ کے مشہور نام سے واقف نہیں ہے۔ میں یہ لکھنا بھول گیا کہ جہاز پر دیاسلائی استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تختۂ جہاز کی ایک طرف ایک کمرے کی دیوار پر پیتل کی ایک انگیٹھی سی لگا رکھی ہے جس میں چند لکڑیاں آگ لگا کر رکھ دیتے ہیں۔ جن لوگوں کو سگریٹ یا سگار روسی [سگار نوشی] کرنا ہو اس انگیٹھی سے ایک لکڑی اُٹھالیں۔ جہاز کے سفر میں دل پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی چیز سمندر کا نظارہ ہے۔ باری تعالیٰ کی قوت لامتناہی کا جو اثر سمندر دیکھ کر ہوتا ہے شاید ہی کسی اور چیز سے ہوتا ہو۔ حج بیت اللہ میں جو تمدنی اور روحانی فوائد ہیں اُن سے قطع نظر کرکے ایک بڑا اخلاقی فائدہ سمندر کی ہیبت ناک موجوں اور اس کی خوفناک وسعت کا دیکھنا ہے جس سے مغرور انسان کو اپنے ہیچ محض ہونے کا پورا پورا یقین ہو جاتا ہے۔ شارع اسلام [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کی ہر بات قربان ہو جانے کے قابل ہے۔

بابی انت و امی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [میرے ماں باپ کی قسم، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم]

آج ۱۲ ستمبر کی صبح ہے۔ میں بہت سویرے اُٹھا ہوں۔ جہاز کے جاروب کش ابھی تختے صاف کر رہے ہیں۔ چراغوں کی روشنی دھیمی پڑ گئی ہے۔ آفتاب چشمۂ آب میں سے اُٹھتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور سمندر اس وقت ایسا ہی ہے جیسے ہمارا دریائے راوی۔ شاید صبح کے پرتاثیر نظارے نے اس کو سمجھا دیا ہے کہ سکون قلب بھی ایک نایاب شے ہے۔ ہر وقت کی الجھن اور بے تابی اچھی نہیں۔ طلوعِ آفتاب کا نظارہ ایک دردمند دل کے لیے تلاوت کا حکم رکھتا ہے۔ یہی آفتاب ہے جس کے طلوع و غروب کو میدان میں ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے مگر یہاں سمندر میں اس کی کیفیت ایسی ہے کہ

نظارہ ز جنبیدن مژگاہ گلہ دارد[1]

حقیقت میں جن لوگوں نے آفتاب پرستی کو اپنا مذہب قرار دے رکھا ہے میں کو قابل معذوری سمجھتا ہوں۔ ناسخ مرحوم کیا خوب فرما گئے ہیں:

ہے جی میں آفتاب پرستوں سے پوچھیے
تصویر کس کی ہے ورق آفتاب میں

کوئٹے کے ڈپٹی کمشنر [نائب حاکم] صاحب جو اٹھارہ ماہ کی رخصت لے کر ولایت جا رہے ہیں اور وہ پادری صاحب جو ٹالسٹائی کے نام سے ناواقف معلوم ہوتے تھے اس وقت جہاز کی اوپر کی چھت پر کھڑے اِس نظارے کا لطف اُٹھا رہے ہیں۔ یہ پادری صاحب بڑے مزے کے آدمی ہیں۔ ان میں ایک خاص ہنر ہے اور وہ یہ کہ ہر کسی کو باتوں میں لگا لیتے ہیں۔ انگریزی بولتے ہیں مگر بہت شکستہ اور مجھ کو جب بلاتے ہیں تو ٹالسٹائی کے نام سے۔ کل مجھ سے پوچھتے تھے تم ہندوستان کا ٹالسٹائی بننا چاہتے ہو۔ میں نے جواب دیا ٹالسٹائی بن جانا آسان نہیں۔ زمین سورج کے گرد لاکھوں چکر لگاتی ہے تب جاکے کہیں ایک ٹالسٹائی پیدا ہوتا ہے۔ کوئٹہ کے ڈپٹی کمشنر صاحب بڑے باخبر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کل رات اُن سے ہندوستان کے پولیٹیکل معاملات پر بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ عربی اور فارسی جانتے ہیں۔ سر ولیم میور کی تصانیف کے متعلق گفتگو ہوئی تو کہنے لگے کاش یہ شخص ذرا کم متعصب ہوتا۔ عمر خیام کے بڑے مداح ہیں مگر میں نے اُن سے کہا کہ اہل یورپ نے ابھی سحابی نجفی کی رباعیات کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ عمر خیام کو کبھی کے فراموش کر گئے ہوتے۔

اب ساحل قریب آتا جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن جا پہنچے گا۔ ساحل عرب کے تصور نے جو ذوق و شوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے اُس کی داستان کیا عرض کروں۔ بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کروں:

---

[1] ترجمہ:
نظارے کو پلک جھپکنے سے گلہ ہے

[مترجم: محمد سہیل عمر]

اللہ رے خاکِ پاک مدینہ کی آبرو
خورشید بھی گیا تو اِدھر سر کے بل گیا

اے عرب کی مقدس سرزمین، تجھ کو مبارک ہو! تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب و تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی! باغ کے مالک نے اپنے ملازموں کو مالیوں کے پاس پھل کا حصہ لینے کو بھیجا لیکن مالیوں نے ہمیشہ ملازموں کو مار پیٹ کے باغ سے باہر نکال دیا اور مالک کے حقوق کی کچھ پروا نہ کی۔ بدآہ! اے پاک سرزمین، تو وہ جگہ ہے جہاں سے باغ کے مالک نے خود ظہور کیا تاکہ گستاخ مالیوں کو باغ سے نکال کر پھولوں کو ان کے نامسعود پنجوں سے آزاد کرے۔ تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقش قدم دیکھے ہیں اور تیری کھجوروں کے سائے نے ہزاروں ولیوں اور سلیمانوں کو تمازت آفتاب سے محفوظ رکھا ہے۔ کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیرے ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو! کاش میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پروا نہ کرتا ہوا اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں اذان بلالؓ کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی۔

از عدن مورخہ ۱۲ ستمبر

راقم محمد اقبال

(اخبار وطن لاہور، نمبر ۳۹، جلد ۵، مورخہ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

(۲)

مولوی صاحب، مخدوم و مکرم، السلام علیکم

میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ سویز پہنچ کر دوسرا خط لکھوں گا مگر چونکہ عدن سے سویز تک کے حالات بہت مختصر تھے اس واسطے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ لندن پہنچ کر مفصل واقعات عرض کروں گا۔ میرے پاس ایک کاغذ تھا جس پر میں نوٹ لیتا جاتا تھا، مگر افسوس ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ کر وہ کاغذ کہیں کھو گیا۔ یہی وجہ

میرے اب تک خاموش رہنے کی تھی۔ شیخ عبدالقادر صاحب کی معرفت آپ کی شکایت پہنچی۔ کل ایک پرائیویٹ [ذاتی] خط میں نے آپ کو لکھا تھا۔ دونوں خط آپ کو ایک ہی وقت ملیں گے۔

عدن میں قدیم ایرانی بادشاہوں کے بنائے ہوئے تالاب ہیں اور یہ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ ایک دفعہ بارش کا تمام پانی ہر جگہ سے ڈھل کر اُن میں جا گرتا ہے۔ چونکہ ملک خشک ہے اس واسطے ایسی تعمیر کی سخت ضرورت تھی۔ میں بوجہ گرمی کے اور نیز قرنطینہ کے عدن کی سیر نہ کرسکا۔ انجینئری [مہندسی] کے اس حیرت ناک کرشمے کی نگاری سے محروم رہا۔ جب ہم سویز پہنچے تو مسلمان دکانداروں کی ایک کثیر تعداد ہمارے جہاز پر آموجود ہوئی اور ایک قسم کا بازار تختۂ جہاز پر لگ گیا۔ ان لوگوں کی فطرت میں میلان تجارت مرکوز ہے اور کیوں نہ ہو، ان ہی کے آباء و اجداد تھے جن کے ہاتھوں میں کبھی یورپ اور ایشیا کی تجارت تھی۔ سلیمان اعظم انھیں میں کا ایک شہنشاہ تھا جس کی وسعت تجارت نے اقوام یوروپ کو ڈرا کر ان کو ہندوستان کی ایک نئی راہ دریافت کرنے کی تحریک کی تھی۔

کوئی پھل بیچتا ہے، کوئی پوسٹ کارڈ دکھاتا ہے، کوئی مصر کے پرانے بت بیچتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ یہ ذرا سا بت اٹھارہ ہزار برس کا ہے جو ابھی کھنڈر کھودنے پر ملا ہے۔ غرض کہ یہ لوگ گاہکوں کو قید کرلیتے ہیں۔ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ انھیں لوگوں میں ایک شعبدہ باز بھی ہے کہ ایک مرغی کا بچہ ہاتھ میں لیے ہے اور کسی نامعلوم ترکیب سے ایک کے دو بنا کر دکھاتا ہے۔ ایک نوجوان مصری دکاندار سے میں نے سگریٹ خریدنے چاہے اور باتوں باتوں میں مَیں نے اُس سے کہا کہ میں مسلمان ہوں، مگر چونکہ میرے سر پر انگریزی ٹوپی تھی اُس نے ماننے میں تامل کیا اور مجھ سے کہا کہ تم ہیٹ [انگریزی ٹوپی] کیوں پہنتے ہو۔ تعجب ہے کہ یہ شخص ٹوٹی پھوٹی اردو بولتا تھا۔ جب وہ میرے اسلام کا قائل ہو کر یہ جملہ بولا "تم بھی مسلم ہو ہم بھی مسلم" تو مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ میں نے اُسے جواب دیا کہ ہیٹ پہننے سے کیا اسلام تشریف لے جاتا ہے؟ کہنے لگا،

کہ اگر مسلمان کی داڑھی منڈی ہو تو اس کو ترکی ٹوپی یعنی طربوش ضرور پہننا چاہیے، ورنہ پھر اسلام کی علامت کیا ہوگی۔ میں نے دل میں کہا کہ کاش ہمارے ہندوستان میں بھی یہ مسئلہ مروج ہو جاتا تاکہ ہمارے دوست موسمی علما کے حملوں سے مامون و مصوئن ہو جاتے خیر آخر یہ شخص میرے اسلام کا قائل ہوا اور چونکہ حافظ قرآن تھا اس واسطے میں نے چند آیات قرآن شریف کی پڑھیں تو نہایت خوش ہوا اور میرے ہاتھ چومنے لگا۔ باقی تمام دکانداروں کو مجھ سے ملایا اور وہ لوگ میرے گرد حلقہ باندھ کر ماشاء اللہ، ماشاء اللہ کہنے لگے اور میری غرض سفر معلوم کر کے دعائیں دینے لگے یا یوں کہیے کہ دو چار منٹ کے لیے وہ تجارت کی پستی سے اُبھر کر اسلامی اخوت کی بلندی پر جا پہنچے۔

تھوڑی دیر کے بعد مصری نوجوانوں کا ایک نہایت خوبصورت گروہ جہاز کی سیر کے لیے آیا۔ میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو اُن کے چہرے اس قدر مانوس معلوم ہوئے تھے کہ مجھے ایک سیکنڈ [لمحہ] کے لیے علی گڑھ کالج کے ایک ڈیپوٹیشن [وفد] کا شبہ ہوا۔ یہ لوگ جہاز کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے اور میں بھی دخل در معقولات اُن میں جا گھسا۔ دیر تک باتیں ہوتیں رہیں۔ اُن میں سے ایک نوجوان ایسی خوبصورت عربی بولتا تھا کہ جیسے حریری کا کوئی مقام پڑھ رہا ہو۔

آخر مسلمانوں کے اس گروہ کو چھوڑ کر ہمارا جہاز رخصت ہوا اور آہستہ آہستہ سوئز کنال میں جا داخل ہوا۔ یہ کنال جیسے ایک فرانسیسی انجینئر [مہندس] نے تعمیر کیا تھا دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ عرب اور افریقہ کی جدائی ہے اور مشرق و مغرب کا اتحاد ہے۔ دنیا کی روحانی زندگی پر مہاتما بدھ نے بھی اس قدر اثر نہیں کیا جس قدر اس مغربی دماغ نے زمانۂ حال کی تجارت پر اثر کیا ہے۔ کسی شاعر کا قلم اور کسی سنگ تراش کا ہنر اس شخص کی تخیل کی داد نہیں دے سکتا جس نے اقوالِ عالم میں اس تجارتی تغیر کی بنیاد رکھی، جس نے حال کی دنیا کی تہذیب و تمدن کو اور سے کچھ اور کر دیا۔ بعض بعض جگہ تو یہ کنال ایسی تنگ ہے کہ دو جہاز مشکل سے اس میں گزر سکتے ہیں اور کسی کسی جگہ ایسی بھی ہے کہ اگر کوئی غنیم چاہے کہ

رات بھر میں اسے مٹی سے پُر کر دے تو آسانی سے کر سکتا ہے۔ سینکڑوں آدمی ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں جب ٹھیک رہتی ہے اور اس کا ہمیشہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ دونوں جانب سے جو ریگ ہوا سے اڑ کر اس میں گرتی رہتی ہے اس کا انتظام ہوتا رہے۔ کنارے پر جو مزدور کام کرتے ہیں بعض نہایت شریر ہوتے ہیں۔ جب ہمارا جہاز آہستہ آہستہ جا رہا تھا اور جہاز کی چند انگریز بیبیاں کھڑی ساحل کی سیر کر رہی تھی تو اُن میں سے ایک مزدور از سر تا پا برہنہ ہو کر ناچنے لگا۔ یہ بیچاری دوڑ کر اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

جہاز سے گزرتے ہوئے ایک اور دلچسپ نظارہ بھی دیکھنے میں آیا اور وہ یہ کہ ہم نے ایک مصری جہاز گزرتے ہوئے دیکھا جو بالکل ہمارے ہی پاس سے ہو کر گزرا۔ اس پر تمام سپاہی ترکی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور نہایت خوش الحانی سے عربی غزل گاتے جاتے تھے۔ یہ نظارہ ایسا پُر اثر تھا کہ اس کی کیفیت اب تک دل پر باقی ہے۔

ابھی ہم پورٹ سعید نہ پہنچے تھے کہ ایک بارود سے بھرے ہوئے جہاز کے پھٹ جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر غرق ہو جانے کی خبر آئی۔ تھوڑی دیر میں اس کے ٹکڑے کنال سے گزرتے ہوئے دکھائی دیے۔ جان و مال کا بے اندازہ نقصان ہوا اور تھوڑی دیر کے لیے ہماری طبیعت اس مصیبت پر بہت متاثر رہی۔ پورٹ سعید پہنچ کر پھر مسلمان تاجروں کی دکانیں تختۂ جہاز پر لگ گئیں۔ میں ایک کشتی پر بیٹھ کر مع پارسی ہم سفر کے بندرگاہ کی سیر کو چلا گیا۔ پورٹ سعید جہازوں کو کوئلہ مہیا کرنے والے بندگاہوں میں سب سے بڑا ہے اور سعید پاشا کے نام سے مشہور ہے جس نے سوئز کنال بنانے کی اجازت دی تھی۔ عمارات کا نظارہ نہایت ہی خوبصورت ہے اور شہر چھوٹی سی بمبئی ہے جس کی نسبت خیال ہے کہ یہ کبھی دنیا کے تجارتی مرکزوں میں سے ایک ہوگا۔ مدرسہ دیکھا، مسجدوں کی سیر کی۔ اسلامی گورنر [حاکم] کا مکان دیکھا۔ موجد سوئز کنال کا مجسمہ دیکھا۔ غرض کہ خوب سیر کی۔ یہاں کے مدرسے میں عربی اور فرانسیسی پڑھاتے ہیں۔ جس حصے میں انگریز آباد ہیں وہ حصہ خصوصیت سے خوبصورت اور پاکیزہ ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جہاں

مسلمان آباد ہیں وہ جگہ بہت میلی ہے۔ یہودی، فرانسیسی، انگریز، یونانی، مسلمان غرضیکہ دنیا کی تمام اقوام یہاں آباد ہیں۔ سب کے محلے جدا جدا ہیں، ہوٹل بھی جدا جدا ہیں اور چرچ [گرجا] بھی۔ شہر کی سیر کر کے پورٹ آفس میں آیا۔ ملازم قریباً سب مسلمان ہیں اور خوب انگریزی اور عربی بولتے ہیں۔ اس عمارت میں داخل ہو کر میں نے "نوٹس بورڈ" [تختہ اعلانات] سے کئی نئے عربی الفاظ سیکھے جن کو ایک کاغذ پر میں نے نوٹ کر لیا، لیکن افسوس ہے کہ بعد میں وہ کاغذ بھی کھو گیا۔ کچھ ٹکٹ پوسٹ آفس [ڈاک خانہ] سے خرید کیے اور خطوں پر لگا کر ڈاک میں ڈالے۔ تعجب ہے کہ اُن میں سے کسی خط کی رسید نہیں آئی۔ آخر اپنے مسلمان راہ نما کو جو اکثر زبانیں جانتا تھا کچھ انعام دے کر جہاز کو لوٹا۔ یہاں جو پہنچا تو ایک اور نظارہ دیکھنے میں آیا۔ تختۂ جہاز پر تین اطالین عورتیں اور دو مرد وائلن بجا رہے تھے اور خوب رقص و سرود ہو رہا تھا۔ ان عورتوں میں ایک لڑکی جس کی عمر تیرہ چودہ سال کی ہو گی نہایت حسین تھی۔ مجھے دیانت داری کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ اس کے حسن نے تھوڑی دیر کے لیے مجھ پر سخت اثر کیا، لیکن جب اُس نے ایک چھوٹی سی تھالی میں مسافروں سے انعام مانگنا شروع کیا تو وہ تمام اثر زائل ہو گیا۔ کیونکہ میری نگاہ میں وہ حسن جس پر استغنا کا غازہ نہ ہو بد صورتی سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

القصہ فردوس گوش [یعنی کانوں کی جنت] اور کسی قدر جنت نگاہ کے حظوظ [لذتیں] اُٹھا کر ہم روانہ ہوئے اور ہمارا جہاز بحر روم میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے بہت سے جزیرے رستے میں ملتے ہیں جن میں سے بعض کسی نہ کسی بات کے لیے مشہور ہیں۔ لیکن ان کے نظارے کی کیفیت ذہن سے اُتر گئی۔ یہ جتنے سطور لکھے ہیں حافظہ سے لکھے ہیں۔ اگر میرے نوٹ [یادداشتیں] ضائع نہ ہو جاتے تو امید ہے کہ میں آپ کے ناظرین کو زیادہ کامیابی کے ساتھ خوش کر سکتا۔

بحر روم کے ابتدائی حصے میں سمندر کا نظارہ بہت دلچسپ تھا اور ہوا میں ایسا اثر تھا کہ غیر موزوں طبع آدمی بھی موزوں ہو جائے۔ میری طبیعت قدرتاً شعر کی طرف مائل ہو گئی اور میں نے چند اشعار کی غزل لکھی جو حاضر ہے:

مثال پر تو مے طوف جام کرتے ہیں
یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں
خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں
نیا جہاں کوئی اے شمع ڈھونڈیے کہ یہاں
ستم کش تپش ناتمام کرتے ہیں
عجب تماشا ہے مجھ کافر محبت کا
صنم بھی سن کے جسے رام رام کرتے ہیں
ہوا جہاں کی ہے پیکار آفریں کیسی
کہاں عدم کے مسافر قیام کرتے ہیں
نظارہ لالے کا تڑپا گیا مرے جی کو
بہار میں اسے آتش بجام کرتے ہیں
رہیں لذت ہستی نہ ہو کہ مثل شرار
یہ راہ ایک نفس میں تمام کرتے ہیں
بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی
کہ خوش نواؤں کو پابند دام کرتے ہیں
غرض نشاط ہے شغل شراب سے جن کی
حلال چیز کو گویا حرام کرتے ہیں
الٰہی سحر ہے پیران خرقہ پوش میں کیا
کہ اک نظر سے جوانوں کو رام کرتے ہیں
میں اُن کی محفل عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

جہاں کو ہوتی ہے عبرت ہماری پستی سے
نظام دہر میں ہم کچھ تو کام کرتے ہیں
بھلا نبھے گی تری ہم سے کیونکر اے واعظ
کہ ہم تو رسم محبت کو عام کرتے ہیں
ہرے رہو وطن مازنی کے میدانو!
جہاز پر سے تمھیں ہم سلام کرتے ہیں
جو بے نماز کبھی پڑھتے ہیں نماز اقبال
بلا کے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں

(مازنی اٹلی کے محسنین کا سر گروہ تھا۔ یہ شعر اُس وقت لکھا گیا جب کہ اُس ملک کا ساحل نظر کے سامنے تھا۔)

مار سیلز تک پہنچنے میں چھ روز صرف ہوئے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ سمندر کا آخری حصہ بہت متلاطم تھا اور کچھ اس خیال سے کہ اصلی راستے میں طوفان کا اندیشہ ہوگا ہمارا کپتان جہاز کو ایک اور راستے سے لے گیا جو معمولی رستے سے کسی قدر لمبا تھا۔ ۲۳ کی صبح کو مار سیلز یعنی فرانس کی ایک مشہور تاریخی بندرگاہ پر پہنچے اور چونکہ ہمیں آٹھ دس گھنٹے کا وقفہ مل گیا تھا اس واسطے بندرگاہ کی خوب سیر کی۔ مار سیلز کا نوٹر ڈام گرجا نہایت اُونچی جگہ پر تعمیر ہوا ہے اور اس کی عمارت کو دیکھ کر دل پر یہ بات منقوش ہو جاتی ہے کہ دنیا میں مذہبی تاثیر ہی حقیقت میں تمام علوم و فنون کی محرک ہوئی ہے۔ مار سیلز سے گاڑی پر سوار ہوئے اور فرانس کی سیر بھی "حسن رہگذرے" [راستے میں نظر آنے والا حسن] کے طریق پر ہو گئی۔ کھیتیاں جو گاڑی کے اِدھر اُدھر آتی ہیں اُن سے فرانسیسی لوگوں کا نفیس مذاق مترشح ہوتا ہے۔ ایک رات گاڑی میں کٹی اور دوسری شام ہم لوگ برٹش چنال [چینل: رود بادِ انگلستان] کو کراس [عبور] کرکے ڈوور اور ڈوور سے لندن پہنچے۔ شیخ عبدالقادر کی باریک نگہ نے باوجود میرے انگریزی لباس کے مجھے دور سے پہچان لیا اور دوڑ کر بغل گیر ہوگئے۔

مکان پر پہنچ کر رات بھر آرام کیا۔ دوسری صبح سے "کام" شروع ہوا یعنی ان تمام فرائض کا مجموعہ جن کی انجام دہی نے مجھے وطن سے جدا کیا تھا اور میری نگاہ میں ایسا ہی مقدس ہے جیسے عبادت۔

والسلام

آپ کا اقبال

از کیمبرج ۲۵ نومبر ۱۹۰۵ء

(اخبار وطن لاہور، نمبر ۴۹، جلد ۵، مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۰۵ء)

۲

اقبال پر نیا مواد*

بشیر احمد ڈار

انوارِ اقبال (مطبوعہ اقبال اکادمی) کے صفحہ ۲۸۶-۲۸۵ پر ایک خط جناب سید محمد سعید الدین جعفری کے نام درج ہے۔ اُس کے بعد ہمیں جعفری صاحب کے نام ایک اور خط کا عکس ملا ہے۔ ان دونوں خطوں کے عکس ہمیں جناب اکبر حسین قریشی (گورنمنٹ کالج، لائل پور[اب فیصل آباد]) کی معرفت موصول ہوئے۔

لاہور ۱۴ر نومبر ۳۳ء۔

مکرمی السلام علیکم۔

(۱) ایشیا کے قدیم مذاہب کی طرح اسلام بھی زمانۂ حال کی روشنی میں مطالعہ کیے جانے کا محتاج ہے۔ پرانے مفسرین قرآن اور دیگر اسلامی مصنّفین نے بڑی خدمت کی ہے۔ مگر ان کی تصانیف میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو جدید دماغ کو اپیل نہ کریں گی۔ میری رائے میں بحیثیت مجموعہ زمانۂ حال کے مسلمانوں کو امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان کی کتب زیادہ تر عربی میں ہیں مگر شاہ صاحب موصوف کی حجۃ اللہ البالغہ کا اُردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ حکما میں ابن رشد اس قابل ہے کہ اسے دوبارہ دیکھا جائے۔ علی ہذا القیاس غزالی اور رومی علیہم الرحمۃ۔ مفسرین میں میرے نقطۂ خیال سے زمخشری، اشعری نقطہ

---

* سہ ماہی اقبالیات، لاہور، شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۱۰، جنوری ۱۹۷۰ء۔

خیال سے رازی اور زبان و محاورہ کے اعتبار سے بیضاوی۔ نئے تعلیم یافتہ مسلمان اگر عربی زبان میں اچھی دستگاہ پیدا کریں تو اسلام کے رِی انٹرپریٹیشن [تعمیرِ نو] میں بڑی مدد دے سکیں گے۔ میں نے اپنی تصانیف میں ایک حد تک یہی کام کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان شاء اللہ اس پر نثر میں بھی لکھوں گا۔

(۲) الفاظ کے انتخاب میں لکھنے والا (شاعر) اپنی حس موسیقیت سے کام لیتا ہے اور مضامین کے انتخاب میں اپنے فطری جذبات کی پیروی پر مجبور ہوتا ہے۔ اس امر میں کسی دوسرے شخص کے مشورے پر خواہ وہ کتنا ہی نیک مشورہ کیوں نہ ہو، عمل نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے اعتراض کے متعلق یہ بھی عرض ہے کہ میرے نزدیک اسلام نوعِ انسان کی اقوام کو جغرافی حدود سے بالاتر کرنے اور نسل و قومیت کی مصنوعی مگر ارتقاانسانی کے ابتدائی مراحل میں مفید امتیازات کو مٹانے کا ایک عملی ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے اور مذاہب (یعنی مسیحیت، بدھ ازم وغیرہ) سے زیادہ کامیاب رہا ہے۔ چونکہ اس وقت ملکی اور نسلی قومیت کی لہر یورپ سے ایشیا میں آ رہی ہے اور میرے نزدیک انسان کے لیے یہ ایک بہت بڑی لعنت ہے، اس واسطے بنی نوع انسان کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس وقت اسلام کے اصلی حقایق اور اس کے حقیقی پیش نہاد پر زور دینا نہایت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں خالص اسلامی نقطۂ خیال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہوں۔ ابتدا میں مَیں بھی قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کا خواہ شاید سب سے پہلے میں نے دیکھا تھا لیکن تجربے اور خیالات کی وسعت نے میرے خیال میں تبدیلی کر دی اور اب قومیت میرے نزدیک محض ایک عارضی نظام ہے جس کو ہم ایک ناگزیر زشتی سمجھ کر گوارا کرتے ہیں۔ آپ پین اسلام [اتحادِ اسلام] کو ایک پولیٹیکل یا قومی تحریک تصور کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ایک طریق چند اقوامِ انسانی کو جمع کرنے اور ان کو ایک مرکز پر لانے کا ہے۔ اس غرض سے کہ ایک مرکز مشہودی پر مجتمع ہو جائے اور ایک ہی قسم کے خیالات رکھنے اور سوچنے کے باعث یہ اقوامِ نسلی اور قومی اور ملکی امتیازات و تعصبات کی لعنت سے آزاد ہو جائیں۔ پس اسلام ایک

قدم ہے نوعِ انسانی کے اتحاد کی طرف۔ یہ ایک سوشل [سماجی] نظام ہے جو حریت و مساوات کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ پس جو کچھ میں اسلام کے متعلق لکھتا ہوں اس سے میری غرض محض خدمت بنی نوع ہے اور کچھ نہیں اور میرے نزدیک عملی نقطہ خیال سے صرف اسلام ہیومینی ٹیرین آئیڈیل [سلام ہی انسان دوستی کاآدرش] کو اَچیو [حاصل] کرنے کا ایک کارگر ذریعہ ہے، باقی ذرائع محض فلسفہ میں خوشنما ضرور ہیں مگر ناقابل عمل۔ مجھے یہ معلوم کرکے تعجب ہوا کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خالص اسلامی حقایق پر لکھنے اور ان کو نمایاں کرنے سے ہندوستان کی اقوام میں باہمی عناد بڑھتا ہے۔ اس بات میں مَیں آپ سے متفق ہوں کہ مسلمانوں کو محبت کا طریق اختیار کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ مسلمان دنیا کے لیے سراپا شفقت ہے مگر اس اخلاقی انقلاب کو حاصل کرنے کے لیے پھر بھی ضروری ہے کہ اسلام اپنی اصلی روشنی میں پیش کیا جائے۔ میرا ذاتی طریق یہی ہے کہ میں دنیا کی تمام تحریکوں کو ادب اور احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، گو یہ احترام مجھے ایسی تنقید سے باز نہیں رکھ سکتا جس کی بنا دیانت پر ہو اور جس میں سوائے خلوص کے اور کچھ نہ ہو۔ غرض کہ میرا عقیدہ یہ ہے اور یہ عقیدہ محض خاندانی تربیت اور حوالی کے اثرات کا نتیجہ نہیں بلکہ بیس سال کے نہایت آزادانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ اس وقت اقوامِ انسانی کے لیے سب سے بڑی نعمت اسلام ہے اور جو شخص مسلمان کہلاتا ہے اس کا فرض ہے کہ قومی تعصب کی رو سے نہیں بلکہ خالصتاً اللہ کے لیے اپنی زندگی میں ایک عملی انقلاب پیدا کرے اور اگر دماغی قوت رکھتا ہے تو اپنی بساط کے مطابق اسلام کو سمجھے اور سمجھانے کی کوشش کرے تاکہ نوعِ انسانی قدیم توہمات سے نجات پائے۔ مسلمانوں کو سیاسیات سے پہلے اشاعت اسلام کا کام ضروری ہے تاہم دونوں کام ساتھ ساتھ ہو سکتے ہیں۔

منظر علی صاحب کے مذہبی عقاید کا حال سن کر مجھے کچھ تعصب نہیں ہوا کیونکہ نیشنلزم [قومیت] نے قریباً ہر ملک میں مذہب کو ڈِس پلیس [بے دخل] کیا ہے لیکن البتہ ان کے خیالات نے اس طرف پلٹا کھایا اور ان کو تحقیق کا شوق پیدا ہوا۔

چند مصنفین کے نام میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ میری رائے میں سید سلیمان ندوی اور مولانا ابوالکلام اس بارے میں بہتر مشورہ دے سکیں گے۔

مجموعہ شایع کرنے کی فکر میں ہوں۔ ان شاء اللہ ۲۴ء میں ضرور شایع ہو جائے گا۔

معلوم نہیں آپ کی سب باتوں کا جواب اس خط میں آیا ہے یا نہیں۔ میں نے آج تک اتنا طویل خط کسی کو نہیں لکھا اور نہ حقیقت میں ایسا کرنے کی فرصت ہے۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

مندرجہ ذیل تین خطوط جناب سید فصیح اللہ کاظمی کے نام ہیں۔ یہ صاحب الہٰ آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کی ایک کتاب اردوے فصیح پر اقبال نے انگریزی میں ایک تعریفی خط لکھا تھا جو اقبال ریویو اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شایع ہو چکا ہے۔ (صفحہ ۸۴)

پہلے دو خطوں میں اسرارِ خودی (طبع ۱۹۱۵ء) کے سلسلہ میں جو مخالفت کا طوفان برپا ہوا تھا، اس کے متعلق مفید اشارے پائے جاتے ہیں۔ یہ بحث ۱۹۱۵ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک چلتی رہی۔ وکیل، خطیب، زمیندار سبھی میں مضمون شایع ہوتے رہے، بعض اقبال کے حق میں، بعض ان کے خلاف۔ مکتوبات میں اس بحث پر کافی خط ملتے ہیں۔

مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان (مطبوعہ بزمِ اقبال، لاہور) میں چار پانچ خط مؤرخہ ۱۹ر جنوری، ۱۳ر فروری، ۸ر جولائی، ۱۱ر ستمبر ۱۹۱۶ء میں اسی موضوع پر بحث ہے۔ انوارِ اقبال میں شاہ سلیمان پھلواروی کے نام دو خط مؤرخہ ۲۴ر فروری اور ۹ر مارچ ۱۹۱۶ء (صفحہ ۱۸۲۔۱۷۷)، اقبال نامہ حصہ اول میں سید سلیمان ندوی کے نام ۱۳ر نومبر ۱۹۱۷ء کا خط (صفحہ ۷۸۔۷۷) اور مولانا اسلم جیراج پوری کے نام ۱۷ر مئی ۱۹۱۹ء کا خط (صفحہ ۵۵۔۵۲) اور اسی طرح اقبال نامہ حصہ دوم میں اکبر الہٰ آبادی کے نام مختلف خطوط اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ان دنوں اقبال اس طوفان سے بری طرح متاثر تھے حتیٰ کہ اصل کام جو وہ کرنا چاہتے تھے، وہ بھی اس بحث کے باعث ملتوی کرنا پڑا۔ چنانچہ خان نیاز الدین کو ایک (مؤرخہ ۱۳ر فروری ۱۹۱۶ء) میں لکھتے ہیں: میرا تو خیال تھا کہ فرصت کا وقت مثنوی کے دوسرے حصے کو دوں گا جو پہلے سے زیادہ ضروری ہے مگر خواجہ حسن نظامی نے بحث چھیڑ کر توجہ اور طرف منعطف کر دی ہے..." (صفحہ ۱)

مندرجہ ذیل ۳ر خطوں میں سے پہلے دو خطوں کی تاریخ بالترتیب ۱۰ر جولائی ۱۹۱۶ء اور ۱۴ر جولائی ۱۹۱۶ء ہے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس موضوع پر اقبال کے دو خط سراج الدین پال کے نام (مندرجہ اقبال نامہ، حصہ اول صفحہ ۴۰۔۴۴) بالکل انھی تاریخوں کو لکھے گئے۔ خط درج ذیل ہیں:

لاہور ۱۰ر جولائی ۱۶ء

مکرمی تسلیم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ حافظ شیرازی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے، وہ میری مثنوی اسرارِ خودی کا ایک جزو ہے جو حال میں فارسی میں شایع ہوئی ہے۔ اس میں خواجہ حافظ کے تصوف پر اعتراض ہے۔

میرے نزدیک تصوف وجودی مذہب اسلام کا کوئی جزو نہیں بلکہ مذہب اسلام کے مخالف ہے اور یہ تعلیم غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں میں آئی ہے۔ صوفی عبداللہ صاحب اس خیال کے اظہار سے قال سے حال میں آگئے۔ مگر یہ ایک خالص علمی اور تاریخی بحث ہے جس میں تاریخ و آثار سے تو مدد لینی چاہیے، گالیوں سے کام نہ چلے گا۔ صوفی عبداللہ صاحب نے گالیوں کی روش اختیار کی ہے، اس کا جواب مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ تصوف پر جو میرے خیالات ہیں ان کا اظہار میں متعدد مضامین میں کر چکا ہوں جو وکیل اخبار (امرتسر) میں شایع ہوئے ہیں۔ اگر آپ کو اس بحث میں دل چسپی ہو تو وکیل کے وہ تمام نمبر [شمارے] ملاحظہ فرمائیں۔ یہ خط انھی لوگوں کے اعتراضات کا جواب ہے اور مضمون بھی لکھ رہا ہوں۔ والسلام۔

صوفی صاحب کا رسالہ مدہوشی بے خودی میں نے نہیں دیکھا۔ اگر آپ کو ضرورت نہ ہو تو ارسال فرما دیجیے۔ میں دیکھ کر واپس کر دوں گا۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال لاہور

لاہور ۱۴ر جولائی ۱۶ء

مکرم بندہ السلام علیکم

آپ کا مرسلہ پیامِ اُمید ملا۔ یہ رسالہ میرے پاس موجود ہے۔ واپس ارسالِ خدمت کرتا ہوں۔ میں نے ان دونوں پر حاشیے مختصر لکھ دیے ہیں۔ اگر آپ کچھ لکھنا چاہیں

گے تو آپ کو ان نوٹوں [اشارات/یادداشتوں] سے مدد ملے گی اور تلاشِ سندات کی زحمت نہ اُٹھانا پڑے گی۔
تصوف کے متعلق میں خود لکھ رہا ہوں۔ میرے نزدیک حافظ کی شاعری نے بالخصوص اور عجمی شاعری نے بالعموم مسلمانوں کی سیرت اور عام زندگی پر نہایت مذموم اثر کیا ہے، اسی واسطے میں نے ان کے خلاف لکھا ہے۔ مجھے اُمید تھی کہ لوگ مخالفت کریں گے اور گالیاں دیں گے۔ لیکن میرا ایمان گوارا نہیں کرتا کہ حق بات نہ کہوں۔ شاعری میرے لیے ذریعہ معاش نہیں کہ میں لوگوں کے اعتراضات سے ڈروں۔ آخر میں انسان ہوں اور مجھ سے غلطی ممکن کیا یقینی ہے۔ نہ ہمہ دانی کا دعویٰ ہے نہ زبان دانی کا۔
افسوس ہے کہ مثنوی کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ پانچ سو کاپیاں شایع ہوئی تھیں جو زیادہ تر احباب میں تقسیم ہو گئیں۔ اب کوئی کاپی باقی نہیں ورنہ ارسالِ خدمت کرتا۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال لاہور

لاہور ۲۳ر فروری ۱۷ء
مکرم بندہ السلام علیکم
آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ بہت عرصہ ہوا پیام اُمید ایک دفعہ دیکھا تھا، اس کے بعد ملاحظہ سے نہیں گزرا۔ اعتراضات کا تعلق جہاں تک زبان سے ہے اس کا جواب دینا آسانی سے ہو سکتا ہے مگر اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور باقی رہے مطالب تو زمانہ خود سمجھا دے گا۔
جس تحریر کی بنا پر وہ آپ پر لائبل [بدنامی] کا مقدمہ دائر کرنا چاہتے ہیں میری نظر سے کسی رسالے یا اخبار میں نہیں گزری۔ اگر پڑھوں تو قانونی اعتبار سے اس کے متعلق رائے دے سکتا ہوں۔ آپ کے پاس پیام اُمید کی وہ اشاعت ہو تو بھیج دیں۔ میں بڑی خوشی سے اپنے علم اور سمجھ کے مطابق رائے دوں گا۔
افسوس ہے کہ میرے پاس بہت ہی نظمیں نہیں ہیں۔ اب مجموعہ مرتب کرنے کی کوشش میں ہوں کہ اشاعت کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام
مخلص محمد اقبال لاہور

غلام قادر فصیح کی کتاب تاریخ اسلام پر اقبال نے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔ یہ تقریظ جناب فصیح نے کتاب کے پہلے صفحے پر "اکابر ملت کے زریں خیالات" کے عنوان کے تحت شایع کر دی۔ یہ تقریظ ہمیں سید عبدالرحیم صاحب (خادم محلّہ، حافظ منزل، اجمیر) کی معرفت حاصل ہوئی جن کے ہم شکر گزار ہیں۔

> میرے نزدیک یہ رسالہ نہایت مفید ہے اور ہر مسلمان کو اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ عام مسلمانوں میں اخلاقِ حسنہ پیدا کرنے کے لیے اس سے اچھا ذریعہ اور کوئی نہیں کہ اس قسم کے تاریخی رسالے شایع کیے جائیں جن سے ان کو اسلاف کے حالات معلوم ہوں اور اُن کے طرزِ عمل کا ان پر اثر پڑے۔ قوموں کی بیداری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنی تاریخ سے کہاں تک دلچسپی ہے۔ آپ کے رسالے کی اشاعت سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلمان کہاں تک اپنے اسلاف کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔
>
> حالاتِ موجودہ کے مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں عام طور پر ایک قسم کی بیداری پیدا ہو گئی ہے اور تاریخی مضامین کو نہایت توجہ سے سنا جاتا ہے۔ اس واسطے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا رسالہ بر محل نکلا ہے اور ہماری ضروریات کا کفیل ہوگا۔ خود مجھ جو اثر اس کے مطالعے سے ہوا ہے، اس کا اظہار اس سے بہتر الفاظ میں نہیں کر سکتا کہ بسا اوقات دورانِ مطالعہ میں چشم پرآب ہو جاتا ہوں اور اس کا اثر میرے دل پر کئی کئی دن تک رہتا ہے۔ خدا کرے کوئی مسلمان گھر اس رسالے سے خالی نہ رہے۔

شیخ عبدالحق مرحوم اقبال کے عزیز دوستوں میں سے تھے۔ وہ ۱۹۱۳ء (بمطابق ۱۳۳۱ھ) میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات پر اقبال نے تاریخ کہی۔ یہ قطعۂ تاریخ باقیاتِ اقبال مرتبہ عبداللہ قریشی صاحب (مطبوعہ آئینۂ ادب، لاہور، ۱۹۶۶ء) کے صفحہ ۴۸۶ پر درج ہے۔ لیکن ہمیں شیخ عبدالحق مرحوم کے صاحب زادے میجر شیخ فضل حق (گلبرگ) سے اس قطعۂ تاریخ کا عکس مل گیا ہے جس کے ہم شکر گزار ہیں۔ اس کے علاوہ شیخ فضل حق موصوف سے ہمیں ایک گروپ فوٹو [گروہی عکسی تصویر] بھی ملا ہے جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور کی برٹ فلاسفیکل سوسائٹی [مجلس فلسفہ] کی طرف سے اقبال کو ایک دعوت دی گئی تھی۔ یہ

فوٹو اس موقع پر لیا گیا تھا۔ فوٹو اور قطعۂ تاریخ کا سراغ ہمیں استاد محترم جناب قاضی محمد اسلم کی عنایت سے ملا۔

قطعۂ تاریخ وفات شیخ عبدالحق مرحوم

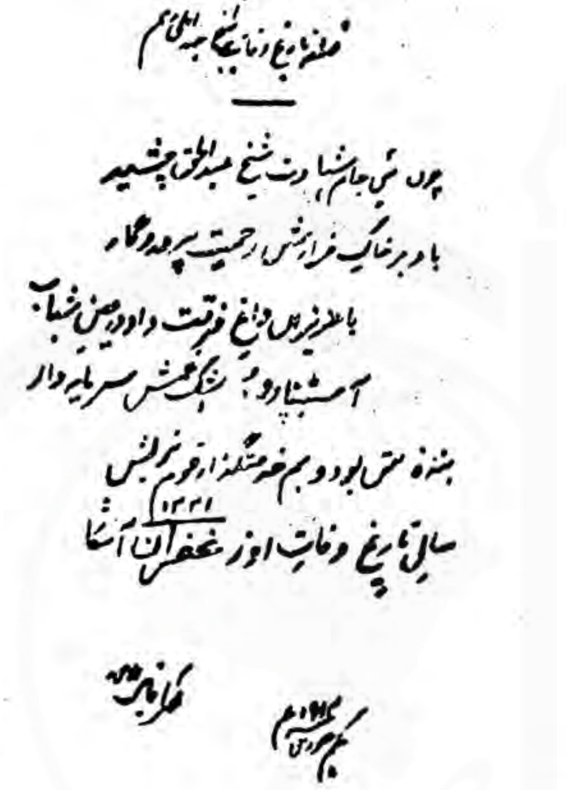
چوں مئ جامِ شہادت شیخ عبدالحق چشید
باد بر خاکِ مزارش رحمت پروردگار
با عزیزاں داغِ فرقت داد در عینِ شباب
آستینہا از دُرِ اشکِ غمش سرمایہ دار
بندۂ حق بود و ہم خدمت گذار قوم خویش
سالِ تاریخ وفاتِ از ز غفران آشکار[1]

۱۳۳۱ھ

---

[1] ترجمہ:
شیخ عبدالحق نے مے شہادت کا جام چکھ لیا
اس کی قبر کی مٹی پر پروردگار کی رحمت ہو
عین جوانی میں عزیزوں کو جدائی داغ دے گئے
اس کے غم میں بہائے ہوئے آنسو آستینوں کو بھگو رہے ہیں
اللہ کا بندہ تھا اور اپنی قوم کی خدمت کرنے والا
اس کی تاریخ وفات کا سال "غفران" سے نکلتا ہے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]


قطعۂ تاریخ وفات ... الحق مرحوم

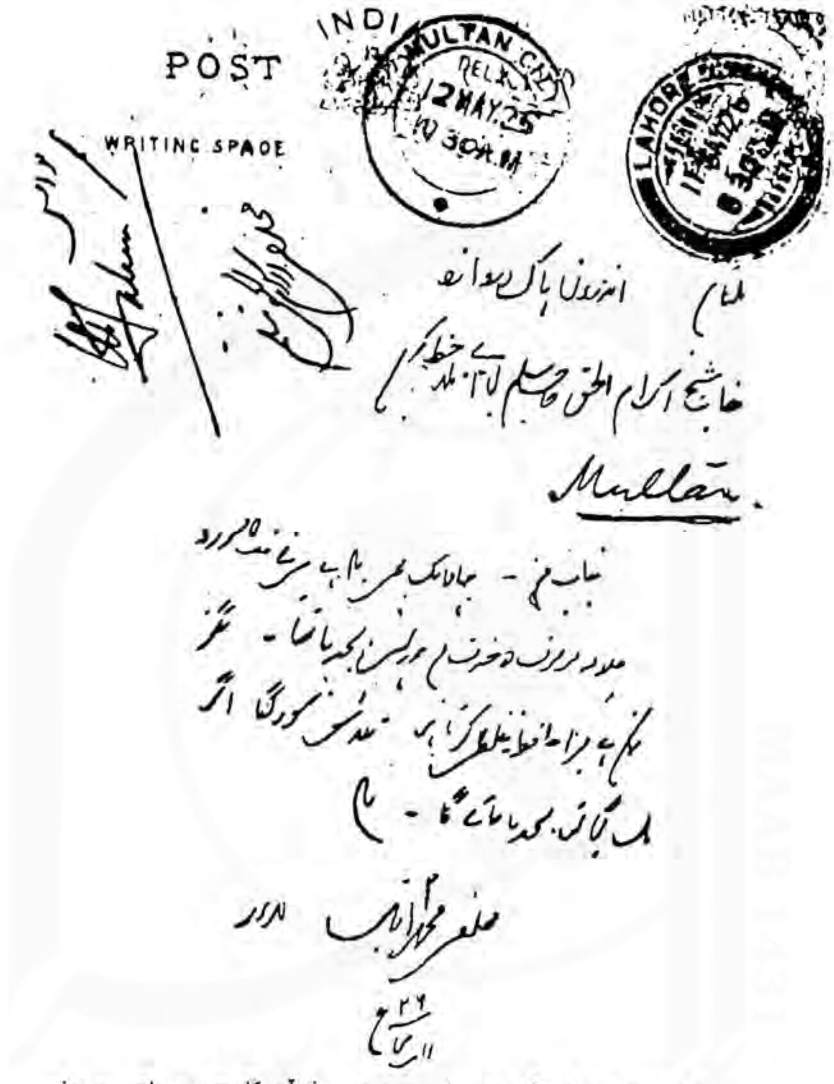
چوں تہی جام شبابِ دوست شیخ عبدالحق چشید
باد بر خاکِ مزارش رحمتِ پروردگار
با عزیزاں داغِ فرقت داد در عینِ شباب
آشنا بود و بہ رنگِ عشق سرمایہ دار
بندۂ حق بود و ہم خود مستغنی از ہجومِ نفس
۱۳۳۱
سالِ تاریخِ وفاتِ او ز غفران آشنا

محمد اقبال

یکم جنوری ۱۹۱۴ء محمد اقبال لاہور

جناب شیخ اکرام الحق صاحب سلیم نے ایک زمانے میں اقبال کے ایک مضمون کا اُردو ترجمہ کیا تھا۔ یہ انگریزی مضمون "نظریۂ اضافیت کی روشنی میں خودی" (سیلف اِن دِی لائٹ آف رِیلیٹیویٹی) اسلامیہ کالج لاہور کے رسالہ کریسنٹ (۱۹۲۵ء) میں شائع ہوا تھا۔ شیخ اکرام الحق صاحب نے اس مضمون کا اُردو ترجمہ معارف (اعظم گڑھ) والوں کو شائع کرنے کے لیے بھیج دیا۔ سید سلیمان ندوی مرحوم نے یہ مضمون اقبال کے پاس بھیجا تاکہ ان کی رائے معلوم کرلی جائے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو شیخ اکرام الحق صاحب نے اقبالؒ کو لکھا تاکہ مضمون کے متعلق معلوم ہوسکے۔ اقبال کا درج ذیل خط اُن کے اسی خط کے جواب میں ہے۔

شیخ اکرام الحق صاحب نے بہ کمال مہربانی کریسنٹ میں مطبوعہ انگریزی مضمون کی کاپی اور اپنا ترجمہ اقبال اکادمی کے حوالے کردیا۔ یہ اُردو ترجمہ اقبال ریویو کی کسی قریبی اشاعت میں شائع ہو جائے گا۔



جناب من ! جہاں تک مجھے یاد ہے ، میں نے آپ کا مسودہ علامہ موصوف
کی خدمت میں واپس بھیج دیا تھا ۔ مگر ممکن ہے میرا حافظہ غلطی کرتا ہو ۔
تلاش کروں گا اگر مل گیا تو بھیج دیا جائے گا ۔ والسلام
مخلص محمد اقبال لاہور
۱۱ مئی ۲۶ء

جناب من! جہاں تک مجھے یاد ہے، میں نے آپ کا مسودہ علامہ موصوف کی خدمت میں واپس بھیج دیا تھا۔ مگر ممکن ہے میرا حافظہ غلطی کرتا ہو۔ تلاش کروں گا اگر مل گیا تو بھیج دیا جائے گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۱ر مئی ۲۶ء

۳

علامہ اقبال کے چند نادر خطبات و مکاتیب*

محمد حنیف شاہد

اقبال شناس حضرات کے ایک خاص حلقے کے سوا عام لوگوں کا خیال ہے کہ علامہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسوں کی شرکت میں صرف نظمیں پڑھیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت علامہ کا انجمن حمایت اسلام کے ساتھ تعلق سب سے پہلے ۱۲نومبر ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوا جب آپ انجمن کی مجلس منتظمہ کے رکن منتخب ہوئے۔ اس وقت آپ اورینٹل کالج لاہور میں عربک ریڈر [عربی فاضل] تھے۔[1] پھر ۲۴فروری ۱۹۰۰ء کو آپ پہلی بار انجمن حمایت اسلام کی سٹیج [پنڈال/ میدانِ عمل] پر تشریف لائے اور اپنی مشہور و معروف نظم "نالۂ یتیم" پڑھی۔ ۲۸مارچ ۱۹۰۰ء کو خلیفہ عماد الدین صاحب کی جگہ اسلامیہ کالج کے انسپکٹر [معاینہ کار] مقرر ہوئے۔ ۲۴فروری ۱۹۰۱ء کو نظم "درد دل" یا "ایک یتیم کا خطاب ہلال عید سے"، ۲۲فروری ۱۹۰۲ء کو "خیر مقدم" و "دین و دنیا" ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء کو نظم "زبان حال" یا "اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں سے"، ۲۷فروری تا یکم مارچ ۱۹۰۳ء کے اجلاس میں نظم "فریاد اُمت"، ۲/اپریل ۱۹۰۴ء کو نظم "تصویر درد" و "نظم حالی" پڑھ کر خراج تحسین حاصل کیا۔ آپ نہ صرف انجمن کے جلسوں میں شرکت فرماتے رہے بلکہ متعدد جلسوں کی صدارت بھی فرمائی۔ حصولِ تعلیم کی خاطر انگلستان تشریف لے جانے سے قبل آپ نے آخری بار ۲۸ مئی ۱۹۰۵ء کے اجلاس میں شرکت کی اور انگلستان سے واپسی پر تیسویں سالانہ جلسے

---

* سہ ماہی اقبال شمارہ نمبر ۲ جلد نمبر ۱۹، دسمبر ۱۹۷۱ء۔

1 قلمی روداد: مجلس منتظمہ انجمن حمایت اسلام لاہور، ۳ مئی ۱۸۹۶ء تا ۱۶جون ۱۹۰۰ء۔

(منعقدہ ۱۹۰۸ء) میں شریک ہوئے اور انگریزی زبان میں ایک لیکچر [خطبہ] دیا جس کا اُردو ترجمہ میاں فضل حسین صاحب نے حاضرین کو سنایا۔ پھر ۱۰/اپریل ۱۹۰۹ء کو انگریزی زبان میں ایک لیکچر دیا جو آبزرور میں شائع ہوا۔ ۲۹/اپریل ۱۹۱۰ء کو آپ انجمن کے ثالثی بورڈ کے رکن منتخب کیے گئے۔ ۱۱ستمبر ۱۹۱۰ء کو میاں فضل حسین کی جگہ کالج کمیٹی [مجلس کلیہ] کے سیکرٹری [معتمد] کی خدمات آپ کو سونپی گئیں۔ ۲۵ستمبر ۱۹۱۰ء کو تحقیقاتی کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے۔ ۱۳اکتوبر ۱۹۱۰ء کو قواعد بنانے والی کمیٹی کے سیکرٹری کی خدمات آپ کو سونپی گئیں۔ ۲۵ستمبر ۱۹۱۰ء کو تحقیقاتی کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے۔ ۱۳اکتوبر ۱۹۱۰ء کو قواعد بنانے والی کمیٹی کے سیکرٹری اور ۲۳اکتوبر ۱۹۱۰ء کو پراونشل ایجوکیشنل کانفرنس [صوبائی تعلیمی مجلس] کے سیکرٹری چنے گئے۔ اپریل ۱۹۱۱ء میں آپ نے اپنی مشہور زمانہ اور بے عدیل [بے مثال] نظم "شکوہ" پڑھی۔ ۱۶/اپریل ۱۹۱۲ء کو "شمع و شاعر" اور ۲۳مارچ ۱۹۱۳ء کو ایک فارسی نظم پڑھی۔ ۱۹۱۸ء میں جب اسلامیہ کالج لاہور کے استادِ فلسفہ ڈاکٹر ہیگ انتقال کر گئے تو کچھ عرصے کے لیے ڈاکٹر صاحب ان کی جگہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ۲۳دسمبر ۱۹۱۹ء کو گوجرانوالہ وقف کے سلسلے میں آپ نے انجمن کے مقدمے کی پیروی کی۔

۳۱مارچ ۱۹۲۰ء کو آپ انجمن کے آنریری جنرل سیکرٹری [اعزازی معتمد عمومی] منتخب کیے گئے۔ ۴/اپریل ۱۹۲۰ء کو آپ نے نظم "ارتقاو مرد آزاد" پڑھی۔ ۴جولائی ۱۹۲۰ء کو یتیم خانہ کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۶/اپریل ۱۹۲۲ء کو نظم "خضر راہ" پڑھی۔ ۳۱جولائی ۱۹۲۲ء کو آنریری جنرل سیکرٹری شپ سے مستعفی ہو گئے۔ مارچ ۱۹۲۳ء والے سالانہ اجلاس میں نظم "طلوعِ اسلام" پڑھی۔ ۸جولائی ۱۹۲۳ء کو آپ دوبارہ آنریری جنرل سیکرٹری مقرر کیے گئے۔ ۱۹مئی ۱۹۲۴ء کو سیکرٹری شپ سے آپ کا استعفا منظور کر کے انجمن کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۲/جنوری ۱۹۲۷ء کو طباعت اور ٹیکنکل ایجوکیشن سب کمیٹی [ذیلی مجلس برائے فنی تعلیم] کے رکن بنے۔ ۱۷/اپریل ۱۹۲۷ء کو "روح تہذیب اسلامی" کے موضوع پر ایک لیکچر دیا اور ۶/اپریل ۱۹۲۸ء کو "فلسفۂ اسلام" و "علم اور مذہب کا تجربہ" کے عنوان سے دو لیکچر دیے، پھر ۱۴/اپریل ۱۹۲۹ء کو "قرآن کا مطالعہ" کے موضوع پر ایک مزید لیکچر دیا۔ ۱۹جنوری ۱۹۳۰ء کو ڈیپوٹیشن [وفد] (بسلسلہ گرانٹ [عطیہ]) ریاست بہاول پور کے رکن مقرر کیے گئے۔ ۷ستمبر ۱۹۳۰ء کو کالج

کمیٹی و جنرل کونسل [مجلس عمومی] کے رکن اور انجمن کے لائف پریذیڈنٹ [صدر تاحیات] منتخب ہوئے۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۰ء کو لائف پریذیڈنٹ کی حیثیت سے نواب بہاول پور کی خدمت میں آپ نے ایک "سپاس نامہ" پیش کیا۔ یکم جولائی ۱۹۳۴ء کو جب سر عبدالقادر (صدر انجمن) ممبر انڈیا کونسل [رکن مجلس ہند] ہو کر انگلستان تشریف لے گئے تو آپ کو صدر انجمن منتخب کیا گیا اور ۱۵ دسمبر ۱۹۳۵ء کو اس عہدۂ جلیلہ سے علالت طبع کے باعث مستعفی ہوئے۔ پھر ایک طویل عرصے کے بعد انجمن کی سٹیج پر تشریف لائے اور ۱۲/اپریل ۱۹۳۴ء والے اجلاس میں جب آپ خود گلے کی خرابی کی وجہ سے نظم "نغمۂ سرمدی" نہ پڑھ سکے تو آپ کی موجودگی میں یہ نظم کسی اور صاحب نے پڑھی۔

علامہ اقبال کا انجمن کے ساتھ تعلق تقریباً اڑتیں (۳۸) سال رہا۔ اس طویل عرصہ میں انھوں نے جو گراں قدر خدمات انجام دیں تمہید کے طور پر ان کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ فی الحال حضرت علامہ اقبال کی چند نادر اور غیر مطبوعہ تقاریر اور مکاتیب بطور تبرک ہدیۂ ناظرین ہیں۔ یہ تمام جواہر پارے انجمن حمایت اسلام کی غیر مطبوعہ روداووں میں درج ہیں۔

(۱)

۲۴ جون ۱۹۲۳ء کو انجمن حمایت اسلام کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس مولوی فضل الدین صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں جب علامہ اقبال کو سیکرٹری بنائے جانے کی تجویز پیش ہوئی تو جناب علامہ نے فرمایا:

> میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ میں یہ فرائض سرانجام نہیں دے سکتا لیکن مجھے کہا گیا تھا کہ میرا نام رہنا ضروری ہے۔ کام کرنے کے لیے مولوی غلام محی الدین صاحب کا نام منظور کیا گیا تھا۔ اب بھی میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔

احباب نے حضرت علامہ سے خاموش رہنے کی درخواست کی لیکن علامہ موصوف نے پھر باجازت صدر جلسہ نہایت غصے کی حالت میں فرمایا:

> موجودہ واقعات کے رونما ہونے کے بعد میں اس انجمن کا سیکرٹری تو کیا اس کی کونسل تک کا رکن رہنا پسند نہیں کرتا۔ انجمن حمایت اسلام نہ صرف پنجاب اور

- ہندوستان بلکہ ایشیااور دنیائے اسلام میں بھی مشہور ہے، جب اس کے ارکان کی اس کارگزاری کا حال ان ممالک میں سنایا جائے گا تو پنجاب اور ہندوستان کے باشندوں کی علم العموم اور مسلمانوں کی علی الخصوص سخت رسوائی ہوگی۔ بعض ارکان نے خدا جانے ایسی حرکات کیوں کی ہیں جو مسلمانوں کے لیے باعث ذلت و رسوائی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ صاف ہو جائے اور جب تک یہ معاملہ صاف نہ ہو جائے گا میں انجمن کارکن بننا بھی پسند نہ کروں گا۔
- کس طرح ملک کرم دین صاحب سے پوچھا گیا، ایک بار نہیں بلکہ دو بار اور انھوں نے یہ کہا کہ میں نہ کسی سے ملا ہوں نہ میں نے کسی سے کہا کہ میں شملہ تبدیل ہو گیا ہوں نہ جنرل کونسل کی رکنیت سے مستعفی ہوا ہوں نہ کہیں باہر جارہا ہوں۔ یہ تمام باتیں گھڑی گئی ہیں۔ پھر ان سے اپنے مطلب کے موافق لکھوانے کے لیے اور تحریر پر کوئی پچھلی تاریخ ڈلوانے کے لیے کوشش کی گئی۔ ان کی منتیں سماجتیں کی گئیں۔ اب منشی عبدالرحمٰن صاحب اور مولوی غلام محی الدین صاحب فرمائیں کہ کیا معاملہ ہے۔[1]

(۴)

۸ جولائی ۱۹۲۳ء کو ساڑھے پانچ بجے شام حبیبیہ ہال میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس مولوی فضل الدین صاحب نائب صدر انجمن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں مولوی احمد دین صاحب نے تحریک کی کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کو انجمن کا آنریری جنرل سیکرٹری قرار دیا جائے۔ میاں حسام الدین میونسپل کمشنر [مختارِ کارِ بلدیہ] امرتسر وغیرہ نے اس کی تائید کی چنانچہ ڈاکٹر صاحب موصوف بالاتفاق آنریری جنرل سیکرٹری منتخب ہوگئے۔ اس پر ڈاکٹر سر محمد اقبال کھڑے ہوئے اور مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:

میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے پھر مجھے آنزیری سیکرٹری منتخب کیا۔ میں ۱۹۲۰ء میں آنریری جنرل سیکرٹری منتخب ہوا تھا مگر کچھ عرصہ کے بعد میں نے دو تین بار استعفا دیا اور کونسل نے اپنی مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے استعفا منظور نہ

---

[1] ایضاً، ۲۰ جنوری ۱۹۲۲ء تا ۱۲ جولائی ۱۹۲۴ء۔

کیا اور میرا نام برائے نام سیکرٹری رہنا پسند کیا۔ مولوی غلام محی الدین صاحب میری جگہ کام کرتے رہے ہیں۔ میں مولوی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں لیکن جو حالات اس وقت مجھے معلوم ہو رہے ہیں ان حالات کے ہوتے ہوئے میں انجمن کا سیکرٹری تو کیا ممبر بھی نہیں رہنا چاہتا۔ ان باتوں کا تصفیہ کیا جائے۔

میں گزشتہ اجلاس میں موجود نہ تھا لیکن مجھے معلوم ہوا کہ منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب نے خاں صاحب ملک کرم الدین صاحب کی ایک چٹھی جائنٹ سیکرٹری [شریک معتمد] کو دی جو انھوں نے پیش کی اور وہ چٹھی میں اب پڑھتا ہوں۔

جائنٹ سیکرٹری صاحب! السلام علیکم۔

مجھے خاں صاحب منشی کرم الدین ملے تھے۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ میں شملہ جا رہا ہوں اور عنقریب میری تبدیلی شملہ میں ہونے والی ہے۔ اس لیے میری جگہ اور کا انتظام کرلیا جائے۔

آپ کا نیاز مند
محمد عبدالرحمٰن خان
۲۴ جولائی ۱۹۲۳ء

اس کے بعد شیخ عظیم اللہ صاحب سے خاں صاحب کرم الدین کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ میں نہ شملہ گیا ہوں نہ میری تبدیلی ہوئی ہے نہ عبدالرحمٰن صاحب مجھے ملے ہیں اور نہ میں نے ان کو کوئی پیغام دیا۔ چنانچہ ملک صاحب نے حاجی صاحب کو ایک چٹھی بھی لکھی کہ میری تبدیلی کی نسبت کونسل میں جو چٹھی پیش کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ خاں صاحب کرم الدین میرے پاس بھی تشریف لائے تھے اور جو بیان انھوں نے شیخ عظیم اللہ صاحب کے سامنے دیا اور چٹھی میں لکھا وہی مجھے بھی سنایا۔ میں نے انھیں کہا کہ اجلاس کونسل میں ضرور تشریف لائیں اور خود کونسل کے سامنے بیان دیں مگر افسوس وہ گجرات چلے گئے ورنہ میرا ارادہ تھا کہ ان کو ہمراہ لاتا۔ جہاں تک خاں صاحب کرم الدین کا تعلق ہے وہ میں نے بیان کر دیا ہے۔ جس کونسل کے ممبر اس قسم کے ہوں، میں اس کونسل کا ممبر بھی نہیں ہونا چاہتا۔

اس کے بعد سیکرٹری نے حسب فرمائش خاں صاحب کرم الدین کی چٹھی پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد سیکرٹری نے کہا کہ خاں صاحب مجھے بھی ملے تھے اور وہی کچھ بیان کیا جو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے فرمایا کہ میں مستغیث ہوں۔[1]

(۳)

۱۶/اپریل ۱۹۲۷ء بروز شنبہ کا چوتھا اجلاس جناب صلاح الدین صاحب ایم اے بیرسٹر ایٹ لا [وکیل عدالت العالیہ] کلکتہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں ڈاکٹر سر محمد اقبال نے بھی شرکت فرمائی اور آپ نے "دی سپرٹ آف اسلامک کلچر" یعنی "روح تہذیب اسلامی" کے موضوع پر انگریزی زبان میں ایک بے نظیر، فاضلانہ اور فلسفیانہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک اس کا صرف ابتدائی حصہ ختم ہو سکا۔ علامہ ممدوح نے حیرت انگیز نکات پیدا کیے اور انتہائی کوشش کی کہ ہر انگریزی دان انھیں سمجھ سکے۔ آخر میں حاضرین کے بے حد اصرار پر آپ نے اُردو زبان میں خطبے کا خلاصہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا:

ہر انسان کے دل میں مشاہدہ حقیقت کی ہوس ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے نظامِ عالم سے آگاہی حاصل ہو۔ زمان و مکاں کی کنہ [کی وجہ] سمجھ میں آجائے۔ جو حقیقت کائنات کے اندر پوشیدہ ہے اس کے مشاہدہ اور نظارہ کا موقع مل جائے۔ ساری قومیں اس مشاہدہ کے لیے ہمیشہ بے تابی کا اظہار کرتی رہی ہیں۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (البقرہ: ۵۵) (ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور کھلے طور پر نہ دیکھ لیں) خود حضرت موسیٰ علیہ السلام "رب ارنی" فرماتے رہے۔ میں نے لکھا ہے:

خرد گفت او بچشم اندر نگنجد — نگاہ شوق در امید و بیم است
نے گردد کہن افسانہ طور — کہ در ہر دل تمنائے کلیم است[2]

[کلیاتِ فارسی، ص ۲۱۴]

---

[1] ایضاً۔

[2] ترجمہ:

عقل کہتی ہے اسے ممکن نہیں ہے دیکھنا
ہے نگاہِ شوق لیکن خوگرِ اُمید و بیم
طور کا قصہ پُرانا ہو نہیں سکتا کبھی
ہر بستہ کے دِل میں پنہاں ہے تمنائے کلیم

[صدیقی، ص ۱۵۱]

مشاہدۂ حقیقت کے حصول کے دو طریق ہیں:

(۱) سمع و بصر اور (۲) قلوب یا بہ اصطلاحِ قرآنِ حکیم افئدہ۔

یہ ضروری ہے کہ ان دو طریقوں سے بقدر ضرورت کام لیا جائے۔ یورپ نے اپنی ساری کوششیں صرف "سمع و بصر" تک محدود کر دیں اور "افئدہ" کو ترک کر دیا۔ مسلمانوں نے اپنی توجہات "افئدہ" پر مرتکز کر دیں اور سمع و بصر سے پورا کام نہ لیا بلکہ ساری ایشیائی تہذیب کا یہی خاصہ ہے کہ اس میں "افئدہ" پر بہت زور دیا گیا ہے اور "سمع و بصر" کی بالکل پروا نہیں کی گئی۔ حالانکہ ضرورت دونوں طریقوں سے کام لینے کی ہے۔ نظامِ عالم کی آفرینش کو یوں سمجھو کہ حقیقت نے اپنی نمود یا اپنے آپ کو واضح کرنے کے لیے ایک نقطۂ خاص سے سفر کیا یا بہ اصطلاحِ صوفیہ کرام، حسن نے نظارے کے شوق میں اپنے آپ کو آشکارا کر دیا۔ اس خط سفر کا آخری نقطہ عالم ظاہر ہے۔ اب حقیقت تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ اس آخری نقطہ سے الٹا سفر کیا جائے۔

مشاہدے کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہیے کہ انسان اس میں اپنے آپ کو فنا کر دے۔ اسلام جس مشاہدے کا معلم ہے وہ اپنے آپ کو قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے یعنی اسلام کا مشاہدہ مردانگی پر مبنی ہے۔ ایک شاعر نے حضور سرور کائنات ﷺ کی نعت میں یہ نکتہ بڑے اچھے طریق پر واضح کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ نعت میں اس سے بہتر شعر نہیں لکھا گیا:

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک جلوۂ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمے[۱]

---

[۱] ترجمہ:
موسیٰ تو ایک جلوۂ صفات دیکھ کر ہوش سے بے گانہ ہوئے
آپ خود ذات کداوندی کو مسکراتے ہوئے دیکھتے رہے

[مترجم: محمد سہیل عمر]

یہ اسلامی آئیڈیل [معیاری نمونہ] ہے۔ اسلامی نقطۂ خیال سے معراج یہی ہے کہ مشاہدہ ذات کے بعد بھی عبودیت قائم رہے لیکن سرکشی اور تمرد کے لیے نہیں بلکہ خدمت و عبدیت کے لیے۔ مسلم کو کسی چیز میں فنا نہ ہونا چاہیے گو یہ فنائی اللہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۱) آنحضرت ﷺ ختم الرسل ہیں۔ نبی اس لیے بھیجے گئے کہ وہ لوگوں کو جن کی سمجھ ابتدائی حالت میں تھی سمجھائیں۔ عین اس وقت جب دنیا میں غور و فکر کا زور شور شروع ہوا اور لوگ تقلید سے نہیں بلکہ فہم و ادراک کی مدد سے نتائج اخذ کرنے لگے گویا تقلید جامد کی جگہ افق عالم پر علم و ادراک کا آفتاب طلوع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے آخری حجت کو ارسال کر دیا اور کہہ دیا کہ اب کوئی ایسا شخص نہیں آسکتا جس کی باتوں کو تم تنقید کے بغیر تسلیم کرلو۔ شہنشاہیت اور نبوت کا بھی خاتمہ ہوگیا اور دماغی غلامی پر موت چھا گئی۔ عقل کے عروج کی ابتدا وہ روزِ سعید ہے جب ختم الرسل ﷺ مبعوث ہوئے۔ اب اگر کوئی شخص نبوت کا مدعی ہو تو ہم اس کی دماغی حالت کا اسی طرح مطالعہ کریں گے جس طرح علم الحیات کا ماہر کسی مینڈک کے اجزا کا مطالعہ کرتا ہے اور کیکڑے کے وجود پر غور و فکر کی نگاہ ڈالتا ہے۔

(۲) یورپ کی ترقی اس سے شروع ہوئی کہ اہل مغرب نے فلاسفۂ یونان کے فلسفے کے خلاف جو تقویم پارینہ ہو چکا تھا علم جہاد بلند کیا۔ بیکن کے فلسفے کے خلاف جو تقویم پارینہ ہو چکا تھا علم جہاد بلند کیا۔ بیکن نے استقرائی منطق پر زور دیا۔ موشگافی کے بجائے مشاہدات و تجربات حصولِ علم کا ذریعہ قرار دیے گئے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ استقرائی منطق کا موجد اور مدون اول یعقوب کندی ہے بیکن نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ بیکن نے جو عربی پڑھا ہوا تھا اندلس کے عرب منطقیوں کی تصنیفات سے حظ وافر حاصل کیا اور ان کے خیالات کا ترجمہ کیا۔

(۳) ہندی حکما اور یونانی طلبہ کے نزدیک یہ دنیا ایک مکمل نظام کی شان رکھتی ہے مگر امام غزالی اور امام ابن تیمیہ جیسے اکابر اسلام نے اس واہمہ کی دھجیاں بکھیر کر

رکھ دیں۔ انھوں نے قرآن کریم کی آیاتِ بینات سے متاثر ہو کر دنیا کی عدمِ تکمیل کا دعویٰ کیا اور ثابت کیا کہ دنیا ابھی منازل ارتقا طے کر رہی ہے۔

(۴) فلسفۂ یونان کے خلاف جہاد کرنے کا ڈھنگ یورپ کے اربابِ فکر نے مسلمان حکما سے سیکھا۔ امام غزالی نے فلسفۂ یونان کے پرخچے اڑا دیے۔ ابن رشد نے فلسفے کی قبائے دریدہ کو رفو کرنا چاہا مگر وہ اس مقصد میں ناکام رہا۔

(۵) ذوالنون مصری بہت بڑے صوفی ہی نہیں تھے بلکہ اعلیٰ درجے کے کیمیا دان بھی تھے چنانچہ وہ حکیم جس نے سب سے پہلے یہ دریافت کیا کہ پانی جوہر بسیط نہیں بلکہ ایک مرکب شے ہے، آپ ہی ہیں۔

(۶) اٹلی کے مشہور شاعر "دانتے" نے اپنی شہرۂ آفاق نظم میں بہشت بریں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ تمام و کمال محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ سے ماخوذ ہے۔ اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے یورپ کے فلسفہ پر نہیں بلکہ ادب پر بھی زبردست اثر ڈالا۔[1]

(۴)

۲۳ جون ۱۹۲۹ء بروز اتوار بوقت ساڑھے سات بجے صبح انجمن کے دفتر میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس خان بہادر شیخ امیر علی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے بھی شرکت فرمائی۔ اعلیٰ حضرت نظام حیدرآباد دکن کے لاہور میں ورود مسعود کے موقع پر مسلمانانِ پنجاب کی طرف سے خیر مقدم کی تحریک و تجویز پیش ہوئی۔ اس سلسلے میں مولوی غلام محی الدین صاحب نے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر سر محمد اقبال نے فرمایا:

اعلیٰ حضرت سے نظام سے مسلمانان پنجاب کو بحیثیت مسلمان فرمانروا ہونے کے دلی عقیدت مندی ہے۔ اعلیٰ حضرت، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ چنیوٹ (پنجاب) کے نواب سعد اللہ خاں وزیراعظم شاہ جہاں سے بھی اعلیٰ حضرت کو نسبی تعلق ہے۔ ان خصوصیات کی بنا پر مسلمانان پنجاب کو اپنی

---

[1] قلمی روداد: جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور، منعقدہ ۱۶؍اپریل ۱۹۲۷ء۔

عقیدت مندی کا ثبوت اعلیٰ حضرت کے شاندار خیر مقدم کی صورت میں دینا لازم ہے۔ مجھے حیدر آباد دکن جانے پر حضور نظام کے حضور میں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ بالمشافہ گفت و شنید میں مَیں نے عرض کیا کہ مسلمانان پنجاب جناب کی تشریف آوری کے متمنی ہیں اور عرصہ سے چشم براہ ہیں کہ ان کی یہ اُمید بر آئے۔ چنانچہ یہ گفتگو جناب کے پنجاب میں نومبر آئندہ میں تشریف لانے کا پیش خیمہ ہوئی۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب نے حضور نظام سے اس بارے میں جو خط و کتابت ہوئی اس کا بھی مختصر ذکر فرمایا اور کہا کہ کل ایک مشاورتی جلسہ میں چند تجاویز پیش کی گئیں جن پر آج مفصل غور کرنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مختصراً تجاویز مذکورہ سے حاضرین کو آگاہ کیا۔[1]

(۵)

۲۳ نومبر ۱۹۳۰ء بروز اتوار بوقت گیارہ بجے صبح انجمن کے دفتر میں مولوی فضل الدین صاحب کی صدارت میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ روداد جلسہ[2] میں مذکور ہے:

۱۰۷۔ آنریری سیکرٹری جنرل [معتمد عمومی] نے ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ایم۔اے بیرسٹر ایٹ لا کی حسب ذیل چٹھی پیش کی:

لاہور ۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء

جناب سیکرٹری صاحب انجمن حمایت اسلام لاہور

جناب کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ تم کو جنرل کونسل اور کالج کمیٹی [مجلس کلیہ] کا ممبر انتخاب کیا گیا ہے۔ اس عزت افزائی کا شکریہ! لیکن میں نادم ہوں کہ کونسل و کمیٹی کے اجلاس میں حاضر نہیں ہو سکا اور ان غیر حاضریوں کی وجہ سے میں اس امر کا مستحق نہیں تھا کہ مجھے دوبارہ انتخاب کیا جاتا۔ لہٰذا ملتمس ہوں کہ میری جگہ کسی اور صاحب کو منتخب کیا جائے جو باقاعدہ

---

[1] قلمی روداد: جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور، ۶ جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶ دسمبر ۱۹۳۰ء۔

[2] ایضاً۔

حاضر ہوا کریں۔ اگر مجھے اعتماد ہوتا کہ آئندہ حاضر ہو سکوں گا تو یہ عریضہ نہ لکھتا لیکن کئی وجوہ سے اس باقاعدگی کا یقین نہیں اس واسطے مذکورہ بالا درخواست کی گئی۔

گرفتم اینکہ بہشتم دہند بے طاعت
قبول کردن و رفتن ز شرط انصاف است[1]

محمد اقبال

خان بہادر سر عبدالقادر نے فرمایا کہ ایسے اصحاب کا ممبر رہنا انجمن اور ہمارے لیے باعث عزت ہے ہم ان کو جدا نہیں کر سکتے۔ حاجی محمد حفیظ صاحب کی تحریک اور سر عبدالقادر صاحب کی تائید اور حاضرین کی تائید مزید سے قرار پایا کہ ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال انجمن کے لائف پریذیڈنٹ منتخب کیے جائیں۔

(٦)

۲۶ دسمبر ۱۹۳۰ء بروز جمعہ بوقت ساڑھے چار بجے شام دفتر انجمن میں جنرل کونسل کی سب کمیٹی کا جو اجلاس سر عبدالقادر صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا تھا اس میں فیصلہ کیا گیا کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم۔اے، پی ایچ ڈی، بیرسٹر ایٹ لا بحیثیت لائف پریذیڈنٹ آف انجمن ایڈریس پڑھیں گے۔ چنانچہ انجمن حمایت اسلام کا سالانہ جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۰ء بروز شنبہ بوقت صبح دس بجے تا ایک بجے دوپہر اعلیٰ حضرت رکن الدولہ حافظ الملک نصرت جنگ مخلص الدولہ ہز ہائی نس [عالی مرتبت] کیپٹن حاجی سر صادق علی خان عباسی خامس، کے۔سی۔آئی۔ کے۔سی۔وی۔او، والی ریاست بہاول پور کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جسٹس سر عبدالقادر صاحب کی مختصر تقریر کے بعد علامہ سر محمد اقبال صاحب نے انجمن کی طرف سے اعلیٰ حضرت نواب صاحب بہادر تاجدار بہاول پور کی خدمت میں مندرجہ ذیل تہنیت نامہ پیش کیا:

---

[1] ترجمہ:
میں نے جانا کہ مجھے بے اطاعت ہی جنت دے دیں گے
اسے قبول کرنا اور جنت میں جانا شرطِ انصاف نہیں
[مترجم: محمد سہیل عمر

اعلیٰ حضرت! ہم عقیدت مندانِ قدیم کو اس نوازشِ خسروانہ کے فریضہ سپاس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے الفاظ نہیں ملتے کہ حضور پُر نور نے ازراہِ علم پروری و قوم نوازی، انجمن حمایت اسلام کی التجا کو شرف پذیرائی بخشا اور قدوم میمنت لزوم سے انجمن کے سالانہ جلسہ کو چار چاند لگا دیے۔ گویا سلیمان نے مورِ ناتواں کی مہمانی قبول فرمائی۔

حضور کا ورودِ مسعود اسلامیان پنجاب کے لیے انتہائی فخر و مباہات کا سرمایہ ہے۔ لاہور شاداں ہے کہ آج اسے شمالی ہند کے سب سے بڑے اسلامی فرمانروا کی پابوسی کا شرف حاصل ہے۔ انجمن کا ہر فرد مسرت و انبساط کے پُرخلوص جذبات سے لبریز ہے کہ آج اراکین انجمن کو جس شہریار بلند اقبال کی بارگاہ میں بلاواسطہ عرض نیاز کا فخر حاصل ہے اس کے اجداد کرام جہاں صولت و سطوت شاہانہ کے ایسے زندہ جاوید نقش صفحہ روزگار پر چھوڑ گئے ہیں جن کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی، وہاں ان کی علم نوازیوں کی نظیر سے بھی شرق و غرب کی تاریخ کے اوراق یکسر خالی ہیں۔ یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہے کہ علوم و فنون نے عباسیوں کے ظل عاطفت میں جنم لیا اور عباسیوں ہی کے دامان بخشش و نوازش میں ان کا نشوونما ہوا۔ ایسا ہونا ناگزیر تھا اس لیے کہ یہ دودمان عالی افقہ الناس حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یادگار ہے۔ جنھیں خواجہ دو جہاں سرور عالم و عالمیان ﷺ نے خیر الامت کے لقب سے ممتاز فرمایا اور افتاح ابواب علم کی دعا سے شرف بخشا۔ ہم اس مبارک وقت اور سعید تقریب پر جتنا بھی فخر کریں بجا ہے کہ ہماری گردنیں آج اس جواں بخت فرمانروا کی بارگاہ میں جھک رہی ہیں جن کا عالی شان دودمان اسلام و تاریخ کا سب سے زیادہ بیش بہا سرمایہ ہے۔

انجمن حمایت اسلام پرورش علم و فن کی انھی فقید المثال روایات کو زندہ رکھنے کے لیے کوشاں ہے جو سب سے بڑھ کر دودمان عالیہ عباسی کی ممنون احسان ہیں۔ چھیالیس سال ہوئے کہ چند دردمندان قوم نے نہایت ہی حقیر سامان کے ساتھ اس انجمن کی بنیاد ڈالی تھی۔ آج خدا کے فضل و کرم سے اس کے ارکان کی تعداد چار

ہزار ہے۔ اس کے مختلف ادارات [ادارے] ہیں۔ پانچ ہزار لڑکے اور لڑکیاں علم کی دولت سے مالامال ہو رہے ہیں۔ اس کا ایک عظیم الشان کالج ہے۔ چار ہائی سکول [مدرسہ ثانویہ] ہیں۔ دو مڈل [آٹھویں جماعت] سکول ہیں۔ ایک زنانہ مڈل سکول ہے۔ چھ زنانہ مدارس ہیں۔ ایک طبیہ کالج ہے۔ ایک جے۔اے۔وی ٹریننگ کالج ہے۔ ایک مردانہ یتیم خانہ ہے۔ ایک زنانہ یتیم خانہ۔ علاوہ ازیں انگریزی و یونانی شفا خانے ہیں۔ اخبار حمایت اسلام ہے۔ کالج کی ایک عظیم الشان لائبریری [کتب خانہ] ہے جو ہماری بے بضاعتی کے باوجود صوبے کے تمام سرکاری و غیر سرکاری ادارات کے کتب خانوں میں خاص حیثیت رکھتی ہے۔ ایک ادارہ تالیف و طبع ہے جس کے زیر اہتمام دینیات اور اردو فارسی کی مفید کتب کا وسیع سلسلہ مرتب ہو کر چھپ چکا ہے اور اس وقت مختلف مدارس میں بطور نصاب رائج ہے۔ ایک وسیع مطبع ہے۔ حال ہی میں انجمن نے اشاعت اسلام کالج کے نام سے ایک نئی درس گاہ قائم کی ہے جس میں طلبہ کو دینی تعلیم دی جائے گی اور ان کو اشاعت اسلام کے اہم مقصد کے لیے تیار کیا جائے گا۔ اس درس گاہ کے فارغ التحصیل طلبہ جہاں دینیات کے ماہر ہوں گے وہاں جدید مغربی علوم سے بھی انھیں واقفیت حاصل ہو گی اور اس طرح تبلیغ و اشاعت کے فریضہ کو بطریق احسن انجام دینے کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ اس وقت انجمن کا خرچ کم و بیش چھ لاکھ روپے سالانہ ہے اور سال آئندہ کی آمد و خرچ کا اندازہ دس لاکھ کے قریب لگایا گیا ہے۔

انجمن کے انجام دیے ہوئے کام کا یہ اجمالی مرقع ہے لیکن ابھی بہت سی نئی منزلیں در پیش ہیں جن کے لیے زادِ راہ کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ جن ضروریات کی تکمیل کے لیے انجمن بلاتاخیر قدم اُٹھانا چاہتی ہے ان میں اولاً ایک انڈسٹریل کالج [کلیہ فنون] اور سائنٹفک ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ [علومِ فنون کا ادارہ] کا قیام ہے۔ آج محض علوم کی تعلیم قوم کی تمام ضروریات کی کفیل نہیں بن سکتی۔ جب تک صنعت و حرفت کی تعلیم کا اعلیٰ پیمانہ پر انتظام نہ کیا جائے گا نہ افراد قوم کا معتدبہ حصہ بے

کاری و بے روزگاری کی مصیبت سے نجات پائے گا، نہ قوم زمانۂ حاضرہ کی ضروریات کے مطابق ترقی کے مراحل خوش اسلوبی سے طے کر سکے گی۔

ثانیاً اس کی ضرورت ہے کہ شہر سے باہر اسلامیہ کالج کے لیے ایک وسیع عمارت کا انتظام کیا جائے، اس لیے کہ موجودہ عمارت کالج کے طلبہ کی روز افزوں تعداد کے لیے کافی نہیں ہے۔

ثالثاً انگریزی وضع کے ایک پبلک سکول [عوامی مدرسہ] کا قیام ضروری ہے جس میں عام تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ انداز کی تربیت بھی ہوتی رہے۔

رابعاً ایک زنانہ ہائی سکول فی الفور بن جانا چاہیے جو ایک اسلامی زنانہ کالج کے لیے اساس کا کام دے سکے۔ یہ انجمن کی فوری ضروریات ہیں۔ حضور پُرنور ایسے سرپرستان و مربیان علم و فن کی کرم گستری و دریا دلی شامل حال رہی تو خدا کے فضل و کرم سے امید ہے کہ انجمن کی تازہ ضروریات بھی اس طرح پوری ہو جائیں گی جس طرح کہ اب تک اور صدہا ضروریات پوری ہوتی رہی ہیں۔

علمی اعتبار سے عباسی فرمانرواؤں کا فیض ہمیشہ عام رہا ہے۔ سرکار والا کے آباؤ اجداد کے احسانات کا تذکرہ اس مختصر سپاس نامے میں نہیں سما سکتا۔ ہم نیاز مندان قدیم محض تحدیث نعمت کے طور پر یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضور پُرنور کے دودمان عالی [عظیم خاندان] کا ابر لطف و کرم شروع ہی سے انجمن کی خشک کھیتی کے لیے سیرابی کا خاص سرچشمہ بنا رہا۔ ۱۹۰۸ء میں دولت عالیہ اسلامیہ بہاول پور کی طرف پچھتر ہزار روپیہ کی خطیر رقم مرحمت فرمائی گئی۔ آج کالج کی شاندار عمارت کا ایک بازو بہاول پور ونگ [بازو] کہلاتا ہے۔ مسلمانان پنجاب اس عطیۂ خسروانہ کو جو اس ونگ کی صورت میں ہمیشہ قائم رہے گا کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اسی سال مستقل سالانہ عطیے کی رقم میں بھی فیاضانہ اضافہ فرمایا گیا اور کالج کے لیے ایک ہوسٹل [اقامت گاہ] کی تعمیر کے لیے تیس ہزار روپیہ کی مزید رقم عطا فرمائی گئی۔ اس وقت بھی ہر سال دو ہزار روپے انجمن کو مل رہے ہیں۔ حضور پُرنور کی ان پے در پے خسروانہ نوازشوں نے ہم نیاز مندوں کو یہ جرات دلائی ہے

کہ اس سال سالانہ اجلاس کو قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائے جانے کی عاجزانہ درخواست کریں۔

اخیر میں ہم پھر حضورِ پُر نور کی اس نوازش کریمانہ کے لیے پنجاب بھر کے مسلمانوں کی طرف سے علی العموم اور ارکانِ انجمن کی طرف سے علی الخصوص بصد عقیدت و نیاز تشکر و سپاس کا ہدیہ محقر پیش کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت شہریار بہاول پور نے انجمن کو پچیس ہزار روپے کا گراں قدر عطیہ عنایت فرمایا۔ جسٹس سر عبدالقادر نے عطیے کا اعلان کرتے ہوئے ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ بعد ازاں نواب صاحب ڈھاکہ نے تقریر کی۔ اس کے بعد علامہ ڈاکٹر سر اقبال نے ایک غریب مسلمان کی طرف سے ایک مصلےٰ اور مسلمانانِ لاہور کی طرف سے قرآن پاک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ قرآن کریم کے تحفۂ متبرکہ کی پیش کش کرتے ہوئے علامہ ممدوح نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:

سرکار والا! شہر لاہور کے مسلمانوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں کلامِ الٰہی کا ایک نسخہ بطور ہدیہ آپ کو پیش کروں لیکن اس سے قبل کہ یہ تحفہ پیش کروں، مسلمانانِ لاہور کے اس انتخاب کی داد دینا چاہتا ہوں ہوں۔ یہ وہ مبارک کتاب ہے جس سے عزیز تر متاع مسلمانانِ عالم کے پاس موجود نہیں۔ یہ پیش کش ایسی ہے جیسے کہ اپنے محبوب کے سامنے کوئی اپنا دل نکال کر رکھ دے۔ اس تحفہ کو آپ کے لیے منتخب کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ کے جد امجد اس کتاب کے سب سے پہلے محقق تھے۔ میری مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ یہ کتاب جب حضور رسالت مآب [ﷺ] پر نازل ہوئی تو آپ کے جد امجد نے سب سے پہلے اس کی تفسیر کی، چنانچہ کتب صحیح میں مروی ہے کہ ایک روز حضرت ابن عباس مسجد نبوی [ﷺ] میں قرآن پاک کا درس دے رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک طرف ابن عباسؓ درس دے رہے ہیں اور دوسری طرف چند صحابہ حضور ﷺ کے انتخاب میں حلقہ باندھے کھڑے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کچھ دیر تک دونوں جماعتوں کے درمیان کھڑے رہے۔ گویا جناب رسالت مآب ﷺ یہ سوچ رہے ہیں کہ پہلے کس

طرف جائیں۔ آخر یہ کہہ کر حضرت ابن عباس کے گروہ کی طرف چل دیے کہ میں معلم مبعوث ہوں مجھے رہنما کی طرف جانا چاہیے۔ اس نسبت سے حضور والا اس بات کا اندازہ کر سکیں گے کہ مسلمانانِ پنجاب بلکہ مسلمانانِ عالم اگر آپ سے محبت رکھتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہی نہیں کہ آپ ایک بڑی اسلامی ریاست کے فرمانروا ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ دینی اعتبار سے ہمارے بزرگ اور مخدوم ہیں۔[1]

(۷)

۱۴ جولائی ۱۹۴۴ء بروز ہفتہ بوقت ساڑھے پانچ بجے علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب صدر انجمن کی صدارت میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ آنریری سیکرٹری نے بیان کیا کہ صاحب صدر کی طبیعت کچھ علیل ہے اور وہ اونچی آواز سے بول نہیں سکتے اس لیے انھوں نے ایک مختصر سی تحریر شدہ تقریر مجھے دی ہے اور فرمایا ہے کہ میں آپ کے سامنے اس کو پڑھ دوں چنانچہ وہ حسب ذیل ہے:

حضرات! مجھ کو انجمن حمایت اسلام لاہور کا صدر انتخاب کرنے سے آپ نے میری نسبت جس حسن ظن اور اعتماد کا اظہار کیا ہے اس کے لیے میں آپ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اگرچہ اس وقت میری صحت کچھ ایسی اچھی نہیں تاہم جو کچھ خدمت بھی مجھ سے ہو سکتی ہے میں اس کے لیے ہر وقت حاضر ہوں۔ گزشتہ پچاس سال میں آپ کے پیشروؤں نے مسلمانانِ پنجاب کے اس عظیم الشان ادارے کی بیش بہا خدمت کی ہے جس کے لیے پنجاب کے تمام مسلمان مبارک باد کے مستحق ہیں۔ لیکن زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اس واسطے اس کے مقتضیات بھی بدلتے رہتے ہیں، جن کی وجہ سے قومی اور ملکی اداروں کے طریق کار میں مناسب تبدیلی ضروری ہو جاتی ہے۔ نظر بایں حالات مجھے یقین ہے کہ انجمن کے موجودہ ارکان ان دُور رس تغیرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو ملک کی مجموعی زندگی میں آنے والے ہیں، مسلمانان پنجاب کے اس ادارے کو صحیح معنوں میں اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز بنانے میں کامیاب ہوں گے۔ اس عظیم الشان کام کے انصرام کے لیے توفیق الٰہی آپ کے شامل حال ہو۔

---

[1] روداد: چھیالیسواں سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام، ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء، ص ۱۱۔

اس چند اُمور ہیں جو آپ کی فوری توجہ کے محتاج ہیں:

اول، دینیات کی تعلیم۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ جدید تعلیم نے مسلمان نوجوانوں کے اخلاق پر کوئی خاص اثر نہیں کیا اور یہ امر ظاہر ہے کہ ایک مسلمان نوجوان کی تعلیم کے اساس اگر دینی اور اخلاقی نہ ہوں تو اس میں سر چشمی، بلند نظری اور خودداری کے وہ اوصاف حسنہ نہیں پیدا ہو سکتے جو اسلامی سیرت کے مابہ الامتیاز ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان تھوڑا بہت اپنی ملتی روایات کا حامل ہو اگر ایسا نہ ہو تو قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ﴿لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرہ: ۱۴۳) "کہ تم لوگوں پر گواہ ہو" کا مقصد کیونکر پورا ہو سکتا ہے۔ گزشتہ تجربہ کے ان ہی افسوسناک نتائج کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہارٹوگ کمیٹی نے یہ تجویز کی تھی کہ کالجوں اور سکولوں میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا خاص انتظام ضروری ہے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور مسئلہ کے اس پہلو سے غافل نہیں رہی، مگر افسوس ہے کہ جو انتظام اس مقصد کے حصول کے لیے اب تک کیا گیا ہے، وہ بارآور ثابت نہیں ہوا۔ اب میری استدعا آپ سے یہ ہے کہ اس معاملہ پر کافی غور و خوض کے بعد زمانہ حال کے مقتضیات کے مطابق انجمن کے کالج اور سکولوں میں دینی اور اخلاقی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ مجھے یہ کہنے کی شاید ضرورت نہیں کہ انجمن حمایت اسلام کی آئندہ کامیابی بلکہ ایک قومی ادارہ ہونے کی حیثیت سے اس کی آئندہ زندگی صرف اسی ایک مسئلہ کے کامیاب حل پر انحصار رکھتی ہے۔ مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ اراکین کالج کمیٹی اس ضروری امر کے متعلق کچھ فیصلہ کر چکے ہیں۔ اب آپ کے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانا باقی ہے اور مجھے یقین ہے کہ جلد ایسا کیا جائے گا۔ دوسرا امر جو آپ کی فوری توجہ کا محتاج ہے وہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے انجمن نے آج تک اس ضروری معاملے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کا متوسط طبقہ اب کافی بیدار ہو چکا ہے اور اس بات کا مطالبہ کر رہا ہے کہ ان کی اولاد کی صحیح اسلامی اصول کے مطابق تعلیم و تربیت کی جائے۔ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ انجمن حمایت اسلام فی الحال مسلمان

لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اپنا نصاب تجویز کرے اور مجوزہ نصاب کے مطابق ان کا سالانہ امتحان لے کر خود ہی سندات تقسیم کیا کرے۔ جہاں تک لڑکیوں کی تعلیم کا تعلق ہے فی الحال آپ صرف ایک امتحان لینے والے ادارے کے طور پر کام شروع کریں اور رفتہ رفتہ اسی ادارے کو مسلمان عورتوں کی ایک آزاد یونی ورسٹی [جامعہ] کی صورت میں منتقل کر دیں بلکہ آپ کا مجوزہ انڈسٹریل گرلز سکول [صنعتی مدرسہ برائے طالبات] بھی اسی یونی ورسٹی کی ایک شاخ قرار پائے۔ اس تجویز کے متعلق میں اپنے مفصل خیالات پھر کسی موقع پر عرض کروں گا۔ فی الحال میں صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ اراکین کونسل اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے اگر ضروری ہو تو اس کے ابتدائی مراحل کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک کمیٹی کا تقرر عمل میں لائیں۔

تیسرا امر جو آپ کی توجہ کا محتاج ہے اسلامیہ کالج کی موجودہ حالت ہے۔ کالج کے انتظام کے متعلق بعض نہایت ضروری سوال پیدا ہوتے ہیں جن پر گزشتہ تجربے کی روشنی میں غور و خوض ضروری ہے۔ لیکن اس وقت ان سوالات پر بحث کرنے کا موقع نہیں، فی الحال پرنسپل شپ [عہدہ صدر کلیہ] کا معاملہ نہایت اہم ہے جس کا فیصلہ جہاں تک ممکن ہو جلد ہونا چاہیے۔ مسٹر [جناب] عبداللہ یوسف علی اگر اس عہدۂ جلیلہ پر واپس آ سکتے تو ہماری بہت سی مشکلات کا حل ہو جاتا مگر امید نہیں کہ وہ واپس آ سکیں اور جہاں تک میری نظر ہے ہندوستان سے کسی مسلمان پرنسپل کا ملنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ ہم کو ایک ایسے پرنسپل کی ضرورت ہے جو علم و فضل کے علاوہ صاحب اثر و بارسوخ ہو۔ مسلمانوں کی آرزوؤں سے ہمدردی رکھتا ہو اور ہمارے بچوں کی ان تمام اُمور میں تربیت کر سکتا ہو جو ملک کے آئندہ سیاسی تغیرات کی وجہ سے قومی زندگی کے لیے اب بے انتہا ضروری ہو گئے ہیں۔ اگر مسلمانانِ ہند میں کوئی ایسی شخصیت مل سکتی ہو تو اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے لیکن اگر ہماری بدنصیبی سے مسلمانوں میں ایسی شخصیت فی الحال دستیاب نہ ہو سکے تو میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ ہم کو "اطلبوا العلم و لو کان بالصین" [علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے] پر عمل درآمد کرنے میں قطعاً تامل نہ ہونا

چاہیے۔ حدیث تو شاید علمی روایت کے اعتبار سے مشتبہ ہے لیکن اس کے معانی کی صداقت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ ﴿ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ﴾ (البقرہ: ۱۱۵) "پورب و بچھم سب اللہ ہی کا ہے" مشرق ہو مغرب ہو جہاں سے اپنے مطلب کا آدمی ملے، لینا چاہیے یہ میری ذاتی رائے ہے۔ معاملہ کا آخری فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ان چند الفاظ کے ساتھ میں پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اگر ہمارے دلوں میں قومی خدمت سے نام و نمود کی خواہش ہو تو خدائے تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کی روحانیت کے طفیل اس خواہش کو ہمارے دلوں سے نکال دے اور ہماری روح کو اسلام کی محبت سے اس طرح لبریز کر دے کہ ہماری حرکات و سکنات کا مقصد اولین سوائے رضائے الٰہی کے اور کچھ نہ ہو۔[1]

(۸)

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے انجمن حمایت اسلام لاہور کی صدارت سے استعفا پیش کرنا چاہا تو ان کی خدمت میں انجمن کی جنرل کونسل کی طرف سے ایک وفد روانہ کیا گیا تاکہ وہ ڈاکٹر صاحب کو استعفا واپس لینے کی درخواست کرے۔ چنانچہ وفد کے ارکان ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استعفا واپس لینے کی درخواست کی۔ ڈاکٹر صاحب نے مختصر سی گفتگو کے بعد استعفا تحریر فرما کر وفد کے حوالے کر دیا۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۵ء بروز اتوار بوقت گیارہ بجے قبل از دوپہر دفتر انجمن میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس خان صاحب خلیفہ فضل حسین نائب صدر انجمن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ آنریری سیکرٹری نے ڈاکٹر سر محمد اقبال صدر انجمن کا استعفا پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب موصوف کی وفد سے ملاقات اور گفتگو کا ذکر کیا اور درج ذیل چٹھی پیش کی جو ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمائی تھی۔[2]

لاہور

۲۲ نومبر ۱۹۳۵ء

ڈیر [پیارے] شیخ عظیم اللہ! السلام علیکم۔

میں نے آپ سے اور شیخ گلاب دین سے زبانی گفتگو میں عرض کیا تھا کہ جو تحریر انجمن کی طرف سے میرے استعفا کے متعلق اخباروں میں شائع ہوئی ہے اس کا

---

[1] قلمی روداد: جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور، یکم مئی ۱۹۳۴ء، تا ۲۸/ اپریل ۱۹۳۷ء۔

[2] ایضاً، یکم جولائی ۱۹۳۴ء، تا ۲۸/ اپریل ۱۹۳۷ء۔

شائع ہونا ٹھیک نہ تھا۔ اگر میں اس کی تردید کرتا تو اس کے نتائج انجمن کے حق میں اچھے نہ ہوتے۔ اس واسطے میں خاموش رہا۔ آپ نے بھی میری اس رائے سے اتفاق کیا تھا۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں نے علالت کی بنا پر استعفا دیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اور بھی وجوہ تھے جن کو میں نے محض اس وجہ سے نظر انداز کر دیا تھا کہ ان کی اشاعت سے انجمن کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ اس واسطے اس خط میں بھی ان کو بیان کرنے سے احتراز کرتا ہوں اور صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ انجمن کے موجودہ حالات میں مَیں صدارت کا بارِ گراں نہیں اُٹھا سکتا۔ آپ مہربانی کرکے جنرل کونسل سے میری طرف سے استدعا کریں کہ وہ میرا استعفا قبول کرکے مجھے ممنون کریں۔

میں نہیں چاہتا کہ میری صدارت میں انجمن تمام مسلمانوں میں اپنا وقار کھو دے اور میں اس بے اعتمادی کا کوئی علاج نہ کر سکوں۔ والسلام

محمد اقبال

(۹)

جب ہندوستان کے اچھوتوں میں تبلیغ اسلام شروع کی گئی اور کئی اچھوت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تو مولانا محمد مصطفیٰ شیخ جامعہ ازہر نے ڈاکٹر سر محمد اقبال کی خدمت میں ایک خط روانہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس خط کی روشنی میں مندرجہ ذیل چٹھی خلیفہ صاحب کو ارسال فرمائی جو انجمن کی جنرل کونسل کے اجلاس منعقدہ ۵ جولائی ۱۹۳۶ء میں پیش ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا:

لاہور

۲ جولائی ۳۶ء

ڈیر خلیفہ صاحب! السلام علیکم۔

شیخ مراغی جامعہ ازہر قاہرہ کا خط میرے نام آیا ہے جو آج کے اخبار احسان میں بھی شائع ہو گیا ہے۔ جامعہ ازہر کا ارادہ ہے کہ وہ شودروں میں تبلیغ اسلام کے لیے ایک وفد ہندوستان روانہ کرے اور اس وفد کے متعلق انھوں نے مجھ سے ضروری مشورہ طلب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کے وفد کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہوگی جو

ان کی تقریروں کا اردو ترجمہ کر سکیں اور ہندوستانی ٹور [دورہ] میں ان کے ساتھ رہیں۔ میرے خیال میں انجمن حمایت اسلام کو چاہیے کہ وہ مصری وفد کے لیے ایسے مترجمین بہم پہنچائے اور ان کے اخراجات ادا کرے۔ دورہ غالباً تین ماہ کا ہوگا اور جہاں تک میں اندازہ کرتا ہوں ان مترجمین کا خرچ کچھ زیادہ نہ ہوگا۔ یہ معاملہ آپ کونسل کے آئندہ اجلاس میں پیش کرکے جہاں تک ممکن ہو جلد کونسل سے اخراجات کی منظوری حاصل کریں یا اگر کوئی اور طریق ہو جس سے کونسل کی منظوری جلد ہو سکے تو اس طریق کو اختیار کریں تاکہ میں شیخ الجامعہ کے خط کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دے سکوں۔[1]

محمد اقبال

(١٠)

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے انجمن کی صدارت سے علالت طبع کی وجہ سے استعفا دے دیا تھا لیکن کونسل نے اسے نامنظور کیا اور ڈاکٹر صاحب موصوف کی خدمت میں استعفا واپس لینے کے لیے وفد بھیجا۔ وفد ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور استعفا کی واپسی کے لیے درخواست کی۔ ڈاکٹر صاحب نے استعفا تحریر فرما کر وفد کو دے دیا جو اوپر پیش کیا گیا ہے جب کونسل نے استعفا منظور نہ کیا اور اسے واپس لینے کے لیے ڈاکٹر صاحب سے اصرار کرتی رہی تو ڈاکٹر صاحب نے بالآخر مندرجہ ذیل خط آنریری سیکرٹری کے نام بھیجا جو ۴ جولائی ۱۹۳۷ء کے جنرل کونسل کے اجلاس میں سیکرٹری موصوف نے پیش کیا۔

جناب من!

میرا استعفا ابھی تک اجلاس کونسل میں پیش نہیں ہوا۔ از راہِ عنایت ۴ جولائی کی کونسل میں اسے ضرور پیش فرما کر منظور کرا دیں۔ میری طویل علالت مجھے مجبور کرتی ہے کہ ہر قسم کے فرائض سے خواہ وہ کتنے ہی ہلکے کیوں نہ ہوں سبکدوش ہو جاؤں۔[2] والسلام

محمد اقبال
یکم جولائی ۱۹۳۷ء

---

[1] ایضاً، یکم جولائی ۱۹۳۴ء، تا ۱۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء۔

[2] ایضاً، ۱۹۳۷ء، تا ۱۳ اگست ۱۹۳۹ء۔

(۱۱)

۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو سر سید راس مسعود نے انتقال فرمایا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے مندرجہ ذیل چٹھی جنرل کونسل کے نام تحریر فرمائی جس میں مطالبہ کیا کہ سر سید راس مسعود کی وفات حسرت آیات کے بارے میں قرارداد تعزیت پاس کی جائے۔ چنانچہ یکم اگست ۱۹۳۷ء کو اس مقصد کے لیے جنرل کونسل کا ایک اجلاس مولوی انعام علی صاحب نائب صدر انجمن کی صدارت میں منعقد ہوا۔

۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء

نواب مسعود جنگ بہادر ڈاکٹر سر سید راس مسعود صاحب وزیر تعلیم بھوپال انتقال فرماگئے ہیں۔ مرحوم سر سید مرحوم کے پوتے اور آنریبل [عالی مرتب] سید محمود کے صاحبزادے تھے۔ انھوں نے اپنے مرحوم دادا کی طرح ملک و ملت کی بہت زیادہ خدمت کی۔ مرحوم کی بے وقت موت سے مسلمانان ہند کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ لہٰذا تعزیت کا ریزولیوشن [قرارداد] پاس کیا جائے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے، نیز ریزولیوشن کی نقل بیگم مسعود صاحبہ ریاض منزل بھوپال اور مرحوم کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں علی گڑھ ارسال کی جائے۔

محمد اقبال

نوادرِ اقبال*

اختر راہی

ہماری ملّی اور فکری تاریخ میں اقبال کے بلند مقام کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ اُن کے قلم اور زبان سے نکلے ہوئے لفظ کو محفوظ کیا جائے۔ اس سے اُن کا فکری ارتقا، زندگی کے ہر دور کی دلچسپیاں اور ذوق کا علم ہوتا ہے۔ اسی احساس کے پیشِ نظر بہت سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں علامہ کی غیر مطبوعہ منظومات، متفرق اشعار، مطبوعہ کلام کی ابتدائی صورتیں، خطوط، بیانات، تقاریظ اور فرمودات یک جا کیے گئے ہیں۔ ان مجموعوں کے باوجود رسائل و جرائد کی ورق گردانی کرتے ہوئے علامہ کی زبان و قلم سے نکلے ہوئے ایسے جواہر مل جاتے ہیں۔ چند ایسے ہی نوادر حواشی اور تشریحات کے ساتھ پیش کیے جتے ہیں۔

(۱)

مولوی حفیظ اللہ پھلواروی صوبہ بہار کے مردم خیز خطہ پھلواری شریف کے رہنے والے تھے۔ ۴ر فروری ۱۸۹۶ء کو پٹنہ میں پیدا ہوئے جہاں اُن کے والد بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ ابتدائی تعلیم مشرقی انداز کے مطابق پٹنہ میں حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء میں کلکتہ سے میٹریکولیشن [درجہ ثانویہ] کا امتحان پاس کیا اور صوبہ بہار کے محکمہ پی-ڈبلیو-ڈی [پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ: شعبہ عوامی تعمیرات] میں ملازمت اختیار کرلی۔ ۱۹۶۱ء میں ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ اگلے سال فریضۂ حج ادا کیا اور ۱۹۶۳ء میں کراچی آگئے۔ یہیں ۴ر جنوری ۱۹۷۶ء کو وفات پائی۔

---

* سہ ماہی اقبال شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۲۳، اکتوبر ۱۹۷۶ء۔

پھلواروی صاحب دفتری مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا شوق پورا کرتے رہے۔ اُن کے قلم سے اسلامیات، اسلامی تاریخ، تہذیب و تمدن، تعلیم اور علمی و تہذیبی اداروں پر تیرہ کتابیں اور بیسیوں مضامین شایع ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں اُن کی کتاب اسلامی مساوات شایع ہوئی تو علامہ نے ایک خط میں درج ذیل رائے دی:

آپ کا رسالہ اسلامی مساوات بہت معنی خیز ہے۔ اس قسم کا لٹریچر کثرت سے ملک میں شایع ہونا چاہیے اور بالخصوص ہندوستان کی غیر مسلم اقوام میں۔ کیونکہ ان اقوام کو اسلام کے اس پہلو سے مطلق آگاہی نہیں۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ہو جائے تو بہتر ہو (ہے)۔

مذکورہ کتاب کا انگریزی ترجمہ اسلامک برادرہڈ کے نام سے شایع ہوا۔

(۲)

حافظ سید عزیز حسن بقائی نقشبندی، مدیر پیشوا دہلی نے حضرت خواجہ باقی اللہؒ کی سوانح حیات سر گزشتِ اقبال باقی المعروف بہ سیرتِ باقی لکھی۔ اس کتاب پر علامہ اقبال کی مندرجہ ذیل تقریظ موجود ہے:

سیرتِ باقی کا میں نے مطالعہ کیا ہے۔ اس وقت ایسی کتابوں کی اشاعت مسلمانوں کے لیے ازبس مفید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے یہ کتاب لکھ کر دنیا کی ایک خدمت انجام دی ہے۔

(۳)

ہمایوں لاہور کا مشہور ادبی ماہ نامہ تھا۔ میاں بشیر احمد نے اپنے والد جسٹس شاہ الدین ہمایوں (م۱۹۱۸ء) کی یاد میں ۱۹۲۲ء میں جاری کیا۔ اس پر خواجہ حسن نظامی اور علامہ اقبال کی آرا شایع ہوئیں۔ علامہ کی رائے انوارِ اقبال (صفحہ ۳) میں نقل کی گئی ہے جو ناقص ہے۔ ہمایوں بابت اپریل ۱۹۵۳ء میں یہ رائے علامہ اقبال کے "عکس تحریر" میں شایع ہوئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

رسالہ ہمایوں ہر اعتبار سے اُردو کے بہترین رسالوں میں ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے خوب کہا ہے کہ ہمایوں بڑھ رہا ہے، بڑھے گا اور اُس کو کوئی شیر شاہ زک نہ دے سکے گا۔

(۴)

سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) علامہ اقبال کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ علامہ اُن سے علمی مسائل میں مشورہ کرتے تھے۔ اُن کے نام ستر خطوط اقبال نامہ حصہ اول میں شامل ہیں۔ مندرجہ ذیل خط فاران (کراچی) بابت اپریل ۱۹۵۳ء میں شایع ہوا ہے:

جاوید منزل

۱۹ر مئی ۳۷ء

مخدوم و مکرم جناب مولانا صاحب

السلام علیکم۔ امید کہ آپ کی صحت بالکل اچھی ہوگی۔

معارف کے اس مہینہ کے پرچے میں آپ نے شذرات میں چند عربی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو حال میں چھپی ہیں۔ ان میں سے ایک خراج پر ہے، ایک اموال[۲] پر اور تیسری کسی اور مضمون پر جو اس وقت ذہن سے اُتر گیا ہے۔ مجھ کو ان تینوں کتابوں کی ضرورت ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے یہ کتابیں مصر سے یا جس جگہ شایع ہوئی ہیں، ندوہ کی معرفت منگوا دیں۔ قیمت ادا کر دی جائے۔ قاضی ابو یوسف[۱] کی کتاب خراج مجھ کو لاہور سے لائبریری [کتب خانہ] میں مل جائے گی۔ باقی تین کتابیں یہاں نہیں ملتیں۔ مہربانی فرما کر اس خط کا جواب جلد مرحمت فرمائیں۔

شاہ ولی اللہ[۲] کی کتاب تفہیماتِ الٰہیہ میں نے ڈابھیل سے منگوائی ہے۔ اس کتاب سے مجھے بہت مایوسی ہوئی۔ آپ کی رائے اس کی نسبت کیا ہے؟

والسلام

محمد اقبال

---

۱ شاگرد امام ابو حنیفہ (م ۷۹۸/۱۸۲)۔

۲ م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء۔

(۵)

خواجہ حسن نظامی نے ۱۹۱۶ء میں ایک کتاب اتالیقِ خطوط نویسی کے نام سے شایع کی تھی۔ اس کے دوسرے حصے میں شبلی، اکبر، آزاد اور علامہ وغیرہ کے متفرق خطوط شایع ہوئے تھے۔ علامہ کے ایک خط کا عکس بھی شامل تھا۔ باقی خطوط اقبال نامہ حصہ دوم میں درج ہیں مگر یہ عکسی خط درج نہیں ہو سکا، جو یہ ہے:

قلب مجسم۔ آستانہ محبوب کی خاک بوسی کے لیے ایک دن نکال کر دہلی ٹھہروں گا اور ضرور ٹھہروں گا۔ ٹھیک تاریخ پھر عرض کروں گا۔ باقی خیریت ہے۔

والسلام

آپ کا اقبال از (؟) سیالکوٹ

(۶)

اگست ۱۹۲۱ء میں علامہ اقبال آخری بار کشمیر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں مولوی احمد دین (وکیل لاہور)، محمد عمر اور منشی نور الٰہی (محمد عمر کے ادبی شریک کار[1]) نے علامہ کو جھیل ڈل کی سیر پر آمادہ کیا۔ شالامار، نسیم اور نشاط باغ کو علامہ نے بہت پسند کیا اور انھیں "زہد شکن" کا نام دیا۔ جھیل ڈل کی سیر سے واپسی پر علامہ نے دو فارسی شعر کہے جو آج کل (دہلی) بابت یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء میں "محمد عمر نور الٰہی" کے نوٹ کے ساتھ شایع ہوئے۔ اشعار یہ ہیں:

"تماشائے دل کن کہ ہنگامِ شام
دہد شعلہ را آشیاں زیرِ آب
بشوید ز تن غبارِ سفر
زند غوطہ در آبِ دل آفتاب"[2]

---

[1] دونوں حضرات کا مشترکہ نام "محمد عمر نور الٰہی" شایع ہوتا تھا۔

[2] ترجمہ:
ڈل [جھیل] کا نظارہ کر کہ شام کے وقت پانی تلے شعلوں کا گھونسلہ بنا دیتی ہے:
بدن سے سفر کی گرد دھونے کے لیے سورج ڈل جھیل کے پانی میں غوطہ لگا دیتا ہے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

(۷)

انجمن حمایت اسلام لاہور کا بیالیسواں سالانہ جلسہ اپریل ۱۹۲۷ء میں ہوا۔ چوتھا اجلاس ۱۶/اپریل کو جناب صلاح الدین خدا بخش[۱] (م ۱۹۳۱ء) کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس میں علامہ اقبال نے دِی سپرٹ آف اِسلامک کلچر [روح ثقافت اسلامیہ] کے موضوع پر انگریزی میں فاضلانہ لیکچر دیا۔[۲]

لیکچر کے اختتام پر حاضرین کے اصرار کو دیکھتے ہوئے اُردو زبان میں اس کا خلاصہ بیان کیا جو روداد انجمن میں ان الفاظ میں شایع ہوا تھا:

> ہر انسان کے دل میں مشاہدۂ حقیقت کی ہوس ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اُسے نظامِ عالم سے آگاہی حاصل ہو۔ زمان و مکان کی کنہ سمجھ میں آجائے جو حقیقتِ کائنات کے اندر پوشیدہ ہے۔ اس کے مشاہدہ اور نظارہ کا موقع مل جائے۔ ساری قومیں اس مشاہدہ کے لیے ہمیشہ بے تابی کا اظہار کرتی رہی ہیں۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾[۳] (ہم اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور کھلے طور پر نہ دیکھ لیں)۔ خود حضرت موسیٰ ﴿رَبِّ اَرِنِيْٓ﴾[۴] (الاعراف: ۱۴۳) "اے رب میرے! مجھے اپنا دیدار دکھا" فرماتے رہے۔
>
> میں نے لکھا ہے:
>
> خرد گفتِ او بچشم اندر نگنجد
> نگاہِ شوق در اُمید و بیم است

---

۱ مرحوم خدا بخش خان بانی کتب خانہ مشرقی بانکی پور کے فرزند ارجمند تھے۔ علم کی محبت باپ سے ورثہ میں پائی تھی۔ بیرسٹر تھے۔ کلکتہ میں پریکٹس کرتے تھے۔ جرمن زبان سے جرمن مستشرقین کی کتابوں اور مضمونوں کے ترجمے انگریزی میں کرتے رہتے تھے (سید سلیمان ندوی، یادِ رفتگاں، ص۱۶۱-۱۶۰)۔

۲ خطبات کا ایک خطبہ اسی موضوع پر ہے۔

۳ البقرہ: ۵۴۔

۴ الاعراف: ۱۴۳۔

نمیگردد کہن افسانۂ طور
کہ در ہر دل تمنائے کلیم است[1]
[کلیاتِ فارسی، ص ۲۱۴]

مشاہدۂ حقیقت کے حصول کے دو طریقے ہیں: (۱) سمع و بصر اور (۲) قلوب یا بہ اصطلاح قرآن حکیم 'افئدہ'۔

یہ ضروری ہے کہ ان دو طریقوں سے بقدرِ ضرورت کام لیا جائے۔ یورپ نے اپنی ساری کوششیں صرف 'سمع و بصر' تک محدود کر دیں اور 'افئدہ' کو ترک کر دیا۔ مسلمانوں نے اپنی توجہات 'افئدہ' پر مرتکز کر دیں اور سمع و بصر سے پورا کام نہ لیا بلکہ ساری ایشیائی تہذیب کا خاصہ یہی ہے کہ اس میں 'افئدہ' پر بہت زور دیا گیا ہے اور 'سمع و بصر' کی بالکل پروا نہیں کی گئی حالانکہ ضرورت دونوں طریقوں سے کام لینے کی ہے۔

نظامِ عالم کی آفرینش کو یوں سمجھو کہ حقیقت نے اپنی نمود یا اپنے آپ کو واضح کرنے کے لیے ایک نقطۂ خاص سے سفر کیا یا بہ اصطلاح صوفیہ کرام حسن نے نظارے کے شوق میں اپنے آپ کو آشکارا کر دیا۔ اس خطِ سفر کا آخری نقطہ عالمِ ظاہر ہے۔ اب حقیقت تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ اس آخری نقطہ سے اُلٹا سفر کیا جائے۔

مشاہدے کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہیے کہ انسان اس میں اپنے آپ کو فنا کر دے۔ اسلام جس مشاہدے کا معلم ہے وہ اپنے آپ کو قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے یعنی اسلام کا مشاہدہ مردانگی پر مبنی ہے۔ ایک شاعر نے حضور سرورِ کائنات ﷺ کی نعت میں یہ نکتہ بڑے اچھے طریق پر واضح کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ نعت میں اس سے بہتر شعر نہیں لکھا گیا:

---

[1] ترجمہ:

عقل کہتی ہے اسے ممکن نہیں ہے دیکھنا
ہے نگاہِ شوق لیکن خوگرِ اُمید و بیم
طور کا قصہ پُرانا ہو نہیں سکتا کبھی
ہر بستہ کےؔ دِل میں پنہاں ہے تمنائے کلیم۔

[صدیقی، ص ۵۵۱]

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک جلوۂ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمے[1]

یہ اسلامی آئیڈیل ہے۔ اسلامی نقطۂ خیال سے معراج یہی ہے کہ مشاہدۂ ذات کے بعد بھی عبودیت قائم رہے لیکن سرکشی یا تمرد کے لیے نہیں بلکہ خدمت و عبدیت کے لیے۔ مسلم کو کسی چیز میں فنا نہ ہونا چاہیے، دو یہ فنافی اللہ ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ ممدوح نے جو نکات بیان فرمائے، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ آنحضرت ﷺ خاتم الرسل ہیں۔

نبی اس لیے بھیجے گئے کہ وہ لوگوں کو جن کی سمجھ ابتدائی حالت میں تھی سمجھائیں۔ عین اُس وقت جب دنیا میں غور و فکر کا زور شور شروع ہوا اور لوگ تقلید سے نہیں بلکہ اپنے فہم و ادراک کی مدد سے نتائج اخذ کرنے لگے گویا تقلیدِ جامد کی جگہ اُفقِ عالم پر علم و ادراک کا آفتاب طلوع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے آخری رجحت کو ارسال کر دیا اور کہہ دیا کہ اب کوئی ایسا شخص نہیں آسکتا جس کی باتوں کو تم تنقید کے بغیر تسلیم کر لو۔ شہنشاہیت اور نبوت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور دماغی غلامی پر موت چھا گئی۔ عقل کے عروج کی ابتدا وہ روزِ سعید ہے جب ختم رسل مبعوث ہوئے۔ اب اگر کوئی شخص نبوت کا مدعی ہو تو ہم اُس کی دماغی حالت کا اسی طرح مطالعہ کریں گے جس طرح علم الحیات کا ماہر کسی مینڈک کے اجزا کا مطالعہ کرتا ہے اور کیکڑے کے وجود پر غور و فکر کی نگاہ ڈالتا ہے۔

۲۔ یورپ کی ترقی اس سے شروع ہوئی کہ اہل مغرب نے فلاسفۂ یونان کے فلسفے کے خلاف جو تقویم پارینہ ہو چکا تھا علمِ جہاد بلند کیا۔ بیکن[2] نے استقرائی منطق پر

---

[1] ترجمہ:
موسیٰ تو ایک جلوۂ صفات دیکھ کر ہوش سے بے گانہ ہوئے
آپ خود ذاتِ کبریائی کو مسکراتے ہوئے دیکھتے رہے
[مترجم: محمد سہیل عمر]

[2] راجر بیکن (م ۱۲۹۱/ ۱۲۹۲)۔

زور دیا۔ موشگافی کے بجائے مشاہدات و تجربات حصولِ علم کا ذریعہ قرار دیے گئے
بیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ استقرائی منطق کا موجد اور مدونِ اول یعقوب کندی[1] ہے، بیکن نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ بیکن نے جو عربی پڑھا ہوا تھا اُندلس کے عرب منطقیوں کی تصنیفات سے حظِ وافر حاصل کیا اور ان کے خیالات کا ترجمہ کیا۔[2]

۳۔ ہندی حکما اور یونانی طلبہ کے نزدیک یہ دنیا ایک مکمل نظام کی شان رکھتی ہے مگر امام غزالی[3] اور امام ابن تیمیہ[4] جیسے اکابر اسلام نے اس واہمہ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ انھوں نے قرآنِ کریم کی آیاتِ بینات سے متاثر ہو کر دنیا کی عدم تکمیل کا دعویٰ کیا اور ثابت کیا کہ دنیا ابھی منازلِ ارتقا طے کر رہی ہے۔

۴۔ فلسفۂ یونان کے خلاف جہاد کرنے کا ڈھنگ یورپ کے اربابِ فکر نے مسلمان حکما سے سیکھا۔ امام غزالی نے فلسفۂ یونان کے پرخچے اڑا دیے۔ ابن رشد[5] نے فلسفے کی قبائے دریدہ کو رفو کرنا چاہا مگر وہ اس میں ناکام رہا۔

۵۔ ذوالنون مصری[6] بہت بڑے صوفی ہی نہیں تھے بلکہ اعلیٰ درجے کے کیمیا دان بھی تھے۔ چنانچہ وہ حکیم جس نے سب سے پہلے یہ دریافت کیا کہ پانی جوہر بسیط نہیں بلکہ ایک مرکب شے ہے، آپ ہی ہیں۔

---

۱ م ۸۷۳/ ۶۹-۱۴۶۸۔

۲ رابرٹ بریفالٹ تشکیل انسانیت (دی میکنگ آف ہیومینٹی) میں لکھتا ہے:
راجر بیکن نے عربی سائنس سیکھی تھی۔ نہ تو راجر بیکن کو اور نہ اس کے بعد اس کے کسی ہم نام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ تجربی طریق کی ترویج کا سہرا اس کے سر باندھا جائے۔ راجر بیکن کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ مسیحی یورپ میں مسلم سائنس اور طریق کا مقلد اور مبلغ تھا اور وہ یہ اعلان کرنے سے کبھی تھکا ہی نہ تھا کہ اس کے ہم عصروں کے لیے حقیقی علم تک رسائی حاصل کرنے عربی سائنس سے وقوف پیدا کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے" (منقولہ ایم ایم شریف، مسلمانوں کے افکار، ص ۸۰)

۳ م ۱۱۱۱/۵۰۵۔

۴ م ۱۳۲۷/۷۲۸۔

۵ م ۱۱۹۸-۵۹۴۔ ارسطو کا سب سے سچا اور سب سے زیادہ عظیم المرتبت مقلد تھا۔

۶ م ذی قعدہ ۸۶۰/۲۴۵۔

۶۔ اٹلی کے مشہور شاعر دانتے[۱] نے اپنی شہرۂ آفاق نظم میں بہشت بریں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ تمام و کمال محی الدین ابن عربی[۲] کی فتوحاتِ مکیہ سے ماخوذ ہے۔[۳] اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے یورپ کے فلسفہ ہی پر نہیں بلکہ ادب پر بھی زبردست اثر ڈالا۔

---

[۱] م ۱۳۲۱ء/۷۲۱ھ۔

[۲] م ۱۲۴۰ء/۶۳۷ھ۔

[۳] ہسپانیہ کے مستشرق مانگوئل آسن وائی پلاکیوز اپنی کتاب اسلام اینڈ دی ڈیوائن کامیڈی میں لکھتا ہے کہ دانتے نے اپنی ڈیوائن کامیڈی میں دوسری دنیا کی جو تصویر کھینچی ہے اس کی بہت سے تفصیلات کے باب میں وہ ابن العربی کا مرہونِ منت ہے (ایم ایم شریف، کتاب مذکور، ص ۱۱۳)۔

۱۹۱۰ء میں دنیائے اسلام کی سیاسی حالت پر تبصرہ*

علامہ اقبال کا خط بنام اڈیٹر [مدیر] پیسہ اخبار لاہور

ریاض حسین

۱۹۰۸ء سے اوائل ۱۹۱۰ء تک ساری دنیا کے مسلم اخبارات میں ایک روسی اخبار نویس علامہ عصر نسکی کی اس تجویز کا بہت چرچا تھا کہ مسلمان زعما کی ایک کانفرنس قاہرہ میں منعقد ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں پیسہ اخبار لاہور نے ہندوستان کے ممتاز دانش وروں اور سیاست دانوں سے اس تجویز کے بارے میں آرا طلب کیں۔ اڈیٹر پیسہ اخبار کی اس دعوت پر جن حضرات نے اپنی آرا اشاعت کے لیے روانہ کیں اُن میں علامہ اقبال، نواب وقار الملک، مولانا شبلی نعمانی اور مولوی عزیز مرزا شامل تھے۔

پیسہ اخبار ۱۹۱۰ء کے جن شماروں میں یہ آرا شایع ہوئیں وہ بد قسمتی سے میسر نہیں۔ ۱۹۱۵ء میں جنگِ عظیم اول کے موقع پر ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد کرنے کا خیال ایک دفعہ پھر مسلمانانِ عالم کے ذہن میں جاگا۔ چنانچہ ۲۱/جولائی ۱۹۱۵ء کے پیسہ اخبار میں ہندوستان کے مسلم زعما کی ۱۹۱۰ء میں پیش کردہ آرا کو دوبارہ ایک سمپوزیم [مجلس حکما] کی شکل میں چھاپ دیا گیا۔ اگر یہ شمارہ آج میسر نہ ہوتا تو علامہ اقبال اور دوسرے اکابرین کی آرا علمی دنیا کے لیے ہمیشہ کے لیے ناپید ہو جاتیں۔

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۲ جلد نمبر ۱۹، جولائی ۱۹۷۸ء۔

پیسہ اخبار میں شایع شدہ مراسلات سے اس دور کے سیاسی ذہن اور رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے، اور مختلف حضرات کے بین الاقوامی نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے۔

نواب وقار الملک اپنے مراسلے میں لکھتے ہیں:

عالمگیر کانفرنس [مجلس] مسلمانان کی نسبت ابتدائی تجویز یہ تھی کہ ایامِ حج میں مسلمان جب کہ مکہ معظمہ میں جمع ہوتے ہیں اس وقت یہ کانفرنس منعقد ہوا کرے گی۔ اس سے مجھ کو اس بنا پر اختلاف تھا کہ وہ تھوڑا سا زمانہ دوسری قسم کی عبادت کا ہے، اور اس کے لیے ہی کافی وقت نہیں ملتا۔ ادھر سے دل ہٹانا اور اس پولیٹیکل مرض کی تشخیص کے لیے وقت نکالنا مشکل ہوگا۔ دوسرا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ غیر مذہب قومیں جو مختلف بلاد میں مسلمانوں پر حکمران ہیں وہ بے وجہ ہی ہماری اس کاروائی کو شبہ کی نگاہ سے دیکھیں گی اور فریضہ حج پر ایسی مخفی مزاحمتیں قایم کریں گی کہ ان سے اس فریضہ کا ادا کرنا مشکل سے مشکل تر ہو جاوے گا۔

مولوی مشتاق حسین نے اپنے خط میں قاہرہ میں بین الاقوامی مسلم کانفرنس منعقد کرنے کی مکمل مخالفت کرتے ہوئے تحریر کیا:

میری ناچیز رائے اس کے متعلق یہ ہے کہ مصر میں اس وقت تعلیم یافتہ نوجوانوں کے خیالات ہماری گورنمنٹ [حکومت] (یعنی برٹش [برطانوی]) کے متعلق اچھے نہیں ہیں اور مصری کانفرنس میں ان کا عنصر غالب ہوگا اور ہماری گورنمنٹ اس کانفرنس کو بہت شبہ کی نگاہ سے دیکھے گی۔ لہٰذا میں تو یہاں سے ہم لوگوں کا اس کانفرنس میں شریک ہونا خلافِ احتیاط سمجھتا ہوں۔ دوسرے وہ سلطنتیں بھی جن کی رعایا مسلمان ہے اپنی مسلمان رعایا کی شرکت کو اس کانفرنس میں بہت شبہ کی نگاہ سے دیکھیں گی اور چاہے کانفرنس کتنا ہی غل مچاوے اور قاعدے پاس کرے کہ کانفرنس کو پالیٹکس [سیاست] سے کوئی تعلق نہ ہوگا لیکن مختلف گورنمنٹیں [حکومتیں] اس سے مطمئن نہ ہوں گی۔

مولوی مشتاق حسین کے ان خیالات سے علامہ شبلی نعمانی بہت برافروختہ ہوئے اور انھوں نے کانفرنس کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے مولوی صاحب کے نقطۂ نظر کے بارے میں فرمایا:

عالمگیر کانفرنس سے متعلق مولوی مشتاق حسین صاحب کی مخالفت محض بزدلانہ پالیٹکس ہے۔ ان باتوں کا خیال نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ ہم جمعہ کی نماز بھی ترک کردیں۔

مولوی عزیز مرزا کے خیال میں:

عالمگیر کانفرنس بحالت موجودہ مفید نہیں ہوگی۔ اگر آپ غور فرمائیں گے تو ظاہر ہوگا کہ گو مسلمان باعتبار مذہب ایک ہیں لیکن قوم کے اعتبار سے ایک نہیں ہیں اور بلحاظ رسم و رواج، زبان اور حالاتِ تمدنی و سیاسی کے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ابھی ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر ملک میں مسلمان خود اپنے انحطاط کے اسباب پر غور کریں اور ان کے رفع کرنے پر غور کریں اور اگر سب دنیا کے مسلمان اس وقت جمع ہوں گے تو کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔

مسلمانوں کی اس وقت دنیا میں مختلف حالتیں ہیں۔ کہیں وہ حاکم ہیں اور کہیں محکوم، اور جہاں حاکم ہیں وہاں بھی اُن کی حالت اچھی نہیں ہے اور اس امر کی ضرورت ہے کہ دوسری قابو یافتہ قوموں کے حسد و عناد سے محفوظ رہیں اور جہاں محکوم ہیں ان کی حالت تو اور بھی توجہ کی محتاج ہے۔

پس اگر بحالت موجودہ کوئی عالمگیر کانفرنس قایم ہوگی تو اس کا پولیٹیکل نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کی دوسری قومیں مشتبہ ہو جائیں گی۔

مولوی عزیز مرزا نے مسلم قومیت کی تعریف جس طرح کی ہے وہ اُس تعریف سے بالکل مختلف ہے جو قرآن مجید پیش کرتا ہے اور جس کی تشریح اقبال نے اپنے بیشتر مضامین اور اشعار میں کی ہے۔ قرآنِ مجید میں مسلمانوں کو حزب یعنی ایک پارٹی کہا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ تمام اُمت مسلمہ بلالحاظِ وطن و نسل ایک قوم ہے۔

اقبال کا خط مندرجہ بالا تمام مراسلوں سے زیادہ جامع اور مدلّل ہے اور تاریخی لحاظ سے بہت اہم ہے۔ اس خط کے متن سے مطالعۂ اقبال کے کئی گوشوں پر نئی روشنی پڑتی ہے۔ مندرجہ ذیل چند نکات خصوصی طور پر قابل غور ہیں۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱۔ ۱۹۱۰ء ہی میں اقبال نے پوری دنیا اسلام کے سیاسی اور سماجی حالات کی تفصیلی معلومات فراہم کر لی تھیں اور ایک وسیع بین الاقوامی نقطۂ نظر قائم کر لیا تھا۔ ترکی، ایران اور مصر سے شائع ہونے والی عربی، فارسی اور ترکی اخباروں اور جرائد کا یا تو وہ ذاتی مطالعہ کرتے رہتے تھے یا کسی ذریعے سے اُن میں شائع شدہ مواد سے مسلسل واقفیت رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کے مسلم زعما میں وہ منفرد تھے کہ اُن کی نظر ملکی حالات کے علاوہ خارجی اور بین الاقوامی معاملات پر بھی محیط تھی۔

۲۔ اقبال جدید دور کے اُن مسلم زعما میں سے تھے بلکہ اس خط کے مطابق بیسویں صدی میں پہلے شخص تھے جنھوں نے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز سوچی۔

۳۔ ۱۹۱۰ء میں اقبال پان اسلامزم کے پُرجوش مدعی بن گئے تھے۔

۴۔ اس خط کے آخری پیراگراف [عبارت کا ایک ٹکڑا] سے پتا چلتا ہے کہ وہ ابھی تک سید احمد خاں کے اس نظریے کے حامی تھے کہ مسلمانوں کو سیاسی میدان میں داخل ہونے سے پہلے تعلیمی، سماجی اور ثقافتی میدان میں آگے بڑھنا چاہیے۔ تعلیمی اور سماجی میدان میں ترقی کر کے ہی مسلمانانِ عالم یورپ سے سیاسی ٹکر لے سکتے ہیں۔

علامہ اقبال کے اس خط (جسے تریسٹھ سال بعد پہلی دفعہ قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے) کا متن حسب ذیل ہے:

لاہور، ۲۲ر اگست ۱۹۱۰ء

مہربان بندہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ۔

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ ۳۱ر جولائی ۱۹۰۸ء کے پیسہ اخبار میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا تھا اس کے متعلق مجھے کچھ یاد نہیں کہ آپ نے میری نسبت کیا تحریر فرمایا تھا۔ اخبار افغان بھی میری نظر سے نہیں گزرتا۔ آپ کی ملامت میری سر آنکھوں پر۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کا جوش حمیت اسلامی اور خلوصِ نیت قابل تحسین ہے اور میں اس ملامت کو غیروں کی تعریف سے بہتر تصور کرتا ہوں۔ یہ بات صحیح ہے کہ انگلستان سے واپس آنے کے بعد سے میں نے زیادہ تر اپنے مشاغل قانونی کی طرف توجہ رکھی ہے اور شاید مجھے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، کیونکہ اگر کوئی شخص جو اپنی زندگی میں ناکام رہے اوروں کے کام نہیں آسکتا۔ تاہم ان نامساعد

حالات میں بھی جو کچھ مجھ سے ہو سکا ہے میں نے دریغ نہیں کیا۔ قومی خدمت کوئی آسان بات نہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کو تمام حالات معلوم نہیں۔ کئی لوگوں نے ایسے ہی اعتراضات مجھ پر اور بعض لوگوں پر بھی کیے ہیں لیکن میں نے ان حباب کو معذور تصور کرکے کوئی جواب نہیں دیا۔

مصری کانفرنس کے بارے میں عرض ہے کہ یہ تجویز مسلمانانِ عالم کی قومی اور معاشرتی اصلاح کی غرض سے دو سال پیشتر علامہ عصر کسی ایک روسی اخبار نویس کی تحریک پر دنیائے اسلام کے سامنے پیش کی گئی تھی لیکن اس بحث کے تھوڑے ہی عرصے بعد ترکی اور ایران میں انقلاب کے آثار نمودار ہو گئے اور مسلمانوں کی توجہ اور طرف مبذول ہو گئی۔ ترکی کی حالت ابھی تک قابل اطمینان نہیں۔ کوئی عجب نہیں کہ کوئی عظیم الشان تغیر اس ملک میں پھر ہو۔ ایران ابھی انقلاب کے مرحلے سے نہیں گزر سکا۔ مراکو [مراکش] کی حالت سخت مخدوش ہے۔ غرضیکہ موجودہ حالات میں اسلامی دنیا پولیٹیکل انقلابات سے آزاد نہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ اس قسم کی کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا۔ حال کے مصری اور ترکی اخباروں میں جہاں تک مجھے معلوم ہے اب اس پر کوئی لکھنے والا بحث نہیں کرتا۔ لیکن جو مقصد اس کانفرنس سے پورا ہو وہ مکہ معظمہ کی سالانہ کانفرنس سے پورا ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے مسلمان اس سے فائدہ اُٹھانا نہیں جانتے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ وہ وقت قریب ہے جب مسلمان اس رمز سے آگاہ ہوں گے جو فریضہ حج میں مخفی ہے۔ عالمگیر اسلامی کانفرنس کا میں مخالف نہیں ہوں بشرطیکہ اسلامی ملکوں کی پالیٹکس سے اُسے علیحدہ رکھا جائے اور اس کی تجاویز مسلمانوں کی سوشل اور مذہبی اصلاح تک محدود ہوں۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ دنیا کی گورنمنٹیں ضرور اسے بدظنی کی نگاہ سے دیکھیں گی۔ میں اس قسم کی تجویز کا جس کا مقصد مسلمانوں کی بہتری ہو کس طرح مخالف ہو سکتا ہوں، خصوصاً اس لحاظ سے بھی کہ ایسی کانفرنس کی تجویز اس روسی اخبار نویس کی تحریک سے کئی ماہ پیشتر خود میرے ذہن میں آچکی تھی اور میں نے لندن میں اپنے دوست شیخ عبدالقادر صاحب سے اس کا ذکر بھی کیا تھا۔ ایک عام معاشرتی اور تمدنی کانفرنس کے انعقاد سے مسلمانوں کو ضرور فائدہ ہوگا اور قومیت کی ایک نئی روح اُن میں پیدا ہوگی، لیکن یہ مشکل کام ہے اور اس کے انجام کرنے کے

لیے انتہا درجہ کے استقلال اور عاقبت اندیشی کی ضرورت ہے۔ عام لوگوں کو یہ تجویز نہایت دل فریب معلوم ہوتی ہے اور منتظموں کے قومی تخیلات اس سے تحریک میں آتے ہیں مگر وہ لوگ اس کی مشکلات سے آگاہ نہیں ہیں اور مسلمانانِ عالم کی موجودہ حالت کے تمام کوائف سے ان کو واقفیت نہیں ہے۔ بڑا سنبھل کر قدم رکھنا چاہیے اور جب تک ہم کو پورا یقین نہ ہو جائے کہ کسی بد نتیجہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے تب تک کوئی عملی کام کرنا شاید مناسب نہ ہوگا۔ ہندوستان کے مسلمان شاید اور اسلامی ممالک کی حالت کا اندازہ صحیح طور پر نہیں لگا سکتے کیونکہ حکومت برطانیہ کے سبب سے جو امن اور آزادی اس ملک کے لوگوں کو حاصل ہے وہ اور ممالک کو ابھی نصیب نہیں ہے۔ بہر حال ابھی اس کانفرنس کے ہونے کا مجھے چنداں یقین نہیں ہے کیونکہ، جیسا میں عرض کر چکا ہوں، دیگر اسلامی ممالک کی توجہ اور طرف ہے اور ان کی موجودہ حالت بھی اس کی متقاضی نہیں ہے۔

پان اسلامزم [تحریک اتحادِ اسلامی] کا خوف بالکل بے معنی ہے اور فرانس کے چند احمق اخباروں کی ہرزہ سرائی کا نتیجہ ہے۔ مسلمانانِ عالم کی کسی ملک میں کوئی ایسی تحریک عام طور پر نہیں ہے جس کا منشا یورپ سے پولیٹیکل مقابلہ کرنا ہو، نہ ایسا خیال ایک ایسی قوم میں پیدا ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کو کلامِ الٰہی میں امن اور صلح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تاکید کی گئی یہاں تک کہ پوشیدہ مشورہ کرنے کی بھی ممانعت ہے:

﴿إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المجادلہ: ۹) "تم جب آپس میں مشورت کرو تو گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول کی نافرمانی کی مشورت نہ کرو"

آپ کا نیاز مند

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا

اقبال کے خطوط جناح کے نام... اشاعت کی کہانی*

محمد جہانگیر عالم

اقبالیات اور تحریک پاکستان کے شائقین کے لیے اقبال کے خطوط جناح کے نام (لیٹرز آف اِقبال ٹو جناح) کا مطالعہ بڑا دلچسپ اور اہم ہے، کیونکہ یہ خطوط پاکستان کی اساس کا تعین ہی نہیں کرتے بلکہ اس وقت کے حالات اور واقعات کے متعلق علامہ اقبال کے نقطۂ نگاہ کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ یہ خطوط ایسے وقت لکھے گئے تھے جب ہندوستانی مسلمان اپنی تاریخ کے ایک نازک دور سے گزر رہے تھے۔ برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کا مسئلہ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس فکری انتشار کے زمانے میں علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت نے منزل کی نشان دہی کی اور اس کے راستوں کو روشن کیا۔ یہ خطوط ایک طرح سے خطبہ الٰہ آباد کے اجمال کی تفصیل ہی ہیں۔ ان خطوط میں برصغیر کے دستوری مسائل، مسلم لیگ کی تنظیم نو، مسلم ایشیا کے مستقبل، برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کا قیام اور اس میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے بارے میں علامہ اقبال نے کھل کر اظہارِ خیال کیا ہے۔ تحریک پاکستان کے پس منظر اور پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ان خطوط کا مطالعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

سب سے پہلی دفعہ اقبال کے خطوط جناح کے نام انگریزی میں لاہور کے مشہور و معروف ناشر شیخ محمد اشرف نے اپریل ۱۹۴۳ء میں شایع کیے۔ اس سال یہ خطوط ادارۂ اشاعت اُردو،

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۲ جلد نمبر ۲۰، جولائی ۱۹۷۹ء۔

حیدر آباد (دکن)، کے زیر اہتمام اُردو زبان میں بھی شایع ہوئے۔ اس کے بعد یہ خطوط متعدد بار شایع ہونے کے علاوہ ہندوستان کی دوسری زبانوں مثلاً بنگالی اور تامل وغیرہ میں بھی شایع ہوئے۔ ان خطوط کی اشاعت کی کہانی کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

اقبال کے خطوط جناح کے نام کی دریافت اور اشاعت کا سہرا جناب محمد شریف طوسی کے سر ہے۔ آپ ان دنوں (دسمبر ۱۹۴۲ء تا مئی ۱۹۴۳ء) بمبئی میں قائداعظم محمد علی جناح کے ذاتی کتب خانے (لائبریری) میں اپنی کتاب پاکستان مومنٹ (۴۲ء - ۱۹۰۶ء) کی تیاری کے لیے مواد تلاش کر رہے تھے کہ قائداعظم محمد علی جناح کے نام برصغیر کے مختلف رہنماؤں کے لکھے ہوئے خطوط آپ کے ہاتھ لگے۔ آپ نے ان کی چھان بین کر کے ہر ایک رہنما کے خطوط الگ الگ کیے۔ ان میں علامہ اقبال کے خطوط بھی تھے جو اُنھوں نے مئی ۱۹۳۶ء سے نومبر ۱۹۳۷ء کے درمیانی عرصے میں قائداعظم کے نام لکھے تھے۔ آپ نے ان تمام خطوط کو جو کہ تعداد میں تیرہ تھے ترتیب دے کر ٹائپ [وضع کار] کیا۔ پھر اُنھیں قائداعظم کے حضور پیش کیا کہ ان خطوط کی اشاعت کا بندوبست ہونا چاہیے۔ ابتدا میں قائداعظم نے ان کی اشاعت پر کچھ تامل کیا لیکن محمد شریف طوسی نے قائداعظم پر واضح کیا کہ یہ خطوط برصغیر کے مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کی اشاعت سے ملک بھر میں اور خصوصاً پنجاب میں مسلم لیگ کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا۔ اس خط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس میں علامہ اقبال نے قائداعظم کو لکھا تھا کہ "اس وقت جو طوفان شمال مغربی ہندوستان اور شاید پورے ہندوستان میں برپا ہونے والا ہے، اس میں صرف آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے قوم محفوظ رہنمائی کی توقع کا حق رکھتی ہے،" اُنھوں نے کہا کہ اس سے نہ صرف تحریک پاکستان کو مقبولیت حاصل ہوگی بلکہ اس سے ایک تازہ ولولہ ملے گا۔[1]

قائداعظم محمد علی جناح اقبال کے خطوط جناح کے نام کی اشاعت پر رضامند ہوگئے۔ چنانچہ ان کی اشاعت کے لیے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ علامہ اقبال کے خطوط کے جواب میں جو خطوط قائداعظم نے تحریر کیے تھے ان کو بھی ان کے ساتھ شایع کیا جائے۔ اس سلسلے میں

---

[1] ایم ایس طوسی، مائی ریمی نائی سینز، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۱۔

قائداعظم نے بمبئی سے ۲۸ر جنوری ۱۹۴۳ء کو لاہور میں میاں بشیر احمد، اڈیٹر ہمایوں کو لکھا کہ علامہ اقبال کے خطوط کے جواب میں اُنھوں نے جو خط لکھے تھے ان کو تلاش کروا کے ارسال کر دیں۔ ۱۵ر فروری ۱۹۴۳ء کو دوبارہ قائداعظم محمد علی جناح نے میاں بشیر احمد کو لکھا کہ ان خطوط کی اشاعت سے مسلم عوام کی بڑی خدمت ہوگی اور خصوصاً اس مقصد کو جس کے لیے ہم سب لڑ رہے ہیں۔ میاں بشیر احمد نے ۲۴ر فروری ۱۹۴۳ء کو جواب دیا کہ علامہ اقبال کے ترکے کے نگران چودھری محمد حسین ان کے خطوط تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ لہٰذا اب ان خطوط کو قائداعظم محمد علی جناح اپنے تبصرے کے ساتھ یا اس کے بغیر شایع کرا دیں۔[1]

لاہور کے مشہور و معروف ناشر شیخ محمد اشرف کی خدمات اس سلسلے میں بڑی نمایاں ہیں کہ اُنھوں نے قیامِ پاکستان سے پہلے اسلام اور تحریک پاکستان کے موضوع پر بہت زیادہ کتابیں شایع کیں جب کہ اس زمانے میں اشاعت کا کام مالی طور پر اتنا زیادہ منفعت بخش نہیں تھا جتنا کہ اب ہے۔ بہر حال تحریک پاکستان کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں شیخ محمد اشرف کی خدمات کا اعتراف ہمیں دل سے کرنا چاہیے۔ اُنھوں نے مخصوص دائرۂ کار میں کام کرتے ہوئے قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ان دنوں شیخ محمد اشرف محمد علی جناح ـــــ ایک سیاسی مطالعہ (محمد علی جناح: آے پولیٹیکل سٹڈی) از سید مطلوب حسین کی اشاعت کا انتظام کر رہے تھے اور ان کا قائداعظم محمد علی جناح سے رابطہ تھا۔ اس سلسلے میں شیخ محمد اشرف مارچ ۱۹۴۳ء کے آخری ہفتے میں قائداعظم سے دہلی میں ملے۔ اس ملاقات میں دیگر اُمور کے علاوہ قائداعظم نے اقبال کے خطوط جناح کے نام کی اشاعت کا کام شیخ محمد اشرف کے سپرد کیا اور معاملہ اس طرح طے پایا کہ ان خطوط کا پہلا اڈیشن [اشاعت] تین ہزار کی تعداد میں چھاپا جائے گا اور اس کی رائلٹی [حق تصنیف] شیخ محمد اشرف مبلغ تین سو روپے یک مشت ادا کریں گے۔ یہ رقم مسلم لیگ کے فنڈ کے لیے عطیہ ہوگی۔

۲۷ر مارچ ۱۹۴۳ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ان خطوط کی اشاعت بارے میں شیخ محمد اشرف کو لکھا کہ جیسا کہ پچھلے دنوں اُنھوں نے اقبال کے خطوط جناح کے نام شایع کرنے پر

---

[1] جمیل الدین احمد، قائداعظم ایز سین بائی ہز کنٹمپریریز، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۱۷۔

رضامندی کا اظہار کیا تھا کہ وہ "پہلا اڈیشن تین ہزار کی تعداد میں چھپوائیں گے اور اس کے لیے رائلٹی کے طور پر مبلغ تین سو روپے یک مشت ادا کریں گے، لہٰذا اس رقم کا چیک [اجازت نامہ] ارسال کر دیں۔ یہ خطوط مع پیش لفظ کے ارسال ہیں۔" قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اس خط میں وضاحت کر دی کہ یہ انتظام صرف پہلے اڈیشن کے لیے ہے اور اس اڈیشن میں صرف تین ہزار کاپیاں چھپوائی جائیں گی اور اُمید ظاہر کی کہ ان کی اشاعت خوب صورت طریق پر ہوگی اور اس کے صفحہ اول پر علامہ اقبال کی ایک اچھی سی تصویر کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ ان خطوط کی ایک سو کاپیاں اعزازی طور پر قائدِ اعظم کو ارسال کی جائیں گی۔ طباعت کے بارے میں قائدِ اعظم نے خط کے آخر میں پھر لکھا کہ اس سلسلے میں اُنھیں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود اس کے ماہر ہیں اور اُنھیں توقع ہے کہ وہ ان خطوط کو بڑے خوب صورت انداز پر طبع کرائیں گے۔[1]

۲۷؍ مارچ ۱۹۴۳ء ہی کو شیخ محمد اشرف نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ اقبال کے خطوط کی "اشاعت کے لیے معاہدہ کا مسودہ مع تین سو روپے کے ڈرافٹ کے ارسالِ خدمت ہے۔ معاہدہ کی ایک نقل دستخط کے بعد واپس کر دیں۔" خطوطِ اقبال کے لیے ان کے تجویز کردہ نام کے صحیح الفاظ اُنھیں یاد نہیں رہے۔ لہٰذا وہ معاہدہ کے مسودے میں خالی جگہ پر نام لکھ دیں اور توقع ظاہر کی کہ اُنھوں نے ان خطوط کے تعارف کے طور پر پیش لفظ لکھ دیا ہوگا۔ اقبال کے خطوط جناح کے نام کے لیے پیش لفظ کا مسودہ محمد شریف طوسی نے تیار کیا تھا۔ ٹائپ کرنے کے بعد اسے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے سامنے پیش کیا۔ اُنھوں نے اس میں معمولی سی ترمیم و تنسیخ کے بعد اس کی منظوری دے دی۔ پیش لفظ کا یہ مسودہ محمد شریف طوسی کے پاس محفوظ ہے۔[2]

۳۱؍ مارچ ۱۹۴۳ء کو قائدِ اعظم محمد علی جناح نے شیخ محمد اشرف کے خط محررہ ۲۷؍ مارچ ۱۹۴۳ء کے جواب میں تحریر کیا کہ اُنھیں ان کا خط مل گیا ہے جس میں مبلغ تین سو روپے کا بنک ڈرافٹ اور معاہدہ کا مسودہ تھا۔ معاہدے کی ایک نقل بھی واپس بھیج دی گئی۔ خطوطِ اقبال کا نام لیٹرز آف اقبال ٹو مسٹر جناح مناسب ہے۔ ۳۱؍ مارچ ۱۹۴۳ء ہی کو شیخ محمد اشرف نے

---

[1] سید شمس الحسن، پلین مسٹر جناح، کراچی، ۱۹۷۱ء، ص ۱۶۵، ۱۶۴۔

[2] ایم ایس طوسی، کتاب مذکور، ص ۱۲۔

قائد اعظم کے خط محررہ ۲۷ر مارچ ۱۹۴۳ء کا جواب دیا جس میں تحریر کیا کہ اُنھیں خطوطِ اقبال مع پیش لفظ مل گئے ہیں اور دریافت کیا کہ اس کتابچے کا نام کیا ہو۔ اس کتابچے کی قیمت کے بارے میں شیخ محمد اشرف نے اس خط میں لکھا کہ وہ حساب کتاب کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کتابچے کی قیمت صرف آٹھ آنے کم رہے گی۔ اس لیے ان کے خیال میں اس کی قیمت بارہ آنے ہونی چاہیے اور اس ضمن میں قائد اعظم کی اجازت چاہی۔ ۴ر اپریل ۱۹۴۳ء کو قائد اعظم نے شیخ محمد اشرف کو جواب دیا کہ خطوطِ اقبال کے کتابچے کا نام لیٹرز آف اقبال ٹو مسٹر جناح ہو اور اگر وہ مناسب خیال کرتے ہیں تو اس کی قیمت آٹھ آنے کی بجائے بارہ آنے رکھ لیں۔

۱۴ر اپریل ۱۹۴۳ء کو شیخ محمد اشرف نے قائد اعظم کو اطلاع دی کہ اقبال کے خطوط جناح کے نام زیر طبع ہیں اور اُمید ظاہر کی کہ اس ہفتے کے آخر تک کتاب تیار ہو جائے گی۔ اپریل ۱۹۴۳ء میں کتاب چھپ کر مارکیٹ [بازار] میں فروخت کے لیے پہنچ گئی۔ کتاب کی نکاسی بڑی تیزی کے ساتھ ہوئی۔ چنانچہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۳ء کو شیخ محمد اشرف نے قائد اعظم کو خط کے ذریعے اطلاع دی کہ اقبال کے خطوط جناح کے نام کی فروخت بڑی اچھی ہو رہی ہے۔ اس کے جواب میں قائد اعظم نے ۱۹ر جنوری ۱۹۴۴ء کو تحریر کیا کہ اُنھیں یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ خطوطِ اقبال کی فروخت اچھی ہو رہی ہے۔

مارچ ۱۹۴۴ء تک اقبال کے خطوط جناح کے نام کا پہلا اڈیشن ختم ہو گیا۔ چنانچہ ۳۱ر مارچ ۱۹۴۴ء کو شیخ محمد اشرف نے قائد اعظم محمد علی جناح کو لکھا کہ "ان ہی شرائط پر جن پر پہلے معاہدہ ہوا تھا، اقبال کے خطوط کا دوسرا اڈیشن شایع کرنے کی اجازت عنایت فرمایئے۔ مبلغ تین سو روپے کا چیک ارسالِ خدمت ہے۔" اس کے جواب میں قائد اعظم نے ۸ر اپریل ۱۹۴۴ء کو شیخ محمد اشرف کو تحریر کیا کہ اُنھیں ان کا خط مع تین سو روپے کی مالیت کا چیک مل گیا ہے اور وہ رضامند ہیں کہ خطوطِ اقبال کا دوسرا اڈیشن تین ہزار کی تعداد میں شایع کر لیں اور اس کی شرائط وہی ہوں گی جو پہلے اڈیشن کے لیے ۲۷ر مارچ ۱۹۴۳ء کے معاہدے میں طے ہو چکی ہیں۔ ۸ر اپریل ۱۹۴۴ء کو شیخ محمد اشرف نے دوبارہ قائد اعظم محمد علی جناح سے درخواست کی کہ براہِ کرم اقبال کے خطوط جناح کے نام کے دوسرے اڈیشن کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

۱۰؍اپریل کو قائدِاعظم نے اس کے جواب میں دہلی سے لکھا کہ وہ ان کے خط محررہ ۸؍اپریل ۱۹۴۴ء کے لیے ممنون ہیں اور وہ پہلے ہی ان کو اقبال کے خطوط کی اشاعت کی اجازت کے بارے لکھ چکے ہیں۔[1]

اقبال کے خطوط جناح کے نام کی اشاعت سے قبل ہی قائدِاعظم محمد علی جناح کو ان خطوط کے ترجمے کی اشاعت کے لیے کئی فرمایشیں موصول ہوئیں۔ اسی طرح ایک فرمایش شیخ عطاء اللہ، استادِ معاشیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، کی طرف سے آئی۔ انھوں نے ۱۹؍فروری ۱۹۴۳ء کو قائدِاعظم کے نام اپنے خط میں لکھا کہ وہ خطوطِ اقبال کا ایک مجموعہ اقبال نامہ کے نام سے شایع کرا رہے ہیں۔ اقبال کے خطوط جناح کے نام کو ان میں شامل کرنے کی اجازت چاہیے۔ اس خط کا جواب قائدِاعظم کی طرف سے محمد شریف طوسی (جو کہ ان دنوں ایم آر ٹی کے قلمی نام سے مضامین لکھتے تھے اور قائدِاعظم کے ہاں اپنی کتاب کے سلسلے میں کام کر رہے تھے) نے دیا کہ ان خطوط کی اشاعت کا انتظام ہو گیا ہے۔ اس لیے ان خطوط کی نقل ارسال نہیں کی جا رہی۔

اپریل ۱۹۴۳ء میں جب اقبال کے خطوط جناح کے نام انگریزی زبان میں شایع ہو گئے تو پھر شیخ عطاء اللہ نے ۱۸؍اپریل کو خط لکھا اور ملاقات کی درخواست کی تاکہ بالمشافہ بات چیت کر کے ان خطوط کی اُردو میں اشاعت کی اجازت حاصل کریں۔ ۱۹؍اپریل ۱۹۴۳ء کو قائدِاعظم محمد علی جناح نے جواب دیا کہ وہ ان دنوں مسلم لیگ کے اجلاس کے سلسلے میں خاصے مصروف ہیں۔ اجلاس کے بعد ملاقات ہو سکے گی۔ اس طرح یہ معاملہ کچھ وقت کے لیے کھٹائی میں پڑ گیا۔

یکم نومبر ۱۹۴۳ء کو شیخ عطاء اللہ نے دوبارہ اس معاملے کے بارے میں قائدِاعظم کو خط لکھا۔ اس کے جواب میں قائدِاعظم نے ۶؍نومبر ۱۹۴۳ء کو خط لکھا کہ ان خطوط کی انگریزی زبان میں اشاعت کے لیے اُنھوں نے ایک ناشر سے معاملہ طے کر لیا ہے۔ وہ ان خطوط کا اُردو ترجمہ ان کی کتاب اقبال نامہ میں شامل کرنے کی اجازت دینے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ وہ مبلغ تین سو روپے یک مشت بطور رائلٹی اپنی کتاب کے پہلے اڈیشن پر دینے کے لیے تیار ہوں۔

---

[1] سید شمس الحسن، کتابِ مذکور، ص ۱۷۳-۱۶۵۔

نئے اڈیشن کے لیے بھی اسی طرح کی شرائط ہوں گی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خط میں یہ بھی تحریر کیا کہ وہ یہ رقم اپنی ذات کے لیے نہیں مانگ رہے بلکہ یہ رقم عطیہ کے طور پر مسلم لیگ کے فنڈ میں جمع ہوگی۔ شیخ عطاء اللہ ان شرائط پر ان خطوط کو شایع کرنے پر رضامند نہ ہوئے اور انھوں نے ۱۲ر نومبر ۱۹۴۳ء کو قائداعظم کو لکھ دیا کہ ان کی کتاب کی نکاسی کے امکانات ایسے نہیں ہیں کہ وہ اس سلسلے میں کوئی مالی بار برداشت کر سکیں۔

اسی طرح کی ایک فرمایش ۴ر ستمبر ۱۹۴۳ء کو باغبان پورہ لاہور سے عفت مقصود نے کی کہ اسے اقبال کے خطوط جناح کے نام اُردو میں شایع کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس کے جواب میں قائداعظم نے اسے ۱۰ر ستمبر ۱۹۴۳ء کو لکھا کہ وہ ان خطوط کے اُردو ترجمہ کی اشاعت کی اجازت دینے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ وہ اس کی رائلٹی کے طور پر ایک معقول رقم مثلاً مبلغ تین سو روپے یک مشت پہلے اڈیشن کے لیے جو تین ہزار کی تعداد کا ہوگا دینے کے لیے تیار ہے۔ قائداعظم نے اس خط میں یہ بھی لکھا کہ اُنھیں اس رقم کی سخت ضرورت ہے۔ یہ رقم اُنھیں اپنی ذات کے لیے نہیں چاہیے بلکہ یہ رقم بطورِ عطیہ مسلم لیگ کے فنڈ میں مع ہوگی۔ آیندہ اشاعت کے لیے بھی اسی قسم کی شرائط ہوں گی۔ اگر وہ رضامند ہوں تو براہِ کرام اطلاع دیں۔[1] لیکن یہاں بھی بات آگے نہ بڑھ سکی۔

اقبال کے خطوط جناح کے نام سب سے پہلی بار اُردو میں ادارۂ اشاعت اُردو، عابد روڈ، حیدر آباد (دکن) سے ستمبر ۱۹۴۳ء میں شایع ہوئے۔ اُردو ترجمہ سید مشتاق احمد چشتی کا تھا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ کتابیاتِ اقبال کے متعلق اب تک جتنی کتابیں شایع ہوئی ہیں ان میں کسی ایک کتاب میں بھی سید مشتاق احمد چشتی کے اقبال کے خطوط جناح کے نام کے اُردو ترجے کا ذکر تک نہیں ہے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن سعید نے ان خطوط کا اُردو ترجمہ کیا جو کہ حیدر آباد دکن ہی سے شایع ہوا۔ اس ترجمے کے اب تک تین چار اڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔

یہاں میں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اقبال کے خطوط جناح کے نام کا سب سے پہلا اُردو ترجمہ عبدالرحمٰن سعید کا ہے۔ میرا

---

[1] شیخ محمد اشرف کا خط راقم الحروف کے نام۔

خیال ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ ان خطوط کا سب سے پہلا اُردو ترجمہ سید مشتاق احمد چشتی کا ہے۔ یہ ترجمہ ستمبر ۱۹۴۳ء میں قائدِاعظم محمد علی جناح کی اجازت کے بغیر شایع ہوا۔ یہ اس طرح ظاہر ہے کہ قائدِاعظم نے ۶/نومبر ۱۹۴۳ء کو شیخ عطاء اللہ کے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ اُنھوں نے صرف انگریزی زبان میں ان خطوط کی اشاعت کا معاملہ ایک ناشر سے طے کیا ہوا ہے۔ عبدالرحمٰن سعید نے خطوطِ اقبال کا ترجمہ قائدِاعظم کی اجازت سے کیا تھا۔ یہ اس طرح واضح ہوتا ہے کہ ۱۱/نومبر ۱۹۴۵ء کو قائدِاعظم نے ایک خط کے جواب میں لکھا کہ انگریزی اور اُردو میں ان خطوط کی اشاعت کے لیے ان کا دو پارٹیوں [کاروباری اداروں] سے معاملہ طے ہو چکا ہے۔ اس وقت تک ان خطوط کے صرف یہی دو اُردو ترجمے شایع ہوئے تھے۔ ظاہر ہے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ہی قائدِاعظم کا معاملہ طے ہوا تھا اور وہ عبدالرحمٰن سعید ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ ان ہی کا ترجمہ بارہا شایع ہوا جب کہ مشتاق احمد چشتی کا ترجمہ دوسری بار شایع نہ ہو سکا۔

۱۲/اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ایس ایم بذل الحق نے قائدِاعظم محمد علی جناح سے ان خطوط کے بنگالی ترجمہ شایع کرنے کی اجازت چاہی، جس کے جواب میں قائدِاعظم نے ۱۱/نومبر ۱۹۴۵ء کو اُنھیں لکھا کہ وہ ان خطوط کا بنگالی زبان میں ترجمہ شایع کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ۱۷/اکتوبر ۱۹۴۵ء کو کے ایم یوسف نے قائدِاعظم سے درخواست کی کہ اُنھیں ان خطوط کا ترجمہ تامل زبان میں شایع کرنے کی اجازت دیں، جس کے جواب میں قائدِاعظم نے ۳۰/دسمبر ۱۹۴۵ء کو لکھا کہ اُنھیں اقبال کے خطوط جناح کے نام کو تامل زبان میں شایع کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔[1]

قیامِ پاکستان کے بعد اقبال کے خطوط جناح کے نام انگریزی کے علاوہ اُردو میں بھی متعدد بار شایع ہوئے۔ اقبال نامہ حصہ دوم، مرتبہ شیخ عطاء اللہ میں یہ خطوط شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان خطوط کا اُردو ترجمہ پروفیسر احمد سعید کی کتاب اقبال اور قائداعظم اور محمد حنیف شاہد کی کتاب علامہ اقبال اور قائداعظم کے سیاسی نظریات میں بھی شامل ہے۔ ماہِ نو کے علاوہ

---

[1] سید شمس الحسن، کتاب مذکور، ص ۱۸۱، ۱۸۰۔

ملک کے دوسرے رسائل میں بھی بارہا یہ خطوط شایع ہو چکے ہیں۔ دسمبر ۱۹۴۶ء میں ان خطوط کا اُردو ترجمہ پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی نے کیا جو فیصل آباد سے شایع ہوا۔ سالِ اقبال ۱۹۷۷ء میں راقم الحروف نے بھی ان خطوط کا اُردو ترجمہ مع حواشی تیار کیا۔ اس کے ساتھ ان خطوط کے مباحث پر ایک مقدمہ بھی تحریر کیا۔

اقبال کا ایک نادر مکتوب*

ڈاکٹر رحیم بخش شاہین

علامہ اقبال ایک شاعر اور فلسفی تھے۔ اس کے باوجود وہ شروع ہی سے مسلمانوں کی اجتماعی معاملات میں عملاً دلچسپی لیتے رہے۔ ۱۹۰۵ء میں اقبال تعلیم کے سلسلے میں یورپ گئے تو وہاں لندن میں چند محب وطن اور اسلام دوست احباب کی قائم کردہ نیم سیاسی تنظیم "پان اسلامک سوسائٹی" [مجلس اتحاد بین المسلمین] میں شرکت اختیار کی۔ یورپ سے واپس آئے تو [آل انڈیا] مسلم لیگ قبل ازیں قائم ہو چکی تھی اور ان کے بعض قریبی احباب اس میں شامل ہو چکے تھے۔ اس لیے اقبال بھی مقامی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا۔ اس کے باوجود وہ سیاست کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ اس کی وجہ سیاسی رہنماؤں کی خود غرضی اور ملت فروشی تھی۔ تاہم وہ اس بات کے ضرور قائم تھے کہ اگر سیاست دان ہوش مند اور بے لوث ہوں تو وہ ملک اور قوم کی بہت خدمت کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۲۳ء میں لاہور کے عوام نے ان سے درخواست کی کہ وہ پنجاب مجلس قانون ساز میں ان کی نمایندگی کریں تو انھوں نے بڑے اصرار کے بعد آمادگی کا اظہار کیا۔ لیکن اسی حلقے سے میاں عبدالعزیز، بیرسٹر ایٹ لا، بھی مجلس قانون ساز کی رکنیت کے اُمیدوار تھے۔ چونکہ میاں عبدالعزیز اقبال کے پرانے دوست تھے اس لیے انھوں نے میاں صاحب کے مقابلے میں کھڑا

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۴، جولائی ۱۹۸۲ء۔

ہونا پسند نہیں کیا۔ البتہ ۱۹۲۶ء میں جب مجلس قانون ساز کے دوبارہ انتخابات ہوئے تو انھوں نے لاہور کے عوام کی خواہش کے احترام میں بطور اُمیدوار کھڑا ہونا قبول کرلیا۔

علامہ اقبال کے اس فیصلے کا عوام و خواص نے بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ روز نامہ زمیندار نے زبردست اداریہ لکھا اور دوسرے اُمیدواروں سے اپیل [استدعا] کی کہ وہ علامہ اقبال کے حق میں دستبردار ہوکر دانش مندی کا ثبوت دیں۔ اس مرتبہ مجموعی طور پر اس حلقے میں چار اُمیدوار تھے۔ ان میں سے میاں عبدالعزیز نے علامہ کے حق میں اُمیدواری سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ چونکہ میاں صاحب علامہ اقبال کے قریبی احباب میں سے تھے اس لیے اقبال نے ابھی تک اپنی اُمیدواری کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا تھا۔ میاں صاحب کی دستبرداری کے بعد ۲۹؍جولائی ۱۹۲۶ء کو اقبال نے اپنی اُمیدواری کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ اس موقع پر اقبال نے جو بیان دیا اس میں انھوں نے فرمایا:

> "مسلمانوں کو معلوم ہے کہ میں اب تک اس قسم کے مسائل سے بالکل علیحدہ رہا، محض اس لیے کہ دوسرے لوگ یہ کام انجام دے رہے تھے اور میں نے اپنے لیے دوسرا دائرۂ کار منتخب کرلیا تھا۔ لیکن اب قوم کی مصیبتیں مجبور کر رہی ہیں کہ میں اپنا حلقۂ عمل قدرے وسیع کروں۔ شاید میرا ناچیز وجود اس طرح ملت کے لیے زیادہ مفید ہوسکے جس کی خدمت میں میری زندگی کے تمام لیل و نہار گزرے ہیں۔"

اس بیان کی اشاعت کے بعد ملک محمد حسین، صدر بلدیہ لاہور نے بھی اقبال کے حق میں اپنا نام واپس لے لیا۔ مقابلے میں صرف ملک محمد دین باقی رہ گئے تھے۔ اس کے باوجود کہ ان کے جیتنے کا کوئی امکان نہ تھا اور انھیں بھی دستبرداری پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ علامہ اقبال بلا مقابلہ منتخب ہوسکیں، وہ بدستور ڈٹے رہے۔ بہر حال انتخابی مہم شروع ہوئی تو عوام نے بڑے زور و شور سے اس میں حصہ لیا۔ مختلف انجمنوں اور برادریوں نے اقبال کی حمایت کا اعلان کیا۔ معززین شہر نے تائیدی بیانات دیے اور شہر کے کوچہ و بازار میں متعدد جلسے ہوئے، جلوس نکلے اور علامہ اقبال نے عوام سے خطاب کیا، اخباری بیانوں میں اپنا موقف پیش کیا۔ انتخابی مہم نے واضح کر دیا کہ علامہ اقبال کا پلہ بھاری ہے۔ ۲۳اور ۲۴؍نومبر ۱۹۲۶ء کو شہر اور

چھاؤنی میں ووٹ ڈالے گئے۔ گنتی ہوئی تو اقبال کے ووٹ زیادہ نکلے وہ جیت گئے تھے۔ ۶/دسمبر ۱۹۲۶ء کو انتخابات کے نتائج کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔ ملک محمد دین نے ۲۴۹۸ اور علامہ اقبال نے ۵۶۷۵ ووٹ حاصل کیے۔ اس طرح اقبال ۳۱۷۷ ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب قرار دیے گئے۔ جنوری ۱۹۲۷ء میں اقبال نے پنجاب مجلس قانون ساز کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کی۔ رکنیت کے زمانے میں انھوں نے نہ صرف اہل لاہور کے مسائل کے حل کے لیے قابل قدر کوششیں کیں بلکہ ملکی اور قومی سطح پر بھی اہم خدمات سرانجام دیں۔

۱۹۳۰ء میں مجلس کی رکنیت کی مدت ختم ہو گئی اور از سر نو انتخابات کا مرحلہ سامنے آگیا۔ اس مرتبہ کسی وجہ سے اقبال نے یہ طے کیا کہ انبالہ سے کاغذاتِ نامزدگی داخل کرائیں۔ اس کے لیے انھوں نے میر غلام بھیک نیرنگ[1] سے خط و کتابت کی۔ میر نیرنگ نے مشورہ دیا کہ اس سلسلے میں سید محمد حنیف، ایڈووکیٹ، سے رابطہ قائم کیا جائے جو میر نیرنگ کے انتہائی قابل اعتماد رفیق تھے اور انبالہ کے مسلمانوں میں بڑی قدر کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ انبالہ کے

---

[1] میر غلام بھیک نیرنگ علامہ اقبال کے دیرینہ دوست تھے۔ ان کا اصلی وطن انبالہ کے مضافات میں واقع ایک گاؤں موضع دورانہ تھا۔ ۱۸۷۵ء یا ۱۸۷۶ء میں یہیں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان انبالہ سکول سے ۱۸۹۵ء میں پاس کیا اور مزید تعلیم کے لیے لاہور کے گورنمنٹ کالج میں داخلہ لیا۔ حسن اتفاق سے اُسی سال علامہ اقبال بھی گورنمنٹ کالج میں بی۔اے میں داخل ہوئے۔ دونوں کی ملاقات ایک مشترکہ دوست چودھری جلال الدین کی وساطت سے ہوئی۔ اقبال کی طرح میر نیرنگ کو بھی شعر و شاعری سے لگاؤ تھا اور وہ بھی نواب مرزا داغ کے شاگرد تھے۔ جلد ہی دونوں آپس میں گہرے دوست بن گئے۔ دونوں لاہور کی علمی و ادبی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ بی۔اے کے بعد نیرنگ نے وکالت کا امتحان پاس کیا اور انبالہ میں وکالت شروع کر دی۔ کچھ عرصہ پبلک پراسیکیوٹر [عوامی نالشی] بھی رہے۔ پھر یہ ملازمت ترک کرکے وکالت کرنے لگے۔ وکالت اور شعر و شاعری کے ساتھ ساتھ مذہبی اور قومی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے۔ انجمن دعوتِ تبلیغ اسلام قائم کی۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے۔ جمعیۃ العلمائے ہند میں شرکت اختیار کی، لیکن "نہرو رپورٹ" کے مسئلے پر جمعیۃ سے علیحدہ ہو گئے اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں قائداعظم نے مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی قائم کی تو نیرنگ اس کے ڈپٹی لیڈر مقرر ہوئے۔ پاکستان کی مجلس دستور ساز بنی تو نیرنگ اس کے بھی رکن منتخب ہوئے۔ ۱۴/اکتوبر ۱۹۵۲ء کو فوت ہوئے اور لاہور میں دفن ہوئے۔ کلامِ نیرنگ اور غبارِ فوق دو کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ اقبال اور نیرنگ کے باہمی روابط کے لیے ملاحظہ کیجیے: گوہر شاہی کی مرتبہ مطالعۂ اقبال۔

مسلمان اپنے اجتماعی مسائل کے بارے میں کوئی فیصلہ ان کی رائے کے بغیر نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک مخلص، قومی خدمت کے جذبے سے سرشار اور سیاسی بصیرت سے بہرہ ور رہنما تھے۔ وہ انبالہ میں وکالت کرتے تھے، انجمن اسلامیہ انبالہ کے صدر تھے اور انبالہ مسلم ہائی سکول[1] کی داغ بیل بھی انھوں نے ہی ڈالی تھی اور اس کے مہتمم بھی رہے تھے۔

سید محمد حنیف کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے انبالہ کے مسلمانوں کو ان کی اہمیت سے آگاہ کیا اور انھیں متحد ہو کر اپنے حقوق حاصل کرنے اور مشترکہ فلاح و بہبود کے لیے جدوجہد کرنے پر آمادہ کیا۔ سید محمد حنیف سے پہلے سیاسی میدان میں انبالہ کے مسلمانوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ وہ ہندوؤں کے مقابلے میں اکثریت کے مالک تھے۔ مسلمانوں کی تعداد باون فیصد تھی اور ہندوؤں کی اڑتالیس فیصد۔ گویا مسلمان ہندوؤں سے دو فی صد زیادہ تھے۔ اس کے باوجود مسلمان معاشی اور تعلیمی شعبوں کی طرح سیاسی شعبے میں بھی ہندوؤں سے پیچھے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مسلمان منتشر تھے۔ ان میں اتحاد و اتفاق کا فقدان تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کو مخلص اور نڈر قیادت میسر نہیں تھی اور تیسری وجہ ہندوؤں کی جتھہ بندی اور روایتی مکر و فریب پر مبنی سیاست تھی۔ انبالہ میونسپل کمیٹی [بلدیہ] ان کی سیاست کا اکھاڑہ تھی۔ ہندو یہ جانتے تھے کہ اگر انھوں نے مسلمانوں سے براہِ راست تصادم کا راستہ اختیار کیا تو خسارے میں رہیں گے۔ اس لیے انھوں نے یہ طریقہ اپنایا کہ میونسپل کمیٹی کے انتخابات جب ہوں تو کسی ایسے مسلمان کو آگے کر دیا جائے جو منتخب ہو کر ان کا مرہونِ منت ہو اور آلۂ کار بن کر کام کر سکے اور خود پسِ پردہ رہ کر داؤ پیچ لڑاتے رہیں۔ سید محمد حنیف نے جب شہر کی سیاست میں قدم رکھا تو جلد ہی صورتِ حال کو بھانپ گئے۔ انھوں نے ہندوؤں کے عزائم کو خاک میں ملانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ لہٰذا ایک سال جب انتخابات قریب آئے تو انھوں نے میونسپل کمیٹی کے صدر کے عہدے کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ پہلی مرتبہ تو وہ کامیاب نہ ہو سکے، البتہ اگلے سال انتخابات کے موقع ہندوؤں نے جب خان بہادر نذر محمد اپنی حمایت کے لیے منتخب کیا تو مسلمانوں نے ان کے فریب میں آنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں کے مادی وسائل

---

[1] یہی سکول پاکستان قائم ہونے کے بعد سرگودھا منتقل ہو گیا اور وہاں سکول کے علاوہ اس نام سے کالج بھی قائم ہو گیا جو اب دوسرے کالجوں کی طرح حکومت کی تحویل میں ہے۔

اور فکر و فریب بے اثر ہو کر رہ گئے۔ مسلمان ارکانِ کمیٹی نے سید محمد حنیف کو کامیاب کرادیا۔ اس پر ہندو بہت تلملائے۔ انھوں نے انتقام لینے کے لیے دوسرا راستہ اختیار کیا۔

بااثر ہندوؤں نے گورنر پنجاب کے کان بھرنے شروع کردیے۔ اس زمانے میں گورنر تھا سر میلکم ہیلی[1] جو نہ صرف بڑے رعب اور دبدبے والا گورنر تھا بلکہ بے حد ضدی اور خودسر تھا جو مسلمانوں کے خلاف زبردست کینہ رکھتا تھا۔ اس کا حکم تھا کہ مجھ سے کوئی دیسی آدمی ملنے آئے تو سوٹ [انگریزی لباس]، ٹوپی اور چھڑی کے بغیر معمولی کپڑے پہن کر اور سرپر پگڑی باندھ کر آئے۔ اس حکم کا مقصد دیسی لوگوں کی تذلیل کرنا تھا۔ گورنر انبالہ آیا تو اس نے سید محمد حنیف کو بلا بھیجا۔ ڈپٹی کمشنر نے گورنر کا حکم سید محمد حنیف تک پہنچایا تو انھوں نے کہا کہ اگر آؤں گا تو سوٹ پہن کر آؤں گا۔ گورنر کو پیغام دیا گیا تو اس کو یہ مطالعہ طوعاً و کرہاً ماننا پڑا۔ لہٰذا وہ شارک سکن کا سوٹ پہن کر، ترکی ٹوپی سرپر رکھ کر، چھڑی ہاتھ میں لے کر اور سفید بوٹ پاؤں میں پہن کر بڑی شان سے گورنر کے پاس پہنچے۔ ملاقات ہوئی تو گورنر نے سید صاحب کو مرعوب کرنا چاہا اور کہا کہ آپ کے بارے میں ہندوؤں نے شکایت کی ہے، کہ آپ ان کی پروا نہیں کرتے۔ سید محمد حنیف نے صورتِ حال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہم اکثریت میں ہیں، لہٰذا قدرتی طور پر فیصلہ اکثریت کے مطابق ہونا چاہیے۔ یہ زیادتی نہیں، قانون اور انصاف کا بنیادی تقاضا ہے۔ گورنر نے کہا: اگرچہ آپ لوگ اکثریت میں ہیں، لیکن یہ اکثریت بہت معمولی ہے۔ انھوں نے جواب دیا: یہ درست ہے کہ اکثریت تھوڑی ہے لیکن ہے تو سہی۔ اس کے باوجود ہم اقلیت پر کوئی زیادتی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہماری تو خواہش یہ ہے کہ ہندو آئیں تو وہ ہمارے ساتھ مل کر انبالہ کے شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کریں۔ باہمی تعاون سے کام کرنے کا سب کو فائدہ ہوگا، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کمیٹی کا صدر ان کا نام زد کردہ ہو اور تمام فیصلے ان کی مرضی سے ہوں، حالانکہ وہ اقلیت میں ہیں؟ اس پر گورنر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور وہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہو گیا۔ سید محمد حنیف بھی کھڑے ہو گئے۔ گورنر نے کہا: تم بہت تیز

---

[1] سر ڈبلیو، ایم ہیلی، ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۸ء گورنر [پنجاب] رہا۔

طبیعت معلوم ہوتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا: میں نے طبیعت کی تیزی یا غصے کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ میں نے تو صرف ایک حقیقت آپ کے گوش گزار کی ہے۔ اس پر گورنر نے کہا: مجھے افسوس ہے، میں ہی ذرا غصے میں آگیا تھا۔ ملاقات ہو گئی۔ ہندوؤں نے گورنر سے جو اُمیدیں قائم کر رکھی تھیں نقش بر آب ثابت ہوئیں۔

سید محمد حنیف کے جذبۂ حب قوم کی یوں تو بہت سی مثالیں ہیں لیکن ایک واقعہ خاص طور پر لائق ذکر ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے کہ جب وہ میونسپل کمیٹی کے صدر تھے۔ ایک مرتبہ کمیٹی کا اجلاس ہونا تھا اور انھیں اس کی اطلاع مل چکی تھی، لیکن اتفاق سے اس دن انھیں چند ضروری مقدموں کے سلسلے میں کچہری بھی جانا تھا۔ للذا جب وہاں سے فارغ ہوئے تو دیر ہو چکی تھی، تاہم وہ اپنی بگھی میں بیٹھ کر فوراً میونسپل کمیٹی پہنچ گئے۔ اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کمیٹی کے مسلم ارکان نے ہاتھ کھڑے کر رکھے ہیں۔ سید محمد حنیف نے اجلاس میں داخل ہوتے ہی بلا تامل اپنا ہاتھ بھی کھڑا کر دیا۔ ایک ہندو رکن لالہ گنگا رام نامی یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا: سید صاحب! آپ کو معلوم بھی ہے کہ مسئلہ کیا ہے؟ انھوں نے فوراً جواب دیا: اگر پتا نہیں تو آپ کا کیا خیال ہے کہ یوں ہی ہاتھ کھڑا کر رہا ہوں؟ بہر حال گنتی ہوئی اور فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہو گیا۔ بعد میں بتایا کرتے تھے کہ دراصل پتا تو مجھے بالکل نہیں تھا کہ مسئلہ کیا درپیش ہے، البتہ یہ یقین ضرور تھا کہ ایوان میں موجود تمام مسلم ارکان نے جو ہاتھ کھڑے کر رکھے ہیں تو ضرور کوئی ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق خاص طور پر مسلمانوں سے ہے، اس لیے میں نے بے سوچے سمجھے محض دوسرے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ہاتھ کھڑا کر دیا تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد سید محمد حنیف اس وقت تک انبالہ میں رکے رہے جب تک اکثر و بیشتر مسلمان وہاں سے نکل نہیں آئے۔ پاکستان میں کچھ عرصہ لاہور میں اپنے چچازاد بھائی سید سبط حسن، صوبیدار میجر کے پاس ٹھہرے رہے۔ یہاں سے ایک محکمے کے ذریعے اسسٹنٹ کسٹوڈین [معاون تحویل دار] مقرر ہو کر گوجرانوالہ چلے گئے جہاں ایک عرصے تک افسر بحالیات اور بعد ازاں ضلعی افسر بحالیات کی حیثیت سے خدمات سر انجام دیتے رہے۔ پھر

مستعفی ہو کر وکالت شروع کر دی۔ آخر ۲۳/اگست ۱۹۶۸ء کو گوجرانوالہ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر اسّی سال سے زیادہ تھی۔

سید محمد حنیف کی بے لوث خدمت اور نڈر قیادت... انبالہ کے مسلمانوں کے دلوں میں گھر کر رکھا تھا۔ مقامی سیاست میں ان کی پوزیشن [مقام] بڑی مستحکم تھی۔ وہ میر نیرنگ کے موید تھے۔ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ میر نیرنگ نے ملکی اور قومی سطح پر جو خدمات سرانجام دیں ان میں سید محمد حنیف کی تائید و اعانت بھی کارفرما تھی۔ میر نیرنگ کو ان کی اہمیت کا پورا پورا احساس تھا، اس لیے جب علامہ اقبال نے ان سے رجوع کیا تو انھوں نے بجا طور پر اقبال کو لکھا کہ وہ سید محمد حنیف سے رابطہ قائم کریں۔ علامہ اقبال نے میر نیرنگ کی اس تجویز کے مطابق سید محمد حنیف کو خط لکھا۔ یہ خط اپنے تاریخی پس منظر کی بنا پر علامہ اقبال کی زندگی کے ایک اہم پہلو کے بارے میں قیمتی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقبال کے سوانح نگار اس پہلو کے بارے میں کوئی معلومات مہیا نہیں کرتے۔ پنجاب مجلس قانون ساز کی رکنیت مدت ختم ہوئی تو اقبال نے نئے انتخابات میں کوئی دلچسپی لی یا نہیں، ایسا سوال ہے جس کی طرف کچھ اشارہ اس نادر خط سے ہوتا ہے جو اقبال نے ۲۱/جولائی ۱۹۳۰ء کو سید محمد حنیف کے نام لکھا۔ لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سید محمد حنیف نے اس کا کیا جواب دیا۔ اس بارے میں تلاشِ بسیار کے باوجود کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ کاش وہ خطوط محفوظ ہوتے جو دوسرے لوگوں نے اقبال کو لکھے تھے تو اس مسئلے پر زیادہ اچھی طرح روشنی ڈالی جاسکتی۔ بدقسمتی سے نہ تو میر نیرنگ کا خط اقبال کے نام دستیاب ہوسکا نہ ان کا سید محمد حنیف کے نام خط مل سکا اور نہ سید محمد حنیف کا خط اقبال کے نام ہی ہاتھ آسکا۔ یہی غنیمت ہے کہ پچاس سال پہلے کا یہ نادر خط دریافت ہوگیا۔ اس سلسلے میں، میں ذاتی طور پر جناب سید شاہد محسن کا شکر گزار ہوں جو سید محمد حنیف کے پوتے ہیں اور جن کی عنایت سے میری رسائی اس بیش قیمت خط تک ہوسکی اور یہ قومی امانت منظر پر آسکی۔ نیز مکتوب الیہ سید محمد حنیف کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوسکیں۔ مجھے توقع ہے کہ اس خط سے استفادہ کرنے والے جہاں میرا حوالہ دیں گے وہاں جناب سید شاہد محسن کا تذکرہ بھی ضرور کریں گے۔

لاہور، ۲۱ر جولائی ۱۹۳۰ء

ڈیر مسٹر محمد حنیف، السلام علیکم!

میر غلام بھیک صاحب کو میں نے آپ کے حلقے اور آیندہ انتخابات کے متعلق لکھا تھا۔ ان کا خط چند روز ہوئے مجھے آیا تھا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ انھوں نے آپ کو اپنے خیالات سے آگاہ کر دیا ہے کہ میں مزید خط و کتابت آپ سے کروں۔ اگر دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کے احباب و معاونین نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ میر صاحب یا آپ کی جماعت میں سے کوئی اور صاحب کھڑے ہوں تو بڑی خوشی کی بات ہے، لیکن اگر ایسا نہ ہو [تو] آپ مہربانی کرکے اپنی جماعت کے فیصلے سے مجھے آگاہ فرمائیں کہ صورتِ حال کیا ہے اور آپ کے حلقے کی طرف سے کون کون اُمیدوار کھڑے ہوں گے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام۔

مخلص

محمد اقبال

علامہ اقبال کے چند غیر مدوّن خطوط*

رفیع الدین ہاشمی

علامہ اقبال کے متفرق خطوط کے آخری اُردو مجموعے (خطوطِ اقبال، ۱۹۷۶ء) اور انگریزی مجموعے (لیٹرز آف اقبال، ۱۹۷۸ء) کے بعد سے اب تک ایک سو سے زائد اُردو اور انگریزی مکاتیب منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ خاصی تعداد میں غیر مطبوعہ مکاتیب کا سراغ بھی ملا ہے (توقع ہے یہ جب خطوط مختلف جرائد یا مجموعۂ مکاتیب میں آیندہ چند ماہ تک چھپ جائیں گے۔)

حالیہ برسوں میں جنگ، نقوش، فنون، افکار اور اقبال ریویو وغیرہ کے مختلف شماروں میں شایع ہونے والے مطبوعہ مکاتیب تک رسائی مشکل نہیں ہے، تاہم نسبتاً کم معروف رسائل و جرائد میں چھپنے والے خطوط، عام طور پر قارئینِ اقبال کی نظروں سے اوجھل رہے ہیں۔ ذیل میں علامہ اقبال کے چند ایسے خطوط پیش کیے جا رہے ہیں، جو علامہ کے کسی مجموعۂ مکاتیب میں شامل نہیں ہیں۔ انگریزی خطوط کے ساتھ ان کا اُردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ ہر خط کے ماخذ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ حسبِ موقع ضروری تعارف اور مختصر حواشی بھی درج کر دیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر ظفر الحسن کے نام

ڈاکٹر ظفر الحسن (صدر شعبۂ فلسفہ، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) کے نام علامہ اقبال کا ایک خط لیٹرز آف اقبال میں شامل ہے (ص ۲۲۳۔ فہرست میں مکتوب الیہ کا نام مذکور نہیں ہے) اقبال نامہ اول میں اس کا اُردو ترجمہ شامل ہے (ص ۶۸، ۶۹) ترجمہ ناقص ہے۔ شیخ عطاء اللہ

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۲۳، جنوری ۱۹۸۳ء۔

نے حاشیے میں لکھا ہے: "ڈاکٹر سید ظفر الحسن کے نام گراں قدر [خطوط کا] مجموعہ دوسرے حصے میں شایع ہوگا"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب کو سید ظفر الحسن کے نام متعدد خطوط دستیاب ہوئے تھے، مگر اقبال نامہ دوم میں، بلکہ کسی اور مجموعۂ مکاتیب میں بھی، ان کے نام علامہ کا کوئی اور خط نہیں ملتا... اقبال صدی کے موقع پر ان کے علامہ کا ایک خط (محررہ: ۱۰ر ستمبر ۱۹۳۵ء) اور ان کے بارے میں تین توصیفی اسناد سامنے آئیں (نقوش اقبال نمبر ۲، دسمبر ۱۹۷۷ء) ان اسناد سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ، ڈاکٹر ظفر الحسن کی علمی لیاقت اور فلسفہ دانی کے تہ دل سے معترف تھے۔

کچھ عرصے پہلے ان کے نام علامہ کا ایک مکتوب منظر عام پر آیا (نقد و نظر، علی گڑھ، جلد ۳، شمارہ، ۱۹۸۱ء) مکتوب الیہ کے نام علامہ کا یہ آخری مکتوب ان کے اپنے قلم سے نہیں ہے، بلکہ کسی اور سے املا کرایا گیا۔ عمر کے آخری ایک دو برسوں میں علالت کے سبب، علامہ اقبال بہ قلم خود بہت کم لکھا کرتے تھے... (حال ہی میں اُن کے نام علامہ کے متعدد خطوط دریافت ہوئے ہیں۔ جو اقبال اکادمی کی ملکیت ہیں۔ ان کا متن عجائب گھر لاہور نے اپنے نمایش نامے، بہ سلسلہ نمایش نوادراتِ اقبال ۴تا۱۰ر دسمبر ۱۹۸۲ء میں شایع کیا ہے۔) ملاحظہ کیجیے:

لاہور، ۶ر مئی ۳۷ء

ڈیر ڈاکٹر ظفر الحسن،

[علی گڑھ] مسلم یونی ورسٹی کے فلسفہ کے طالب علموں نے مجھ کو ایک خط[1] لکھا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ میں فلسفۂ اسلام کی ایک مفصل تاریخ لکھوں۔ اگرچہ

---

[1] غالباً یہ اس خط کا ذکر ہے، جو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں زیر تعلیم ایم اے فلسفہ کے طلبہ کی طرف سے حضرت علامہ کو بھیجا گیا تھا (دیکھیے: خطوطِ اقبال، ص ۲۹۳-۲۹۱) اس خط کے مکتوب الیہ فلاسوفیکل ایسوسی ایشن [انجمن فلسفہ]، مسلم یونی ورسٹی گڑھ کے سیکرٹری [معتمد] فضل کریم ہیں... اس میں بھی تقریباً انھی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، جو مندرجہ بالا خط میں ملتے ہیں۔ علامہ لکھتے ہیں: "تاہم خرابیِ صحت کی اس حالت میں بھی، میں کسی حد تک ایک نوجوان محقق کے کام آسکتا ہوں اور ان مسائل کی تفہیم میں اس کی مدد بھی کر سکتا ہوں، جنھوں نے ہمارے آبا کے دلوں کے اندر ولولہ پیدا کیا تھا، تاہم یہ ضروری ہے کہ ایسا عالم عربی میں اچھی قدرت رکھتا ہو اور مجھ مریض کے پلنگ کے پاس بیٹھنے کے لیے کچھ وقت بھی نکال سکے۔

یہ کام میرے ذہن میں تھا، لیکن افسوس کہ اس کے مشکلات اور نیز میری موجودہ علالت نے مجھ کو اس کی طرف سے کلی مایوس کر دیا۔ مضمون اتنا وسیع ہے کہ فی الحال اس کی ابتدا خاص خاص سوالات کی بحث سے شروع کی جا سکتی ہے۔ کچھ مدت ہوئی، میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کے لیکچروں [خطبات] کے لیے ٹائم اینڈ سپیس اِن دی ہسٹری آف مسلم تھاٹ [مسلم فکر کی تاریخ میں مسئلۂ زماں و مکاں] پر لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس کے لیے میں نے کچھ میٹریل [مواد] بھی جمع کیا تھا، لیکن یہ مقصد بھی علالت نے پورا نہ ہونے دیا۔ کیا فلسفہ کا کوئی نہایت ہوشیار طالب علم، جو عربی اچھی طرح سے جانتا ہو، اس کام کو کرنے کے لیے تیار ہے۔ مندرجہ بالا مضمون کو اور بھی محدود کیا جا سکتا ہے، مثلاً اس طرح کہ صرف ٹائم [زمان] پر بحث ہو اور سپیس [مکاں] کو چھوڑا جائے۔ اگر ایسا طالب علم، آپ کی یونیورسٹی میں موجود ہو، اور یونیورسٹی اس کو اس خاص ریسرچ [تحقیق] کے لیے کم از کم دو سال تک وظیفہ بھی دے سکے، تو وہ ایک چھوٹی سی نہایت عمدہ کتاب مضمون مذکور پر لکھ سکتا ہے۔ میٹریل میرے پاس موجود ہے، میں اس کو دے دوں گا، اور اگر وہ چند روز لاہور ٹھہر سکے، تو میں اس کی زبانی بحث و مباحثہ سے بھی مدد بھی کر سکتا ہوں۔ ایسے سٹوڈنٹ [طالب علم] کے لیے ضروری ہے کہ (۱) انگریزی لکھنے پر قدرت رکھتا ہو۔ (۲) عربی جانتا ہو۔ (۳) صحت اس کی اچھی ہو تاکہ اگر ریسرچ کے لیے اس کو ہندوستان کی مختلف یونی ورسٹیوں [جامعات] یا تعلیم گاہوں کے کتب خانے تلاش کرنے کے لیے سفر کرنا پڑے، تو یہ زحمت اُٹھا سکتا ہو۔ (۴) فلسفہ جدید، خاص کر ٹائم کی بحث سے اچھی طرح واقف ہو۔ میرے ذہن میں جو مضمون کا خاکہ ہے، اس کو ایک علیحدہ کاغذ پر لکھ کر اس خط میں ملفوف کرتا ہوں۔ آپ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب سے مشورہ کرکے مجھے اس خط کا جواب دیں۔

والسلام

محمد اقبال

عبدالواحد کے نام

بنگلور کے عبدالواحد مرحوم، علامہ اقبال کے غائبانہ مداحوں میں سے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں حضرتِ علامہ کے سفر جنوبی ہند میں، انھوں نے مدراس میں شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ مدراس میں گھوکھلے ہال [ایوان] اور سر محمد اسماعیل سیٹھ کے مکان کے باہر لیے جانے والے بعض گروپ فوٹوز میں عبدالواحد مرحوم، علامہ اقبال کے ساتھ موجود ہیں۔ ان کے نام مندرجہ ذیل خطوط شیرازہ، سری نگر کے اقبال نمبر، ج ۱۶، ش ۳-۲ [۱۹۷۸ء] میں شائع ہوئے۔

---

(۱)

پہلے خط پر تاریخ ۲۱/ اکتوبر ۱۹۱۱ء درج ہے، جو درست معلوم نہیں ہوتی۔ اس خط میں اقبال نے مکتوب الیہ کو اسرارِ خودی ارسال کرنے کا وعدہ کیا ہے، یہ مثنوی ستمبر ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی، اس اعتبار سے ہمارے نزدیک اس خط کی تاریخ تحریر ۲۱/ اکتوبر ۱۹۱۵ء زیادہ قرین قیاس ہے:

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا پوسٹ کارڈ مل گیا ہے۔ اسرارِ خودی کے لیے لکھ دیا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ کو جلد مل جائے گی۔ جس حسنِ ظن کا آپ نے اپنے خط میں اظہار فرمایا ہے، اس کے لیے میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں۔

بنگلور اور میسور دیکھنے کا مجھے بھی اشتیاق ہے، مگر سفر طویل ہے اور میری صحت طویل سفر کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ بہر حال اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں [کذا] ہوا، تو آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔ افسوس ہے کہ اس وقت کوئی فوٹو [عکسی تصویر] میرے پاس موجود نہیں، جب بنواؤں گا، تو آپ کی خدمت میں ایک کاپی ضرور ارسال کروں گا۔

والسلام

آپ کا نیاز مند

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ، لاہور
۲۱/ اکتوبر [۱۹۱۵ء]

---

(۲)

یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو علامہ اقبال کو نائٹ ہڈ [بہادر] کا خطاب ملا، اس پر ان کے بعض عقیدت مندوں نے قدرے تشویش کا اظہار کیا، عبدالواحد مرحوم کے نام، ذیل کا جوابی خط، علامہ اقبال کی جانب سے ایک نوع کا وضاحت نامہ ہے... (اس ضمن میں مزید وضاحت غلام بھیک نیرنگ کے نام خط میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اقبال نامہ، اول، ص۲۰۶، ۲۰۷)

مخدومی، تسلیم

خطاب جو مجھ کو دیا گیا ہے، اسرارِ خودی کے انگریزی ترجمے اور یورپ اور امریکہ میں جو ریویو [تبصرے] اس پر شایع ہوئے ہیں، ان کا نتیجہ ہے۔ اور آپ مطمئن رہیں کہ اس کا کوئی سیاسی مفہوم نہیں ہے۔ کہ دنیا کی عزت و دولت مجھ ایسے فطرت والے آدمی کو اپیل [متوجہ] کرنے والی چیزیں ہیں۔ اگر آپ کو میری طرزِ زندگی، میرے مقاصد ادبی اور ملک کے موجودہ حالات میں ان مقاصد کی تکمیل کے لیے جو طرزِ عمل میں نے اختیار کر رکھا ہے، ان سب اُمور سے واقفیت کماحقہ ہوتی، تو آپ کو شاید اس استفسار کی ضرورت ہی پیش نہ آتی، جو آپ نے اپنے خط میں مجھ سے کیا ہے۔ بہر حال اس استفسار کا بہترین جواب، میری آیندہ زندگی دے گی۔ باقی رہی ہندوستانی سیاست، سو میں فطرتاً اس کے لیے موزوں نہیں ہوں۔ عملی طور پر آج تک میرا کوئی سروکار اس سے نہیں رہا۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ بات لٹریری [ادبی] مقاصد کی تکمیل میں سدِ راہ ہے، جن کی تکمیل کے لیے امن و سکون کی ضرورت ہے، خصوصاً ایسے آدمی کے لیے، جس کی صحت بھی اچھی نہیں رہتی۔

اسرارِ خودی کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے، اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھ کر اگر آپ غور کریں گے، تو آپ پر ہر حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

مخلص

محمد اقبال

۲۸ر جنوری ۱۹۲۳ء، لاہور

---

(۳)

لاہور، ۸ر فروری ۱۹۲۳ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا محبت نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے نہایت ممنون ہوں۔ مجھے کسی نے پہلے بتایا ہے کہ بنگلور نہایت خوش گوار مقام ہے۔ آپ سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ ان شاء اللہ میں اس امر کی کوشش کروں گا کہ کچھ عرصہ وہاں گزاروں۔ اس کے علاوہ سلطان شہیدؒ سے مجھے ایک خاص عقیدت بھی ہے۔ غرضیکہ میں آپ کی عنایت سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کروں گا۔ بشرطیکہ یہاں کے علائق سے [فرصت] مل گئی۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

شعیب قریشی کے نام

عبدالرحمٰن بجنوری (۱۸۸۵ء-۱۹۱۸ء) نے کچھ زیادہ عمر نہ پائی، مگر غالب نے غیر متداول دیوان (نسخۂ حمیدیہ) پر اپنے یادگار مقدمے کے سبب زندۂ جاوید ہو گئے۔ انھوں نے علامہ اقبال کی شاعری پر بھی ایک مضمون "اقبال: ہز پرشین مثنویز" [اقبال اور ان کی فارسی مثنویاں] مطبوعہ مجلّہ ایسٹ اینڈ ویسٹ جولائی ۱۹۱۸ء) لکھا تھا... اسی برس ان کی اچانک وفات پر مندرجہ ذیل خط جناب شعیب قریشی اڈیٹر [مدیر] کامریڈ کے نام لکھا گیا۔ اس خط کا عکس الفاظ علی گڑھ کے شمارہ جنوری، فروری ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا تھا:

لاہور، ۸ر نومبر ۱۸ء

ڈیر مسٹر شعیب، السلام علیکم

---

۱ مکتوب الیہ کی طرف سے بنگلور آنے کی دعوت دی گئی تھی مگر کئی برس تک بنگلور جانے کی صورت نہ بن سکی۔ حتیٰ کہ چھ سال بعد جنوری ۱۹۲۹ء میں، دورۂ جنوبی ہند کے موقع پر، حضرت علامہ بنگلور گئے۔ اس موقع پر سلطان ٹیپو شہید کے مزار پر حاضری بھی دی۔

کل شام آپ کے تار نے خرمنِ صبر و قرار پر بجلی گرادی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ افسوس کہ گزشتہ پچاس ساٹھ سال کی تعلیمی کش مکش کے بعد ایک آدمی ہم میں پیدا ہوا تھا، جو دل و دماغ و سیرت کے اعتبار سے قدیم حکمائے اسلام کا نمونہ تھا، مگر مشیت ایزدی نے اسے ہم سے عین اس وقت جدا کر لیا، جب کہ اس کی سخت ضرورت تھی۔ شاید مرحوم اپنے وقت سے پہلے پیدا ہوا تھا، یا جس سوسائی [معاشرے] میں اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا تھا، وہ اس کی قدر نہ پہچان سکتی تھی۔ ہندوستان کی اسلامی دنیا میں بہت کم ایسے آدمی ہوں گے، جن کو بجنوری کی پوشیدہ قوتوں کا احساس نہ ہو، لیکن اگر وہ دس سال ہم میں اور رہتا تو آنکھیں اس کے کمالات کی آب و تاب سے خیرہ ہو جاتیں۔ ہم مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر سر تسلیم خم کرنے والے ہیں، لیکن وہ ہمیں میں سے ایک تھا، جس نے یہ کہا تھا کہ: ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾[1](یوسف: ۸۶) "میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں" پس ہم بھی اپنی بربادی کا رونا اسی کے سامنے روئیں گے اور اپنی شکایت و حزن اسی کے سامنے پیش کریں گے۔ اس کی تقدیر سے کس کو مفر ہے؟ پھر کیوں ہم اپنے مصائب و آلام کو اس کے قرب کا ذریعہ نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اپنے حبیب پاک [ﷺ] کے دربار کی حاضری نصیب کرے۔

آہ! ملت اسلامیہ بدنصیب ہے۔ ہر طرف بربادی و تباہی کے آثار ہیں مگر کیا یہ ویرانی کسی تازہ تعمیر کا پیش خیمہ ہے:

ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند
نے کہ اول کہنہ را ویراں کنند[2]

---

[1] اشارہ ہے حضرت یعقوب کی طرف جب ان کا دوسرا عزیز بیٹا بن یامین، اس کے بھائیوں کے مطابق، شاہِ مصر کے ہاں چوری کے الزام میں قید کر لیا گیا تو حضرت یعقوبؑ جو پہلے ہی یوسف کی جدائی سے پریشان تھے، اب فرطِ غم سے بالکل ہی نڈھال ہو گئے۔ اس موقع پر انھوں نے یہ الفاظ کہے۔: "میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا"۔ (یوسف:۸۶)

[2] ترجمہ:
ہر پرانی عمارت جسے آباد کرنا ہو

مرحوم کے اعزا و اقربا کی خدمت میں میری طرف سے دلی ہمدردی کا پیغام بھیجیے، اور مجھے ان کا پتہ تحریر فرمایے کہ میں خود بھی انھیں لکھوں۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

مولوی نور الاسلام کے نام[۱]

مولوی نور الاسلام، عبدالرحمٰن بجنوری کے والد تھے... مرحوم کے کتبے کے لیے علامہ نے جو رباعی تجویز کی، وہ پیامِ مشرق (ص۲۳۲) میں موجود ہے۔ اس کا عکس بھی الفاظ کے مذکورہ بالا شمارے میں شایع ہوا تھا:

مخدومی، السلام علیکم

میری رائے میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن مرحوم کے مزار پر مندرجہ ذیل رباعی بطور کتبے کے لکھنی چاہیے:

دلِ من رازدانِ جسم و جان است
نہ پنداری اجل بر من گران است
چہ غم گر یک جہاں گم شد ز چشمم
ہنوز اندر ضمیرم صد جہان است[۱]

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۲ر ستمبر ۲۰ء

پہلے اسے ڈھانا پڑتا ہے

[مترجم: محمد سہیل عمر]

۱ ترجمہ:

میرا دل جسم اور روح کا رازداں ہے

یہ نہ سمجھنا کہ موت مجھ پر بھاری ہے

اگر ایک دنیا میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئی

میرے باطن میں اب بھی سو جہان چھپے ہوئے ہیں

[مترجم: محمد سہیل عمر]

ایڈورڈ تھامپسن کے نام

ایڈورڈ تھامپسن آکسفورڈ یونیورسٹی میں بنگالی زبان کا پروفیسر تھا۔ اس نے ایک صحافی کی حیثیت سے دو مرتبہ ہندوستان کا سفر کیا، دیگر مشاہیر کے علاوہ علامہ اقبال سے بھی اس کی ملاقاتیں رہیں۔ کانگریسی لیڈروں [رہنماؤں] سے اس کے گہرے تعلقات تھے، اور ہندوستانی سیاسیات کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر کانگریس سے زیادہ قریب تھا، تھامپسن کے بیانات زیادہ وقیع قرار نہیں دیے جا سکتے (دیکھیے: علامہ اقبال کا خط بنام ایڈیٹر لندن ٹائمز، لیٹرز آف اقبال، ص ۲۱۸-۲۱۷... اور شریف الدین پیرزادہ کا مکتوب، جنگ، کراچی ۷/ ستمبر ۱۹۸۱ء)

تھامپسن کے نام حضرتِ علامہ کے نو خطوط میں سے، تاحال ہمیں صرف ایک خط دستیاب ہو سکا ہے، جو کتاب نما (دہلی) کے شمارہ دسمبر ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا تھا:

Lahore
4th March 1934,
My dear Thompson,

I have just received your review of my book. It is excellent and I am grateful to you for the very kind things you have said of me. But you have made one mistake which I have pointed out, as I consider it rather serious. You call me [a] protagonist of the scheme called 'Pakistan'. Now Pakistan is not my scheme. The one that I suggested in my address is the creation of Muslim Province in a province having an overwhelming population of Muslims in North-West of India. This new province will be according to my scheme, a part of the proposed Indian Federation. Pakistan scheme proposes a separate federation of Muslim Provinces directly related to England as a separate dominion. This scheme originated in Cambridge. The authors of this scheme

believe that we Muslim Round Tablers have sacrificed the Muslim nation on the altar of Hindu or the so-called Indian Nationalism.

Your Sincerely
Mohammad Iqbal

ترجمہ

۴ر مارچ ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر تھامپسن

میری کتاب[1] پر آپ کا تبصرہ ابھی ابھی موصول ہوا ہے۔ تبصرہ شاندار ہے۔ مزید برآں آپ نے میرے بارے میں جن لطف آمیز باتوں کا ذکر کیا، اس کے لیے ممنون ہوں۔ مگر آپ ایک غلطی کر گئے ہیں، چونکہ یہ خاصی اہم ہے، اس لیے اس کی فوری نشان دہی ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ نے مجھے "پاکستان" نامی سکیم [تجویز] کا مؤید قرار دیا ہے۔ میں نے اپنے [الہ آباد کے] خطبے میں ایک مسلم صوبے کے قیام کی سکیم تجویز کی تھی، یعنی ایک ایسا صوبہ، جس میں ہندوستان کے شمال مغرب میں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہو۔ یہ نیا صوبہ میری اس سکیم کے مطابق ہوگا، اور مجوزہ ہندوستانی فیڈریشن [وفاق] کا ایک حصہ۔ پاکستان سکیم میں مسلم صوبوں کا ایک جداگانہ وفاق تجویز کیا گیا ہے جس ایک جداگانہ ڈومینین [حکومت] کی حیثیت سے براہ راست انگلستان سے وابستہ ہو۔ یہ سکیم کیمبرج سے شروع ہوئی تھی۔ اس سکیم کے خالق یہ سمجھتے ہیں کہ گول میز کانفرنس میں شریک ہم مسلمان ممبروں نے مسلم قوم کو ہندوؤں یا نام نہاد مسلم قوم پرستی کی قربان گاہ پر قربان کر دیا ہے۔[2]

آپ کا مخلص
محمد اقبال

---

[1] تھامپسن نے علامہ اقبال کے انگریزی خطبات (طبع دوم، مطبوعہ لندن، ۱۹۳۴ء) پر تبصرہ دیا تھا۔

[2] علامہ اقبال نے زیر نظر خط کے دو روز بعد (۶ر مارچ ۱۹۳۴ء کو) راغب احسن کے نام ایک خط میں بھی کم و بیش انہی خیالات کا اظہار کیا ہے (ملاحظہ کیجیے: جنگ، اقبال اڈیشن، ۲۱ر اپریل ۱۹۸۲ء)

محمد عبداللہ العمادی کے نام

اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ اس میں پٹنہ کے ڈاکٹر عظیم الدین احمد کا ذکر ہے، جو اورینٹل کالج [کلیہ شرقیہ] لاہور کے شعبۂ عربی سے وابستہ تھے۔ وہ جنوری ۱۹۱۹ء میں ترکِ ملازمت کے بعد پٹنہ چلے گئے۔ اس اعتبار سے اس خط کا سالِ تحریر اوائل جنوری ۱۹۱۹ء یا ۱۹۱۸ء متعین ہو سکتا ہے۔ ۱۹۱۸ء اس لیے زیادہ قرین قیاس ہے کہ زیر نظر خط میں، مولانا ظفر علی خاں کی حیدرآباد دکن سے واپسی کا ذکر ہے، جو ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے۔

یہ خط حیدرآباد دکن کے رسالے شعور (اقبال نمبر، ۱۱/ مئی ۱۹۷۳ء) میں شائع ہوا تھا:

ڈیر مولوی صاحب، السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے، جس کے لیے سراپا ہوں۔ مجھے آپ کا خط پڑھ کر تعجب ہوا کہ آپ کو ایسے واقعات پیش آئے، جن کا اشارہ آپ نے کیا ہے۔ افسوس ہے میری ملاقات مسٹر حیدری سے نہ ہو سکی۔ اُنھوں نے علی گڑھ سے مجھے تار دیا تھا، مگر میں لاہور میں نہ تھا، شملہ میں تھا۔ ۲۳/ ستمبر کو شملہ سے آیا تو ان کا تار ملا۔ اس اثنا میں وہ علی گڑھ سے حیدرآباد روانہ ہو چکے تھے۔ اگر ان سے ملاقات ہو جاتی تو میں آپ کے بارے میں خاص طور پر اُن سے ذکر کرتا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اہل حیدرآباد آپ کے علم و فضل سے جلد واقف ہو جائیں گے اور آپ کے وجود کو غنیمت تصور کریں گے۔ آپ چلے جانے سے لاہور کی علمی صحبت کا خاتمہ ہو گیا۔ ڈاکٹر عظیم الدین بھی شاید چلے جائیں۔ بس پھر بقول مولانا اکبر: "یہاں دھرا کیا ہے سوا اکبر کے اور امرود کے"۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب سے شملہ میں ملاقات ہوئی تھی، وہ اب کرم آباد میں ہیں۔ لوگ چونکہ پہلے سے اُن کی نسبت بدظن ہیں۔ ان کے حیدرآباد سے واپس آجانے کے متعلق طرح طرح کی افواہیں اُڑ رہی ہیں۔ ایک حیدرآبادی راوی نے ایک عجیب و غریب واقعہ ان کا بیان کیا یعنی یہ کہ وہ حضور نظام کے دربار میں "یاامیر المومنین" کا نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ راوی کے طرزِ بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ مولوی صاحب کی بے ہوشی مصنوعی تھی۔ واللہ اعلم۔ میں نے ان کو جاتے دفعہ کہہ بھی دیا تھا کہ وہ حیدرآباد میں

سوائے اپنے کام کے اور کسی کام سے سروکار نہ رکھیں، مگر افسوس کہ وہ میری نصیحت پر عمل نہ کر سکے، اور نتیجہ وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔

کیا خوب، مجھے حیدرآباد کھینچتے ہیں، یا میرے حیدرآباد آنے کے متوقع ہیں۔ میں اس فکر میں ہوں کہ آپ لاہور آجائیں کہ لاہور میں علمی چرچا آپ کے دم سے تھا۔ مولوی وجاحت حسین آپ کو آفتاب کی اڈیٹری [ادارت] کے لیے بلانا چاہتے تھے۔ شاید انھوں نے آپ کو کہا بھی ہو۔ میری کوشش ہے کہ آپ کو لاہور کے اسلامیہ کالج یا حمیدیہ کالج میں جس کا نصاب زیر غور ہے، پروفیسر [استادِ اعلیٰ] مل جائے۔ بہر حال جو خدا کو منظور ہوگا، ہو رہے گا۔

مولوی صدر الدین پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور کو میں نے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ گولڈزیہر نے، جو تنقید احادیث کی، کی ہے، اسے اُردو میں ترجمہ کر ڈالیں۔ اگر آپ یہاں ہوتے تو گولڈزیہر کی تنقید کی تردید میں آپ سے گراں بہا مدد ملتی۔ تاہم جو کچھ مجھے معلوم ہے، مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر کر دیا جائے گا۔ حیدرآباد میں کہیں خواجہ کرمانی کے دیوان کا قلمی نسخہ ملے تو مطلع کیجیے کہ آیا قیمتاً مل سکے گا. یا مالک نسخہ نقل کر لینے کی اجازت دے گا۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ کیا آپ مہاراجا سر کشن پرشاد سے بھی ملے؟ وہ بھی اہل علم کے بڑے قدر دان ہیں۔ لاہور میں سردی آرہی ہے۔ اب شہر کی رونق دوبالا ہو جائے گی۔ وہ کل شام یہاں آئے تھے، مگر افسوس کہ میں مکان پر موجود نہ تھا۔

مخلص

محمد اقبال

ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن [ناظم عوامی ہدایت] کے نام

علامہ اقبال، گورنمنٹ کالج لاہور کے زمانۂ ملازمت میں، ۱۹۰۵ء میں تین سال کی رخصت پر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ لاہور سے وہ ستمبر ہی میں روانہ ہو گئے تھے

(۲۵ر دسمبر کو کیمبرج پہنچے اور یکم اکتوبر کو ٹرینٹی کالج میں داخلہ لیا) اُن کی مدتِ رخصت کا آغاز یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء سے ہوا... انھوں نے جون ۱۹۰۷ء میں کیمبرج سے بی اے اور نومبر ۱۹۰۷ء میں میونخ سے پی ایچ ڈی کرلیا۔ اس دوران میں انھوں نے لنکنز اِن میں داخلہ لے رکھا تھا۔ جلد ہی انھوں نے محسوس کیاکہ بیرسٹری [وکالت] کی تکمیل کے بعد، واپس وطن پہنچ کر، اُن کے لیے معلمی کی نسبت، وکالت کا پیشہ اختیار کرنا کئی اعتبار سے سودمند ہوگا، چنانچہ ۲۲ر جنوری ۱۹۰۸ء کو انھوں نے، مندرجہ ذیل خط پر مبنی، اپنا استعفیٰ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب کو روانہ کیا۔ اس خط کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے اقبال کے ترکِ ملازمت کی صحیح تاریخ اور اس کی نوعیت پہلی بار سامنے آتی ہے۔ اقبال کی اپنی تحریر میں یہ خط، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان کے جرنل [جریدہ] (اکتوبر ۱۹۷۷ء) میں، ڈاکٹر ایم جہانگیر خاں نے شایع کرایا تھا:

To
The Director
Public Instruction of Punjab,
Lahore
Sir,

I beg permission respectfully to resign my post of Asstt. [Assistant] Professor of Philosophy, Government College Lahore from which leave of absence for three years (without pay) was granted to me on October 1st 1905. Private circumstances render it inexpedient for me to continue in the teaching profession and in combent upon me to adopt another profession. At the same time I desire to express my gratitude for the honour that was done me when the post was conferred upon me, and for the kind consideration that allowed me to retain a lien

upon my appointment during the period of my studies in Europe.

I am,
Sir,
Your most obedient servant
Sheikh Mohammad Iqbal, M.A.
Asstt. Professor of Phil.[Philosophy]
Government College Lahore
On leave
c/o Messers Thomas Cook & Sons
Ludgate Circus
London E.C.

22nd Jan. 1908.

ترجمہ:

بہ خدمت ڈائریکٹر صاحب
پبلک انسٹرکشن پنجاب
لاہور

جناب والا،

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میں گورنمنٹ کالج لاہور کی، اسسٹنٹ پروفیسر [معاون معلم] فلسفہ کی اسامی سے استعفیٰ پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ میں اس اسامی سے یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء سے تین سال کی رخصت (بلا تنخواہ) پر ہوں۔

ذاتی حالات کی بنا پر معلمی کا پیشہ اختیار اپنائے رکھنا میرے لیے چنداں سودمند نہیں ہے، اور میں کوئی [اور] پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں اس اعزاز پر، اظہارِ تشکر ادا کرنا چاہتا ہوں، جو مجھے [اسسٹنٹ پروفیسر فلسفہ کے اس] منصب پر فائز کرکے بخشا گیا تھا۔ پھر یہ کہ یورپ میں میرے عرصۂ زیرِ تعلیم میں [اس اسامی پر] مجھے اپنا استحقاق برقرار رکھنے کی اجازت بھی مرحمت کی گئی۔

میں ہوں،

جنابِ والا،
آپ کا انتہائی اطاعت گزار
شیخ محمد اقبال، ایم اے
اسسٹنٹ پروفیسر فلسفہ
گورنمنٹ کالج لاہور
رخصت پر:
۲۲ر جنوری ۱۹۰۸ء
معرفت: میسرز تھامس کک اینڈ سنز
لڈگیٹ سرکس، لندن، ای سی

شیخ اعجاز احمد کے نام

علامہ اقبال کے برادر زادے شیخ اعجاز احمد (پسر شیخ عطا محمد) کے نام مندرجہ ذیل خطوط، مکاتیب اقبال کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔ پہلا خط (۲۴ر جون ۱۹۱۴ء) مکتوب الیہ کی میٹرک [درجہ ثانویہ] میں کامیابی کے موقع پر لکھا گیا۔ ۸ر جولائی ۱۹۱۹ء کے مکتوب میں موٹر والے نواب صاحب سے مراد غالباً نواب ذوالفقار علی خاں (مالیر کوٹلہ) ہیں۔

دوسرے خط میں ایک جگہ، علامہ اقبال سے جلدی میں ایک لفظ چھوٹ گیا، اسے قلابین] میں درج کیا گیا ہے۔ ان خطوط کے عکس یادگارِ اقبال (مرتبہ: یعقوب توفیق) کراچی، میں شایع ہوئے تھے۔ یہ مجموعہ کمیاب ہے۔

(۱)

لاہور، ۲۴ر جون ۱۹۱۴ء

عزیز از جان اعجاز طال عمرہٗ [اس کی عمر دراز ہو]،
تمہارا نتیجہ کل نکلا تھا، مگر مجھے علم نہ ہوا کہ نتیجہ نکل گیا ہے۔ آج پتا ہوا [کذا] تو میں [پنجاب] یونی ورسٹی گیا، اور تمھارا نام کامیاب طلبا میں دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ گھر آیا کہ تم کو تار دوں مگر میز پر تمھارا کارڈ پڑا پایا۔ الحمد للہ کہ تم نے پہلی

منزل طے کرلی ہے۔ تمھارے نمبر ۲۴۰ ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم تھرڈ ڈویژن [درجہ سوم] میں پاس ہوئے ہو۔ ایف اے [بارہویں جماعت] کے لیے اس سے زیادہ محنت و توجہ کی ضرورت ہوگی۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ تمھیں ہمیشہ اسی طرح کامیاب کرتا رہے۔ ایف اے کورس [نصاب] کی فہرست بنا کر مجھے ارسال کرنا۔ ممکن ہے، بعض کتابیں گھر میں موجود ہوں۔ ان کے خرید کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ میرے رائے میں یہ بہتر ہے کہ تم ابھی دو سال اور سیالکوٹ میں رہ لو اور وہاں کے سکاچ مشن کالج میں داخل ہو جاؤ اور نیز یہ بھی لکھو کہ کون کون سے مضمون امتحان ایف اے کے لیے لینا چاہتے ہو۔ یہ یاد رکھو کہ تم اب کالج میں داخل ہوا چاہتے ہو۔ تمھارا بچپن کا زمانہ گزر گیا ہے۔ کالج کے لڑکے جنٹلمین [ذی مرتبہ] سمجھے جاتے ہیں، نہ لڑکے۔ یہ مرحلہ ایف اے کا مشکل ہے۔ شروع سے ہی توجہ اور بلاناغہ کام کرنا چاہیے۔ تین گھنٹے ہر روز پڑھائی کافی ہے، بشرطیکہ باقاعدہ ہو۔ ایف اے میں کم از کم تم کو سیکنڈ ڈویژن [درجہ دوم] میں پاس ہونا چاہیے۔ بی اے [بیچلر آف آرٹس] کے واسطے تم کو گورنمنٹ کالج میں داخل کرا دیا جائے گا۔ اپنے ابا سے میرا اسلام کہنا اور ان کو میری طرف سے بہت بہت مبارک باد دینا۔ علیٰ ہذا القیاس والد مکرم اور والدہ کی خدمت میں بھی مبارک باد کہنا۔ والسلام

محمد اقبال

---

(۲)

لاہور، ۲۶؍جون ۱۹۱۶ء

برخوردار اعجاز طال عمرہٗ

آج صبح مستری نور دین سیالکوٹ سے آیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ سیالکوٹ سے وزیر آباد تک تو کوئی دقت سفر کی نہیں ہے، مگر وزیر آباد سے لاہور تک آنے [میں] بہت دقت ہے۔ وہاں سے پرمٹ [اجازت نامہ] لینا چاہیے اور پرمٹ لینے پر بھی یقین نہیں

کہ گاڑی میں جگہ مل جائے۔ اس معاملے کی تحقیق کرکے مجھے خط لکھو، کیونکہ ۲۴رجولائی کو مجھے پٹیالہ جانے کے لیے سیالکوٹ سے واپس آنا ہوگا۔ اگر واپس آنے میں دقت ہو تو پھر میں سب کام کرکے آؤں تاکہ دو ماہ تک پھر واپس آنا نہ پڑے۔ والد مکرم کی خدمت میں آداب۔ بچوں کو پیار۔

محمد اقبال

---

(۳)

عزیز اعجاز کو، بعد دعا کے، واضح ہو تمھارا تار مل گیا ہے، جس سے اطمینان ہوا۔ بھائی صاحب کا تار بھی رات کو آیا تھا، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ جلد سیالکوٹ جاؤ کہ والد مکرم علیل ہیں۔ اگر تمھارا تار مجھے نہ مل چکا ہوتا تو میں کل ہی روانہ ہوتا، لیکن فرصت ۴راگست کو ہوگی۔ بہرحال والد مکرم کی خدمت میں عرض کرنا۔ میں ۵راگست کی شام کو یہاں سے روانہ ہوکر ان کی خدمت میں پہنچوں گا۔ تم اسٹیشن [پڑاؤگاہ] پر آجانا۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ والسلام

محمد اقبال

۲راگست ۱۹۱۸ء

لاہور، ۸رجولائی ۱۹۱۹ء

برخوردار اعجاز کو، بعد دعاے عمر درازی کے، واضح ہو تمھارا خط مل گیا تھا۔ طاہر دین پھر پشاور گیا ہے۔ کل اُمید ہے، واپس آجائے گا۔ تمھارے ابا کا خط بھی آج آیا تھا۔ وہاں ہر طرح خیریت ہے۔ طاہر دین بھی زبانی پیغامِ خیریت کا لے آئے گا۔ اس سے پیشتر بھی طاہر دین گیا تھا۔ اس کے متعلق پہلے لکھ چکا ہوں۔

میں ان شاء اللہ ۲۹رجولائی کو یہاں سے سیالکوٹ آنے کا قصد رکھتا ہوں۔ اگر ریل کے سفر کی حالت بدستور رہی، تو موٹر کے لیے تم کو تار دوں گا یا خط لکھ دوں گا، لیکن

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آیا موٹر میں اتنے آدمیوں کے لیے جگہ ہوگی۔ پھر کچھ تھوڑ بہت اسباب بھی ہوگا۔ معلوم نہیں بھائی کرم الٰہی کے موٹر میں کتنے آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ تین آدمی تو ہم ہوں گے۔ دو نوکر یعنی کھانا پکانے والی عورت اور اس کی لڑکی۔ ان سب کے علاوہ تم اور موٹر ہانکنے والا، کل سات آدمی ہوئے۔ دو تین ٹرنک [صندوق] اسباب بھی ہوگا۔ غرض کہ تم یہ سب اُمور پہلے دیکھ کر مجھے مطلع کرو کہ آیا اس موٹر میں اس قدر وسعت ہے، اگر ہو تو جب میں لکھوں تم موٹر لے کر آجانا۔ یہاں سے سیالکوٹ تک گجرانوالہ کے راستے صرف تین چار گھنٹے کا سفر ہے۔ صبح پانچ بجے چل کر ۸ یا ۹ بجے سیالکوٹ پہنچ سکتے ہیں۔ پٹرول وہیں سے خرید لینا، قیمت ادا کر دی جائے گی، کیونکہ ممکن ہے یہاں سے نہ ملے یا گراں ملے۔

میں نے آج نواب صاحب کو بھی شملہ خط لکھا ہے کہ ان کا موٹر مرمت ہو کر سفر کے قابل ہوا یا نہ ہوا۔ اُمید نہیں کہ ہوا ہو کہ یہاں پر ان کے آدمیوں سے آج کل کوئی نہیں ہے۔ مذکورہ بالا اُمور کے متعلق مجھے جلد آگاہی دو۔ ان شاء اللہ سردیوں میں شاید میں اپنا موٹر خرید لوں گا۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والد مکرم کی خدمت میں میری طرف سے آداب کہیں۔ تم اپنے نتیجۂ امتحان[1] کی طرف سے مطمئن رہو۔ ان شاء اللہ ضرور کامیاب رہو گے۔ اب یہ سوچنا چاہیے کہ ایم اے [ماسٹرز آف آرٹس] میں کون سا مضمون لو گے۔ باقی خیریت ہے۔ وسیمہ کو پیار

محمد اقبال لاہور

شیخ نور محمد کے نام

ذیل کے دو خط، علامہ کے والد مکرم شیخ نور محمد (وفات ۱۷ اگست ۱۹۳۰ء) کے نام ہیں۔ ان کے عکس بھی یادگارِ اقبال (مرتبہ: یعقوب توفیق) میں شائع ہوئے تھے۔

---

[1] بی اے۔

(۱)

قبلہ و کعبہ ام، السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ یہاں پر بھی خدا کے فضل سے ہر طرح خیریت ہے۔ بھائی صاحب کا خط بھی آیا تھا۔ وہ بھی خیریت سے ہیں۔ اعجاز کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا ہے، وہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے اور میرے باقی دوستوں نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا ہے۔ اگر اس نے محنت کرکے یہ امتحان پاس کرلیا تو مجھے یقین ہے آیندہ زندگی میں بہت فائدہ اُٹھائے گا۔ اگر پریکٹس [وکالت] نہ بھی کرے تو بھی ملازمت کے حصول میں آسانی ہوگی۔ بھائی صاحب کا خط ابھی اس بارے میں نہیں آیا اور نہ یہ معلوم ہوا کہ اعجاز کی رائے کیا ہے۔[1]
بارش یہاں پر بھی ہوئی ہے۔ ہوا کا زور کم ہوگیا ہے اور وہ...[2] نہیں رہی مگر بارش کچھ زیادہ نہیں ہوئی۔ مطلع ابر آلود ہے۔ اُمید ہے کہ اور بھی برسے گا۔ پشاور میں بھی ابھی کچھ بہت بارش نہیں ہوئی۔ بھائی صاحب کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ تھوڑی سی بارش ہوگئی ہے۔ باقی خیریت ہے۔

والسلام

محمد اقبال لاہور

۲۰ر جولائی ۱۹۱۹ء

---

(۲)

قبلہ و کعبہ ام، السلام علیکم

---

[1] علامہ اقبال نے اپنے والد صاحب کے نام ۱۶ر جولائی ۱۹۱۹ء کے خط (خطوط اقبال، ص۱۳۹) میں لکھا تھا کہ اعجاز احمد کے لیے ایل ایل بی کرنا زیادہ مفید ہوگا کیوں کہ وکیل کا کام اگر بہت نہ بھی ملے تو دو اڑھائی سو روپیہ ماہوار کما لیتا ہے... یہاں اسی طرف اشارہ ہے۔

[2] لفظ پڑھا نہیں جاسکا۔

آپ کا خط مل گیا ہے۔ اعجاز کا خط بھی آیا تھا، لیکن آپ کی علالت طبع سے تردد ہے۔ اعجاز کا خط بھی آیا تھا۔ میں نے اُسے لکھا ہے کہ آپ کی خیریت سے آگاہ کرے۔ گاڑی کا انتظام ہو جائے گا۔ آج باقاعدہ درخواست کروں گا۔ اُمید ہے کہ تین دن میں گاڑی ملے گی۔ پھر میں ان شاء اللہ حاضر خدمت ہوں گا اور سب کو ہمراہ لاؤں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اپنی خیریت سے آگاہ فرمائیے۔

بچوں کو دعا

والسلام

محمد اقبال، ۲۲راگست ۱۹۱۹ء

لاہور

مولانا ظفر علی خاں کے نام

مولانا ظفر علی خاں، مدیر زمیندار نے ۱۹۳۶ء میں تیسری بار زمیندار جاری کیا، اس کے ابتدائی تین شمارے علامہ اقبال کی خدمت میں ارسال کیے، جواباً علامہ نے اُنھیں مندرجہ ذیل مراسلہ لکھا۔ یہ مراسلہ زمیندار سے دریافت کرکے اپنے مضمون "علامہ اقبال اور ظفر علی خاں" (مرغزار، ظفر علی خاں نمبر، ۱۹۸۲ء) میں شامل کیا:

[۲۶رجون ۱۹۳۶ء]

ڈیر مولانا ظفر علی خاں، السلام علیکم

زمیندار کے تین نمبر جو آپ نے بہ کمال عنایت ارسال فرمائے تھے، مجھے مل گئے ہیں۔ اس عنایت کے لیے بہت شکر گزار ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ زمیندار کے اجرائے مکرر سے ملک کے ادب، صحافت اور سیاسیات میں مزید اضافہ ہوگا۔ جو تجویز آپ نے اس کے [کذا] بنیاد کو زیادہ مضبوط کرنے کے لیے اختیار کی ہے، میں اس میں کامیابی کے لیے دست بدعا ہوں۔

اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

۹

علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ رقعات بنام پرویں رقم

رفیع الدین ہاشمی

علامہ اقبال اپنے شعری مجموعوں کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں خاصے اہتمام سے کام لیتے تھے۔ اسرارِ خودی (۱۲/ ستمبر ۱۹۰۵ء) اور رموزِ بے خودی (۱۰/اپریل ۱۹۱۸ء) حکیم فقیر محمد چشتی نظامی کی نگرانی اور اہتمام سے شایع ہوئیں۔ بانگِ درا (ستمبر ۱۹۲۴ء)، بالِ جبریل (جنوری ۱۹۳۵ء)، اور ضربِ کلیم (جولائی ۱۹۳۶ء) کے پہلے اڈیشنوں [اشاعتوں] کے ناشر بھی علی الترتیب ممتاز علی اینڈ سنز، لاہور، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور اور کتب خانہ طلوعِ اسلام لاہور تھے، مگر بعض تجربات کے پیش نظر انھوں نے، بعد ازاں اپنی جملہ تصانیف کی طباعت و اشاعت کا کام لاہور کے معروف ناشر شیخ مبارک علی کے سپرد کر دیا تھا۔ شعری مجموعوں کی کتابت بالالتزام وہ خود کراتے، پھر کاپیوں کی تصحیح کے بعد انھیں ناشر کے سپرد کر دیتے۔ اسرارِ خودی کے پہلے اڈیشن کی کتابت منشی فضل الٰہی مرغوب رقم نے کی، اس کے بعد اقبال نے شعری مجموعوں کی کتابت کے لیے عبدالمجید کاتب (بعد ازاں پرویں رقم) کا انتخاب کیا۔ اس وقت کاتب موصوف کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی۔

منشی عبدالمجید کا تعلق ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ کے ایک خطاط گھرانے سے تھا۔ ان کے والد مولوی عبدالعزیز اور دادا مولوی پیر بخش ایمن آبادی بھی معروف خوش نویس تھے۔ عبدالمجید ۱۹۰۱ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر فارسی کی بعض کتابیں پڑھیں۔ خوش نویسی کی طرف فطری میلان دیکھ کر مولوی عبدالعزیز نے انھیں لاہور کے ایک نامور خطاطِ نستعلیق حافظ نور احمد کے سپرد کر دیا۔

عبدالمجید خوش نویس نے اپنے فطری میلانِ طبع اور اپنی محنت و شوق کے سبب بہت جلد خطاطی سیکھ لی اور باقاعدہ کتابت کرنے لگے۔ انھوں نے میرزا امام ویردی (وفات ۱۸۸۸ء) کے کتبوں اور قطعات کے تتبع میں خط نستعلیق میں مہارت بہم پہنچائی۔ اپنے خاندانی اسلوبِ خط اور امام ویردی کے طرزِ نگارش کی آمیزش سے عبدالمجید نے ایک خاص اسلوب پیدا کیا، جسے اُس دور کے خوش نویسوں کے ہاں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ بعض روایات کے مطابق نو آموز، ان کے لکھے ہوئے اشتہار دیواروں سے اُتار لے جاتے اور انھیں سامنے رکھ کر خطاطی کی مشق کرتے۔ بقول سید انور حسین نفیس رقم: "یہ حقیقت ہے کہ اس دور کا ہر چھوٹا بڑا خطاط، پرویں رقم کے اسلوبِ نستعلیق سے کسی نہ کسی درجے میں متاثر ہے"... اپنے دور کے اس بے مثل خطاط نے ۴راپریل ۱۹۴۶ء کو لاہور میں انتقال کیا۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ رموزِ بے خودی (طبع اول، ۱۰راپریل ۱۹۱۸ء) علامہ اقبال کی وہ پہلی کتاب ہے، جسے پرویں رقم نے کتابت کیا (اس وقت تک وہ "پرویں رقم" نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے کتاب پر نام "عبدالمجید" لکھا ہے۔ انھوں نے اپنے نام کے ساتھ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ "پرویں رقم" لکھنا شروع کیا۔ بانگِ درا کے تیسرے اڈیشن (مارچ ۱۹۳۰ء) پر پہلی بار عبدالمجید کے ساتھ "پرویں رقم" نظر آتا ہے)۔ بعد ازاں پیامِ مشرق [مئی ۱۹۲۳ء] بانگِ درا. بالِ جبریل. مسافر (۱۹۳۴ء) اور ارمغانِ حجاز (نومبر ۱۹۳۸ء) کے پہلے اڈیشنوں کی کتابت بھی پرویں رقم نے کی، البتہ ضربِ کلیم. زبورِ عجم (۱۹۲۷ء) اور جاوید نامہ (فروری ۱۹۳۲ء) کے اولین اڈیشن بعض دوسرے خوش نویسوں کے قلم سے ہیں۔ غالباً پرویں رقم کی علالت، یا ان ایام میں لاہور میں ان کی غیر موجودگی کے سبب ایسا ہوا، ورنہ علامہ اقبال کے نزدیک وہ لاہور کے سب سے بہتر کاتب تھے۔[1] یہی وجہ ہے کہ متذکرہ بالا تینوں مجموعوں کی دوسری اشاعتوں کی کتابت پرویں رقم ہی سے کرائی گئی۔ ان میں سے جاوید نامہ کی کتابت وہ مکمل نہ کرسکے۔ طبع دوم (فروری ۱۹۴۷ء) کے دو سو صفحات ان کے قلم سے ہیں۔ باقی صفحات غالباً ابن پرویں رقم نے لکھے۔

---

[1] ایک خط میں لکھتے ہیں: "عبدالمجید کاتب... میرے نزدیک لاہور میں سب سے بہتر ہے۔" (خطوطِ اقبال بنام بیگم گرامی، ص۱۶)۔ تاہم اقبال سے منسوب یہ قول بے بنیاد ہے کہ: "پرویں رقم میرے اشعار کی کتابت نہیں کریں گے، تو میں شاعری ترک کردوں گا۔" (جنگ، لاہور، یکم راکتوبر ۱۹۸۱ء)

علامہ اقبال اپنے مجموعوں کی کتابت اپنی نگرانی میں خصوصی ہدایات کے تحت کراتے تھے۔ ابتدا میں یہ ہدایات ناشر کے توسط سے دی جاتی تھیں۔[1] بعد ازاں براہِ راست خوش نویس کو ہدایات دیتے۔ ذیل کے تین رقعات، اقبال نے اسی سلسلے میں پروین رقم کے نام تحریر کیے۔

یہ رقعات بالِ جبریل کے پہلے اڈیشن کی کتابت کے موقع پر لکھے گئے۔ ان پر سنہ درج نہیں۔ تاریخ (۱۷ر ستمبر) صرف دوسرے رقعے پر ہے۔ بالِ جبریل کی کتابت ۹ر ستمبر ۱۹۳۴ء کو شروع ہوئی تھی[2] اس اعتبار سے یہ تینوں رقعات ۱۹۳۴ء کے ہیں۔ پہلا رقعہ ۱۵، ۱۴ر ستمبر کا ہے۔ دوسرا ۱۷ر ستمبر کا اور تیسرا رقعہ اواخر ستمبر کا معلوم ہوتا ہے۔ تینوں رقعات علامہ اقبال میوزیم، جاوید منزل لاہور میں محفوظ ہیں۔

(۱)

علامہ اقبال نے بالِ جبریل کے مسودے کے ساتھ کاتب کو بعض رباعیات بھی دی تھیں، تاکہ جن غزلوں کے آخر میں جگہ بچ جائے وہاں رباعیات لکھ دی جائیں۔ جب پہلی دو کاپیاں (۱۶ر صفحات) کتابت ہو کر ان کے پاس آئی، تو غزل نمبر ۷ (دگرگوں ہے جہاں...) کے اختتام پر جگہ بچ گئی تھی، چنانچہ انھوں نے ایک رباعی اس ہدایت کے ساتھ ارسال کی کہ اسے صفحہ ۱۶ پر لکھ دیا جائے۔ یہ رقعہ اسی سلسلے میں ہے:

[ستمبر ۱۹۳۴ء]

جناب پروین رقم صاحب،

صفحہ ۱۶ پر جو جگہ رباعی کے لیے خالی ہے، وہاں مندرجہ ذیل رباعی لکھیے:

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلامِ طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

[کلیاتِ اُردو، ص ۴۱۱]

محمد اقبال

---

[1] ملاحظہ کیجیے، "اقبال کے تین رقعات بنام شیخ مبارک علی" مشمولہ [بشیر احمد ڈار، مرتبہ] انوارِ اقبال [کراچی، اقبال اکادمی، ۱۹۶۷ء]، ص ۱۷۳-۱۷۱۔
یہ رقعات پیامِ مشرق طبع دوم کی کتابت کے سلسلے میں لکھے گئے۔ بشیر احمد ڈار کا یہ قیاس درست نہیں کہ یہ طبع اول کی کتابت سے متعلق ہیں، کیونکہ "خردہ" طبع اول میں موجود نہیں، دوسری اشاعت میں شامل کیا گیا۔

[2] [رفیع الدین ہاشمی]، تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ [لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۲ء]، ص ۲۹۔

(۴)

بالِ جبریل کی کتابت شدہ تیسری کاپی (صفحات ۳۴۔۱۷) واپس کرتے ہوئے، اس رقعے کے ذریعے علامہ نے تین رباعیات ارسال کیں۔ غالباً اس وقت مزید کوئی رباعی موجود نہیں تھی، اور فوری طور پر موزوں بھی نہ ہو سکی۔ چوتھی رباعی (عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر) بعد میں بھیجی گئی ہو گی۔

۱۷ر ستمبر [۱۹۳۴ء]

جنابِ کاتب،

اُمید ہے کہ جو رباعی میں جو آپ کو ارسال کی تھی، وہ آپ نے صفحہ ۱۶ پر لکھ دی ہو گی۔ اس کاپی [نسخہ] میں (جو واپس کر رہا ہوں) چار جگہیں خالی ہیں، ان کو بھی پُر کرنا ہے، اس واسطے مندرجہ ذیل تین رباعیاں بھیجتا ہوں۔ ان کو بھی اس کاپی میں لکھ دیں۔ اس خط کا جواب لکھیں، جو جگہیں اور خالی رہ جائیں، اُن کے لیے اور رباعیاں بھیجوں گا، کیونکہ خالی جگہ بُری معلوم ہوتی ہے۔

(۱)

وہی اصلِ مکاں و لامکاں ہے
مکاں کیا شے ہے؟ اندازِ بیاں ہے
خضر کیوں کر بتائے، کیا بتائے
اگر ماہی کہے، دریا کہاں ہے

[کلیاتِ اُردو، ص۴۱۱]

(۲)

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہِ شہاں نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عریان و بے تیغ و سناں عشق

[کلیاتِ اُردو، ص۴۱۲]

(۳)

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

[کلیاتِ اُردو، ص ۴۱۲]

محمد اقبال

(۴)

ذیل کا رقعہ چند یوم بعد کا ہے، اندازاً ۲۰، ۲۱ر ستمبر کا... اس میں اُس چوتھی رباعی (عطا اسلاف کر جذبِ دروں کر) کے علاوہ، جس کا وعدہ ۱۷ر ستمبر کے رقعے میں کیا گیا تھا، مزید چار رباعیاں بھیجی گئیں، جو بالترتیب صفحہ ۲۶، ۲۸، ۳۲ اور ۱۲۵ پر درج کی گئیں۔

جنابِ کاتب

میں اس سے پہلے شاید چار رباعیاں[1] بھیج چکا ہوں۔ پانچ آج بھیجتا ہوں، کل نو رباعیاں ہوئیں، مگر ان میں سے آپ نے ابھی تک ایک بھی درج نہیں کی۔ مہربانی کرکے جب پہلا حصہ ختم ہو جائے، تو سب کا سب میرے پاس ارسال کریں، تاکہ میں دیکھ لوں کہ رباعیاں کہاں کہاں درج ہوئی ہیں۔ آپ کے لکھنے کی رفتار بہت سست ہے۔ ۲۶ یا ۲۷ سطر یومیہ اوسط ہے۔ اگر یہ حال رہا تو کتاب مشکل سے ختم ہوگی۔ میرے خیال میں آپ کو کم از کم ایک کاپی روز لکھنی چاہیے، یہ کوئی مشکل کام نہیں۔[2]

محمد اقبال

---

[1] جو پہلے دو رقعات میں مذکور ہیں۔

[2] ۲۷،۲۶ سطر تقریباً پانچ صفحات بنتے ہیں۔ علامہ اقبال، پردیں رقم کی اس رفتارِ کار سے مطمئن نہ تھے، اور چاہتے تھے کہ کم از کم آٹھ صفحات (ایک کاپی) روزانہ لکھے جائیں۔

(۱)

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

[کلیاتِ اُردو، ص ۴۱۲]

(۲)

یہ نکتہ میں نے سیکھا بو الحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

[کلیاتِ اُردو، ص ۴۱۲]

(۳)

خرد واقف نہیں نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
خرد بیزار دل سے، دل خرد سے

[کلیاتِ اُردو، ص ۴۱۳]

(۴)

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں، نے خدا بیں، نے جہاں بیں
یہی شہ کار ہے تیرے ہنر کا

[کلیاتِ اُردو، ص ۴۱۳]

(۵)[1]

دہِ عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

[کلیاتِ اُردو، ص ۴۱۳]

محمد اقبال

مندرجہ بالا رقعات کے حوالے سے یہاں دو باتوں کی طرف مختصراً اشارہ کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ اوّل: علامہ اقبال نے اپنے جن اشعار کو "رباعیات" قرار دیا ہے، وہ رباعی کے مخصوص اوزان میں نہیں، اس لیے بعض اہل نقد کے نزدیک انھیں "رباعیات" کے بجائے قطعات کہنا چاہیے۔ (دیکھیے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا مضمون: "کچھ تحقیقات کے بارے میں" در تحقیق و تنقید، ص ۱۶۸-۱۵۴)

دوم: کلیاتِ اقبال اردو (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء) کی کتابت کے موقع پر مذکورہ رباعیات یا قطعات کو غزلوں سے علیحدہ کرکے ایک الگ حصے میں "رباعیات" کے زیر عنوان جمع کر دیا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا کہ غزلیات و رباعیات کی وہی ترتیب برقرار رکھی جاتی، جو پروین رقم کے کتابت کردہ نسخوں میں ہے، کیونکہ غزلیات و رباعیات (یا قطعات) کی یہ ترتیب علامہ اقبال کے حسن ہدایت تھی، اور ان کی وفات کے بعد اسے نظر انداز کرکے متن اقبال کی ترتیب میں کسی طرح کی تبدیلی جائز نہیں۔

---

[1] اس آخری رباعی کے لیے کسی غزل کے آخر میں جگہ نہ نکل سکی، اس لیے یہ آگے چل کر نظم "دعا" کے اختتام پر بچ جانے والی جگہ (ص ۱۳۵) پر درج کی گئی۔

اقبال کا ایک نادر مکتوب*

[ڈاکٹر] رحیم بخش شاہین

جناب پروفیسر ڈاکٹر وحید احمد، استاذ شعبۂ تاریخ، قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کی وساطت سے کچھ عرصہ پیشتر علامہ اقبال کا ایک نادر و نایاب خط میرے ہاتھ آیا جو تقریباً ۷۳ سال پہلے کا ہے اور اقبال کے خطوط کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہے۔ یہ خط انھوں نے مس نینسی آرنلڈ کو لکھا تھا جو ڈاکٹر ٹامس آرنلڈ کی صاحبزادی تھیں۔ خط کے لب و لہجہ کی بے تکلیف اور شگفتگی کی تحسین کے لیے ضروری ہے کہ پروفیسر آرنلڈ سے اقبال کے تعلقات کا مختصر جائزہ لیا جائے۔

پروفیسر آرنلڈ ان شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کے تذکرے کے بغیر علامہ اقبال کا ذکر مکمل نہیں ہوتا۔ آرنلڈ کئی سال تک علی گڑھ میں پڑھاتے رہے اور پھر تقریباً چھ سات تک گورنمنٹ کالج اور اس دوران میں کچھ عرصہ کے لیے اورینٹل کالج لاہور سے بھی وابستہ رہے۔ اقبال کے فلسفیانہ ذوق کی تہذیب و ترقی میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ وہ اقبال کی ذہانت کے معترف تھے اور اقبال بھی ان سے بہت متاثر تھے۔ پروفیسر آرنلڈ جب ملازمت سے سبکدوش ہو کر (۲۶ر فروری ۱۹۰۴ء) عازم انگلستان ہوئے تو اقبال نے ان کی جدائی کو شدت کے محسوس کیا۔ ان کی نظم "نالۂ فراق" (آرنلڈ کی یاد میں) ان کی دلی جذبات کی آئینہ ہے۔[1] ۱۹۰۵ء میں خود اقبال بھی اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ روانہ ہوئے اور اپنے سہ سالہ قیامِ یورپ کے دوران وہ

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۲ جلد نمبر ۲۵، جولائی ۱۹۸۴ء۔

[1] [علامہ محمد اقبال]، کلیاتِ اقبال، اُردو، بانگِ درا، [لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۱ء]، ص ۷۶۔

پروفیسر آرنلڈ سے بڑی باقاعدگی سے ملتے اور ان کی رہنمائی سے استفادہ کرتے رہے۔ ان ملاقات کا کچھ ذکر عطیہ بیگم نے اپنی کتاب اقبال میں بھی کیا ہے۔ اقبال کی نظر میں آرنلڈ کا کیا مقام تھا؟ اس کا کچھ اندازہ، اقبال کی تصنیف علم الاقتصاد (۱۹۰۴ء) کے دیباچے[1] اور ان کے پی ایچ ڈی کے مقابلہ ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقاء (انگریزی) کے انتساب سے ہو سکتا ہے۔[2] ۹/جون ۱۹۳۰ء کو پروفیسر آرنلڈ فوت ہوئے اور ۱۴/جولائی ۱۹۳۰ء کو اقبال نے ان کی بیوہ سے تعزیت کرتے ہوئے لکھا تھا "ان کی وفات میرے لیے ذاتی نقصان کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ انھی کا فیض تھا جس نے میری روح کی تشکیل کی اور اسے علم کے راستے پر گامزن کیا۔"[3]

پروفیسر آرنلڈ کے بارے میں ضروری معلوم ایک حد تک دستیاب ہیں۔ لیکن ان کے گھرانے یعنی ان کی بیوی اور بیٹی کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تاہم اتنا پتہ چلا ہے کہ ان کی شادی علی گڑھ کے قیام کے دوران ہوئی تھی اور غالباً اسی زمانے میں نینسی پیدا ہوئی تھی۔ مس نینسی کے متعلق اتنا اور معلوم ہوا ہے کہ وہ اب زندہ نہیں ہیں۔ وہ کئی سال پیشتر وفات پاچکی ہیں۔ ان کی شادی مسٹر بارفیلڈ نامی ایک صاحب سے ہوئی تھی۔ ان کے صاحبزادے بقید حیات ہیں جو انگلستان کے ایک تعلیمی ادارے میں کام کر رہے ہیں۔

اقبال جب حصولِ تعلیم کی غرض سے یورپ میں تھے تو مس نینسی کی عمر تقریباً ۹ سال تھی۔ عطیہ بیگم ۲/اگست ۱۹۰۷ء کی یادداشت میں ان کے بارے میں لکھتی ہیں:

> میں اور اقبال پہلے سے انتظام کر کے پروفیسر آرنلڈ کے یہاں ومبلڈن گئے۔ میاں بیوی دونوں فرشتہ ہیں اور ایک مقدس جنت میں رہتے ہیں ان کی ۹/سالہ لڑکی بھی ماں باپ کی طرح ذہین ہے اور ایک چمکتی ہوئی تیتری کی طرح اِدھر اُدھر

---

[1] [محمد] اقبال، علم الاقتصاد، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۳۳۔

[2] [محمد] اقبال، دی ڈویلپمنٹ آف میٹافزکس ان پرشیا، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۶۴ء، ص ۵۔

[3] بشیر احمد ڈار (مرتبہ)، لیٹرز آف اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۸ء، ص ۲۱۳۔

پھدکتی پھرتی ہے۔ ہم سب بہت جلد دوست بن گئے۔ یہ لڑکی بہت زندہ دل اور خوش طبع تھی اور ساتھ ہی بہت ذہین بھی تھی۔[1]

اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نینسی کو پھولوں سے بہت لگاؤ تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ پورے گھرانے کو پھولوں سے خاص شغف تھا۔ یوں بھی ان کی رہائش گاہ جس علاقے (ومبلڈن) میں تھی وہ ایک سرسبز و شاداب علاقہ ہے اور لیڈی آرنلڈ نے گھر میں اچھا خاصا باغ لگا رکھا تھا۔ لیڈی آرنلڈ کے ذوقِ باغبانی اور پھولوں سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے مشغلے کے طور پر ایک ایسی ڈائری [بیاض] بنا رکھی تھی جس میں مختلف اقسام کے پھولوں کے نمونے جمع کرتی رہتی تھیں۔ اس قسم کی ڈائری کا ذکر ڈاکٹر وحید احمد نے مجھ سے کیا ہے۔ شاید والدین کے ذوق ہی کا اثر تھا کہ مس نینسی کو بھی پھولوں سے بہت دلچسپی تھی اور شاید اسی بنا پر انھوں نے سکول میں نباتیات (باٹونی) کا مضمون لے رکھا تھا۔ جس کی طرف اقبال نے اپنے خط میں اشارہ بھی کیا ہے۔ خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مس نینسی اقبال سے بہت بے تکلف تھیں اور اقبال بھی ان سے شفقت آمیز سلوک روا رکھتے تھے۔

اس خط میں اقبال نے مرقس نامی کسی شخص کا ذکر کیا ہے اس کے بارے میں تاحال کچھ معلوم نہیں ہو سکا اور نہ مس نینسی کی چچی کے بارے میں۔ بہر حال یہ خط اقبال کی انگریزی نثر کا ایک شگفتہ اور شاداب نمونہ ہے۔

Lahore
11th Jan, 1911
My Dear Nancy,
Last Monday early in the morning when I was meditating over the vanities of life, my servant brought me your Xmas card. You can imagine how glad I was to receive it,

---

[1] عطیہ بیگم، اقبال (اردو ترجمہ)، مترجم ضیاء الدین احمد برنی، کراچی، اقبال اکادمی، مارچ ۱۹۶۹ء، ص ۱۰۵۔

especially because it put me in mind of the happy days that I had spent with my Guru in England. I am indeed thankful to you for this nice present.

I suppose you are getting on well with your lessons in Botany. When I come next time to England to kiss the feet of my Guru, I hope you will educate me in the names of all the flowers that grow in the beautiful valleys of England. I still remember the Sweet Williams, the Blue Bells, the Leap Tulips; so that you see that your pupil has not got a bad memory.

You know that my Guru is at present very busy-looking after the welfare of younger humanity---so do act a good prophet between his Divinity and the poor mortal Iqbal who is anxious to know all about him. I am sure he will not restrict his revelations to you which you will communicate to me in due course.

I am afraid I must close this letter now. The little black daughter of my sice in crying downstairs, and has been disturbing me quiet since morning. She is a perfect nuisance, but

I have to tolerate her, because her father is a very dutiful servant.

Please do remember me to father, mother, auntie and Marcas if you ever write to him.

Your affectionately
M[uhamma]d. Iqbal

Miss Nancy Arnold,
24 Launceton Place,
Kensington Gate,
(England) London W.

[ترجمہ:]

لاہور

۱۱ر جنوری ۱۹۱۱ء

مزیز من نینسی

گزشتہ پیر کو صبح سویرے جب کہ میں زندگی کی جھوٹی رنگینیوں پر غور کر رہا تھا۔ میرا ملازم تمہارا کرسمس کارڈ لایا۔ تم تصور کر سکتی ہو کہ میں اسے وصول کرکے کتنا مسرور تھا خصوصاً اس بنا پر کہ اس نے مجھے وہ خوشگوار دن یاد دلا دیے جو میں نے اپنے گرو کے ساتھ انگلستان میں گزارے تھے۔ میں اس عمدہ تحفے کے لیے یقیناً تمہارا شکر گزار ہوں۔ میرا خیال ہے کہ تم نباتیات پر اپنے اسباق سے اچھی طرح نباہ کر رہی ہو۔ جب میں اگلی مرتبہ اپنے گرو کی قدم بوسی کے لیے انگلستان آؤں گا تو مجھے امید ہے کہ تم مجھے ان تمام پھولوں کے نام سکھاؤ گی جو انگلستان کی حسین

پروفیسر تھامس آرنلڈ مراد ہیں۔

وادیوں میں اُگتے ہیں۔ مجھے ابھی تک سویٹ ولیمز،[1] 'بلو بیلز'[2] اور لیپ ٹیولپز[3] کے نام یاد ہیں (یہ نام اس لیے لکھے ہیں)[4] تاکہ تمھیں معلوم ہو کہ تمھارے طالب علم کی یادداشت اتنی بُری نہیں ہے۔

تم جانتی ہو کہ میرے گرو فی الحال نوجوان انسانیت کی بہبود کی دیکھ بھال میں بہت مصروف ہیں۔ لہٰذا ان کی الوہیت اور بچارے فانی اقبال کے درمیان ایک ٹیک پیغمبر کا کام کرو جو ان کے بارے میں سب کچھ جاننے کا مشتاق ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے الہامات تم سے نہیں چھپائیں گے جو تم مجھے حسب معمول بتادو گی۔

مجھے افسوس ہے کہ مجھے اب یہ خط لکھنا بند کر دینا ہوگا کیونکہ نچلی منزل پر میرے سائیس کی ننھی کالی لڑکی رو رہی ہے اور وہ صبح سے میرا سکون غارت کر رہی ہے۔ وہ مکمل طور پر ایک تکلیف دہ وجود ہے لیکن مجھے اسے برداشت کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس کا باپ ایک بہت فرض شناس ملازم ہے۔

براہِ کرم اپنے، والد، والدہ، چچی اور مرقس سے میرا ذکر ضرور کرنا اگر تم اسے کبھی خط لکھو۔

تمہارا محب
محمد اقبال

مس نینسی
۲۴رلانسٹن پلیس
کینسنگٹن گیٹ
لندن ویسٹ (انگلستان)

---

[1] سویٹ ولیمز: سویٹ ولیم ایک سخت جان سدا بہار پھولدار پودا ہے جو آسانی سے نشو ونما پاتا ہے اور کئی برس تک قائم رہتا ہے۔ اس میں موسم بہار میں پھول کھلتے ہیں جو سفید، گہرے گلابی، قرمزی اور سرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔

[2] بلیو بیلز: بلیو بیل سوسن کی قسم کا ایک خوشبودار پھول جس کی شکل گھنٹی کی سی ہوتی ہے۔ اسے جرس پھول بھی کہا جاتا ہے۔

[3] لیپ ٹیولپز: ٹیولپ گل لالہ کی قسم ہے۔ گھنٹی کی شکل کا سرخ رنگ کا پھول جو موسم بہار میں کھلتا ہے۔

[4] یہ الفاظ جملوں کو مربوط کرنے کے لیے بڑھائے گئے ہیں۔

حیاتِ اقبال کے چند نئے گوشے*

سید شکیل احمد

(آندھرا پردیش آرکائیوز [ادارہ تحفظ دستاویزات] حیدرآباد دکن (بھارت) کی دستاویزات کی روشنی میں)

صفحات ذیل میں اقبال اکادمی حیدرآباد دکن کے سہ ماہی مجلہ اقبال ریویو کا وہ خصوصی شمارہ (اپریل، جون ۸۴ء) مکمل پیش کیا جا رہا ہے جو اندھرا پردیش کے خزینہ مسل میں موجود اقبالیاتی مواد کے اختصاصی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ اس شمارے میں اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط، ان کا رد عمل، پس منظر و پیش منظر اور سرکار حیدرآباد سے روابط کی تفصیل سبھی پہلی بار منظر عام پر آئی ہیں اور ان سے حیاتِ اقبال کے کچھ نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔

ادارہ یہ قیمتی مواد اقبال اکادمی دکن کے شکریہ کے ساتھ شایع کرتا ہے ـــــ اشاعت اول میں جو اغلاط رہ گئی ہیں وہ طباعت میں دور کر دی گئی ہیں۔ (ادارہ)

[اقبال اکادمی پاکستان، لاہور]

---

* سہ ماہی اقبالیات، لاہور شمارہ نمبر ۲ جلد نمبر ۲۶، جولائی ۱۹۸۵ء۔

سخن ہائے گفتنی

غالباً ۱۹۷۷ء کی بات ہے ڈاکٹر ضیاء الدین احمد شکیب (حال مقیم انگلستان) کے ذریعے یہ اطلاع ملی کہ آندھرا پردیش کے ریاستی دفتر اسناد (سابق دفتر دیوانی مال ملکی) میں علامہ اقبال کے بارے میں کچھ مواد ہے میں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ اقبال ریویو [حیدرآباد دکن] کی ایک اشاعت کو اس کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے جناب سید شکیل احمد سے گزارش کی کہ وہ اس سلسلے میں مدد کریں۔ شکیل احمد صاحب اپنی علمی مصروفیات کے ساتھ اس کام میں بھی مصروف رہے۔ بیسیوں فائلوں (فائلز) [مسلوں] سے قطرہ قطرہ معلومات فراہم کرکے تحقیق کا پیمانہ چھلکا دیا۔ اقبالیات کی محفل میں اس نئے محقق کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہ ان کے استقبال کے لیے کوئی رسمی جملہ نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی ایک آواز ہے۔ سید شکیل احمد آندھرا پردیش اسٹیٹ [ریاست] آرکائیوز میں اسسٹنٹ آرکایوسٹ [معاون محفوظ کار] ہیں۔ خاموشی کے ساتھ علمی ریاضت ان کی عادت بن چکی ہے کم سخن بھی ہیں اور منکسر المزاج بھی اور ایک بڑی ملّی اور تہذیب روایت کے امین بھی ہیں۔ ان کی لگن اور جستجو کی دلیل تو وہ مواد ہے جو اس اشاعت کے ذریعہ سامنے آرہا ہے۔ اقبالیات میں ان کا مقام محفوظ ہے۔ اقبال کی زندگی کے کسی بھی گوشے پر تحقیقی کام کرنے والے مؤرخ کو ان اوراق کی بے حد ضرورت پڑے گی۔ اقبال اکیڈمی [حیدرآباد دکن] کی جانب سے اور شخصی حیثیت سے بھی جناب شکیل احمد کا احسان مند ہوں کہ اقبال کی زندگی کے بعض اہم گوشے ان کی تحقیق کے نتیجہ میں سامنے آرہے ہیں۔

پیش نظر مواد میں اقبال کے سات ایسے خطوط کا پتہ چلتا ہے جن کے بارے میں اقبال کے طالب علم ابھی تک ناواقف تھے۔ یہ سارے خطوط غیر مطبوعہ ہیں۔ پہلی مرتبہ ان کا مرتبہ ان کا متن سامنے آیا ہے۔ ان میں چار خط ایسے ہیں جن کی نقول قدیم حیدرآباد کی سرکاری امثلہ میں

دستیاب ہوئی ہے۔ تین خط ایسے ہیں جو علامہ اقبال کے قلم سے اصلی حالت میں محفوظ ہیں ان کے عکس اس شمارئے میں شامل ہیں۔ ان سات خطوط کی تفصیلی تاریخی اعتبار سے درج ہے۔

۱۔ ۹ر دسمبر ۱۹۲۸ء... اس کے مکتوب الیہ غالباً جامعہ عثمانیہ کے مسجل ہیں۔ حیدرآباد لیکچرز [خطبات] کے سلسلہ کا یہ پہلا خط ہے۔

۲۔ ۲۱ر دسمبر ۱۹۲۸ء... یہ خط بھی اربابِ جامعہ عثمانیہ کے نام ہے اس میں لیکچرز کے عنوانات اور دیگر تفصیلات کی قطعیت ملتی ہے۔

۳۔ ۲۶ر فروری ۱۹۲۹ء... یہ خط ادارۂ معارفِ اسلامیہ لاہور کے سلسلہ میں سے سرامین جنگ کے نام ہے۔

۴۔ ۳ر جنوری ۱۹۳۰ء حمید احمد مسجل جامعہ عثمانیہ کے نام ۱۹۳۰ء میں لیکچرز کی دعوت پر معذوری کے اظہار کے سلسلہ میں۔

۵۔ ۲ر مئی ۱۹۳۱ء... یہ تینوں خط علامہ کے صاحبزادے آفتاب اقبال کے سلسلہ میں ہیں اور سر اکبر حیدری کے نام ہیں۔

۶۔ ۱۴ر مئی ۱۹۳۱ء

۷۔ ۲ر فروری ۱۹۳۷ء

ان خطوط کے علاوہ اقبال کے بارے سارا مواد بالکل نیا سامنے آرہا ہے علامہ اقبال کے فکر و فن پر نقادوں، دانشوروں کے فیصلے تو ہمارے سامنے ان ہزاروں صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں جو کتابوں اور رسائل کی شکل میں چھپ چکے ہیں لیکن ہندوستان کی ایک اہم مسلم حکومت (حکومت آصفیہ) کی کونسل [مجلس] اور فرمانروا دونوں نے ان کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف وجوہات کی وجہ سے غور و خوض کیا اور فیصلے کیے۔ یہ بات پہلی بار دستاویزی ثبوت کے ساتھ سامنے آئی ہے۔

۱۹۳۲ء میں نواب حمید اللہ خاں والی بھوپال نے اعلیٰ حضرت حضور نظام آصف سابع کے نام اپنے ایک سفارشی خط میں علامہ اقبال کی مالی امداد کے لیے توجہ دلائی تھی۔ یہ خط اقبال کے بارے میں نواب صاحب بھوپال کی شخصی رائے کے ساتھ ساتھ اقبال کی شہرت اور ان کی

خدمات کے بارے میں بھی جو عمومی رائے تھی اس کو پیش کرتا ہے۔ اس خط کو نظام سابع اپنی کونسل میں بھیج کر رائے طلب کرتے ہیں۔

۱۹۳۲ء میں کونسل کی رائے "ملکی غیر ملکی" عصبیت کی وجہ سے اقبال کے حق میں نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت سطح پر اقبال کی قدردانی کے لیے حالات پوری طرح سازگار نہیں تھے۔ نواب مہدی یار جنگ کی یہ رائے اس موقع پر قطعی اور حتمی صورت اختیار کر لیتی ہے کہ اقبال کی مالی امداد کے تعلق سے معذوری کا اظہار کر دیا جائے... چنانچہ نظام اسی پر عمل کرتے ہیں۔

دوسری مرتبہ ریاستی کونسل میں اقبال کی شخصیت اس مسئلہ بنی جب کہ اقبال کی یادگار قائم کرنے کے لیے حیدرآباد میں زور و شور کے ساتھ سرگرمیاں جاری تھیں۔ یہ واقعہ ۱۹۴۲ء کا ہے۔ چنانچہ اب کونسل کی رائے بالکل ہی دوسری ہے۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۲ء تک حالات بالکل ہی بدل چکے تھے۔ کونسل کی اس قرارداد کو تاریخ میں ایک یادگار مقام حاصل رہے گا۔ اور اس پر دستخط کرنیوالوں میں نواب مہدی جنگ بھی شامل ہیں جن کی وجہ سے ۱۹۳۲ء میں اقبال کی مالی امداد کی کاروائی میں مناسب پیش رفت نہ ہو سکی تھی۔

> حضرت بندگانِ قدس نے بکمالِ شاہانہ ممبران کونسل اور سرکاری عہدہ داران کے فرقہ وارانہ کاموں میں شریک نہ ہونے کی نسبت جو خیال ظاہر فرمایا ہے وہ بالکل بجا درست ہے جس سے کونسل کو بالکل اتفاق ہے۔ البتہ اقبال مرحوم کی حد تک کونسل یہ عرض کرنے کی جرأت کرتی ہے کہ اگرچہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعہ مسلم قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا کلام فرقہ واریت یا تعصب سے مبرا ہے اور ایک فلسفیانہ شاعر کی حیثیت سے ان کی تالیفات تمام ہندوستان میں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ پس اقبال کی کوئی یادگار قائم کرنے کی تحریک ہو اور اس میں ملازمین سرکار بھی اپنی خانگی حیثیت سے شرکت کریں تو بظاہر کوئی قباحت نہیں پائی جاتی۔

ظاہر ہے اس تبدیلی کے اسباب موجود تھے۔ اس کو سمجھنے کے لیے اس دور کو سمجھنا پڑے گا۔ اس وقت تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا مقصود نہیں ہے۔ صرف یہ اشارہ کافی ہے۔

۱۹۴۲ء تک اقبال شناسوں کا ایک فعال حلقہ حیدر آباد میں پیدا ہو چکا تھا۔ جس کی راہنمائی کی ذمہ داری قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ نے قبول کی تھی۔ اقبال شناسی اور اقبال فہمی کی ایسی تابناک روایت جس کے اثرات انقلابِ زمانہ کے باوجود ختم نہیں ہو سکے۔ قائدِ ملت کے اثر و رسوخ اور مقبولیت کی حکومت پر دو طرح کا اثر تھا۔ وہ حکومت کے معتوب بھی رہے لیکن سارے ماحول کو اپنے سوزِ دروں سے متاثر بھی کیا۔ اقبال کے تعلق سے تبدیلی میں ان کی ذات کو بڑا دخل تھا۔ کونسل میں حریت فکر رکھنے والے، جری اور حق گو بھی موجود تھے۔ چنانچہ ۴۲ء کی قرار داد اور ۲۲ء کی قرار داد کے لب و لہجہ میں جو بین فرق ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

یہ مواد چونکہ حکومت نظام کی انتظامی امثلہ کی وساطت سے سامنے آیا ہے اس کے ذریعہ نظامِ ہفتم کے طرزِ حکمرانی کو سمجھنے میں بھی بہت مدد ملے گی۔ حکمران کی ذمہ داری، درباری فضا، ملک کی سیاسی صورت حال سماجی زندگی کے اہم نقوش اس مواد کے پس منظر میں صاحبانِ فکر کے لیے سامنے موجود ہیں۔ اقبال نے شخصی طور پر اپنے لیے کبھی کوئی امداد نہیں چاہی۔ اقبال کے دوستوں اور چاہنے والوں کا ایک حلقہ ضرور ان کی مالی امداد کے لیے کوشاں رہا۔ جس میں بوجوہ کامیابی نہیں ہوئی۔ البتہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے سیکرٹری مولوی شمس الدین کی سفارش کی تو ان کے لیے تاحیات مشاہرہ مقرر ہوا۔ ادارہ معارفِ اسلامیہ کے لیے کوشش کی تو سالانہ دو ہزار کی خطیر رقم منظور ہوئی۔ اقبال کے انتقال کے بعد ان کے پس ماندگان کے لیے وظیفے مقرر کیے گئے۔

آفتاب اقبال کا معاملہ بالکل ہی الگ معلوم ہوتا ہے وہ حکومت نظام کے وظیفہ پر اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن گئے۔ اپنی ذاتی کوششوں سے اقبال کے نام کو استعمال کرکے سر اکبر حیدری اور دوسرے ریاستی حکام سے مدد حاصل کرتے رہے۔ اقبال کے علم میں جب ان کی تگ و دو آئی تو اقبال نے اپنی ناپسندیدگی کا برملا اظہار کیا جیسا کہ ان خطوط سے ظاہر ہے۔

یہ تحقیقی مواد جوں کا توں شایع کیا جا رہا ہے، اصلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے۔ اقبال کے ماہرین اس مواد کو مختلف انداز میں استعمال کریں گے۔ تحقیق کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ممکن ہے کہ اس مضمون میں پیش کی گئی کسی رائے یا کسی نتیجہ سے اختلاف بھی کیا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ محض قیاس آرائی نہ کی جائے بلکہ ٹھوس تحقیقی مواد کی روشنی میں دلائل پیش کیے جائیں۔

یہ تحقیق ہمارے سامنے علامہ اقبال کو معروضی انداز میں پیش کرتی ہے۔ وہ شخص جس نے اپنی ساری زندگی بنی نوع انسان کی سود و بہبود کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اپنی حیات کے ایک خاص دور میں عمل اور رد عمل کی روداد کا موضوع بن گیا۔ وہ ایک مرد خود آگاہ تھا۔ غیر تخلیقی سماج میں شعور و آگہی کی راہوں کو عام کرنے کے لیے مسلسل جد و جہد کرتا رہا۔ اس کی عظمتوں کا عرفان بھی باقی ہے اس کی رفعتوں کو سمجھنے کے لیے ہو سکتا ہے کہ ہمیں تنقید و تحقیق کے ایک بے کراں سمندر کو عبور کرنا پڑے۔

ناسپاسی ہوگی اگر محکمہ آندھرا پردیش آرکائیوز کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جن کی اجازت نے سید شکیل احمد کو اس لائق بنایا کہ وہ اس قیمتی اسناد سے استفادہ کر سکیں۔ اس لیے میں اقبال اکیڈمی [اکادمی] کی طرف سے ارباب محکمہ آندھرا پردیش آرکائیوز کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں ڈاکٹر گیان چند پروفیسر آف اُردو سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد کا ممنون و مشکور ہوں جنھوں نے جناب شکیل احمد کی تحقیق پر اپنی گراں قدر رائے کا اظہار فرمایا ہے۔

اقبال ریویو کی اس اشاعت کے سلسلہ میں جناب خلیل اللہ حسینی صدر اقبال اکادمی کی سرپرستی اور جناب رحیم قریشی معتمد عمومی کل ہند مجلس تعمیر ملت کی شخصی دلچسپی نے میرے کام میں آسانیاں پیدا کیں۔ میں ان کے لیے دعائے خیر کرتا ہوں۔ محمد ظہیر الدین احمد نائب صدر اقبال اکادمی کے قیمتی مشورے اس اشاعت کی صورت گری میں شامل ہیں اس لیے ان کا شکریہ ادا کرنا بھی مجھ پر واجب ہو جاتا ہے۔

اقبال پر تحقیق کا سلسلہ جاری ہے آئندہ مزید انکشافات کی توقع کی جا سکتی ہے۔

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است!

مئی ۱۹۸۴ء

مصلح الدین سعدی

ترجمہ

یہ مت سمجھ کہ شراب کشی کا کام پورا ہو چکا۔ ابھی تو پینے کے بے شمار جام شراب انگور کی بیل میں باقی ہیں۔

[illegible]

سید شکیل احمد کی دریافت

ڈاکٹر گیان چند

عظیم انسانوں اور عظیم ادیبوں کی زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل ہماری دلچسپی کا موضوع ہوتی ہے۔ شہرت و عظمت کی اتنی قیمت تو دینی ہوتی ہے کہ بڑوں کا درونِ خانہ عوام کی نگاہ ہوتا ہے۔ اس کا ہر نجی قول و فعل پنچایت کی ملک ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کی زندگی اور شخصیت کے دور کے ہر گوشے اور زاویے پر اس طرح ٹارچ [روشنی] ڈالی جا رہی ہے جیسے انکم ٹیکس [محصول آمدنی] والے کسی فلم ایکٹر [اداکار] کی خانہ تلاشی لیتے ہیں اور اس کارِ خیر میں اس کے ہر صوفے اور دیوار کو ادھیڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ ایک صاحب نے اقبال کی ممتحنی سے آمدنی کی دریافت کی۔ مختلف برسوں میں انھوں نے کتنے پرچے بنائے اور ان سے کتنے روپے آنہ پائی کی یافت ہوئی، وکالت سے ان کی کتنی آمدنی تھی۔ انکم ٹیکس کے لیے کتنی آمدنی تشخیص کی گئی وغیرہ۔

معلوم نہیں اقبال پر کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ماہر اقبالیات جانیں۔ جگن ناتھ آزاد کہتے تھے کہ ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ ہو گئی ہیں۔ رسالوں اور مجموعوں میں ان پر لکھے گئے مضامین کی تدوین کی جائے تو اور ڈیڑھ ہزار مجموعے تیار ہو جائیں گے۔ کیا ایک ہزار کتابی و ہزار مضامین ذات کے بارے میں کوئی نئی بات پیش کرنا ممکن ہے؟ ظاہراً اس کی اُمید نہیں لیکن ماضی کے شاہنامہ بزرگ کے بہت اوراق اور بہت سطریں ہمارے سامنے کہاں آئی ہیں۔ اس گنجائش کے سبب اب بھی کوئی محقق ماضی کے دفینوں میں سے چند ایام چند ساعتوں، چند رقعوں کی بازیافت کر کے اقبال کے بارے میں کچھ ایسی بات پیش کر دیتا ہے جس سے اقبال شناس ابھی تک واقف نہ تھے۔

اپنے صوبے کے باہر اقبال کا تعلق دو شہروں بھوپال اور حیدرآباد سے قریب رہا۔ اقبال اور حیدرآباد نام کی تصنیف کے باوجود اقبال کے حیدرآباد سے تعلق کے بارے میں اب بھی کچھ نیا مواد باقی ہے۔ سید شکیل احمد صاحب آرکائیوز میں اسسٹنٹ آرکائیوسٹ ہیں۔ انھوں نے دفتری فائلوں سے اسی قسم کی نئی معلومات پیش کی ہیں۔ اقبال سے متعلق مراسلات کے چہرے سے نقاب کشائی کی ہے۔ اقبال کی تنقید پر تو بادشاہ کچھ کاغذ سیاہ کر سکتے ہیں لیکن ان کی تحقیق میں کوئی اضافہ کرنا کارے دارد۔ شکیل صاحب نے اسی ہفت خواں کا ایک طبقہ سر کیا ہے۔

ان کی دریافت کا سب سے اہم حصہ اقبال کے چند نئے انگریزی خطوط ہیں۔ یہ خطوط پہلی بار سامنے آ رہے ہیں اور ان کی اصل تحریر اقبال کی تحریر میں محفوظ ہے۔ کیا اچھا ہو کہ یہ خطوط یہاں سے الگ کر کے کسی اقبال اکادمی یا اقبال میوزیم کو عطا کر دیے جائیں۔

شکیل احمد کے مضمون کے کئی حصے ہیں۔ ان کی سب سے پہلے اور تاریخ ساز دریافت اقبال اور کسی رام پرشاد کی مشترکہ تالیف تاریخ بند ہے۔ میں اقبال کا محقق نہیں لیکن مجھے مصلح الدین سعدی صاحب کی یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس کتاب کا ذکر پہلی بار کیا جا رہا ہے۔ کتاب کی پھسپھسی زبان دیکھ کر ایسا شبہ ہوتا ہے کہ یہ رام پرشاد ہی کا کارنامہ ہے جس میں اقبال کا نام بحیثیت شریک مؤلف ڈال دیا گیا ہے۔ ۱۹۱۷ء میں یہ کتاب اورینٹل [مشرقیہ] امتحان کے نصاب میں شامل تھی۔ جب اسے میٹریکولیشن [درجہ ثانویہ] کے نصاب میں داخل کرنے کی تجویز کی گئی تو اس کا جائزہ لیا گیا اور روزنامہ صحیفہ میں اس کے خلاف مضمون شایع ہوا۔ اس کا ایک جملہ ملاحظہ ہو:

> اس زمانہ کے قریب ایک بڑا بھاری واقعہ ظہور میں آیا۔ نظام الملک صوبہ دار دکن خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔

"بن بیٹھا" کے فقرے سے ظاہر ہے کہ مصنف کی نظر میں یہ فعل ناپسندیدہ تھا۔ حضور نظام کے جد اعلیٰ کے بارے میں اس انداز سے لکھا جائے تو نتیجہ معلوم۔ میٹرک میں داخل کرنے کے بجائے کتاب کو اورینٹل امتحان کے نصاب سے بھی خارج کر دیا گیا۔ مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ء) میں حیدرآباد میں ایک اقبال کلب [مجلس گاہ] تھا جس نے نظام سادس میر محبوب علی خان کی سالگرہ منائی۔ ۱۹۰۷ء میں اقبال اتنے بڑے

شاعر نہ تھے۔ واقعی حیرت کی بات ہے کہ اس زمانے میں ان کے وطن سے اتنی دور اقبال کلب [مجلس گاہ] بن گیا تھا۔ مضمون میں ۱۹۰۸ء میں حیدرآباد میں اقبال کے توسیعی لیکچرز کا ذکر ہے (ص ٦)۔ مجھے یہ غیر مصدقہ معلوم ہوتا ہے۔

مضمون کا دوسرا موضوع جنوری ۱۹۲۹ء میں حیدرآباد میں اقبال کے توسیعی لیکچرز ہیں۔ لیکچروں سے قطع نظر مضمون سے معلوم ہوا کہ معتمد سیاسیات نے اقبال کے بلاوسٹہ گیسٹ ہاؤس میں قیام پر اعتراض کیا تھا۔ مدار الہام مہاراجہ سر کشن پرشاد نے خود اس کا حکم جاری کیا۔ مضمون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہمان خانے میں قیام یا لیکچر کے لیے ٹاؤن ہال [ایوانِ بلدیہ] کے استعمال جیسی معمولی باتوں کی اجازت خود نظام دیتے تھے۔ مضمون نگار نے اس موقع پر اقبال کی ضیافت اور انھیں پیش کیے گئے تحائف کی تفصیل روپیہ آنہ پائی کے ساتھ دی ہے۔

اقبال نے لاہور میں ادارۂ معارفِ اسلامیہ قائم کیا۔ حیدرآباد سے واپس ہو کر اگلے ہی مہینے انھوں نے حکومت حیدرآباد سے اس کے لیے گراں قدر مالی امداد کی سلسلہ جنبانی کی۔ اس موضوع پر حیدرآباد کے دفاتر میں لکھا پڑھی ہوئی۔ عثمانیہ یونیورسٹی [جامعہ عثمانیہ] سے مشورہ کیا گیا۔ جیسا کہ دفتر شاہی کا قاعدہ ہے۔ ناظم تعلیمات نے عطیے پر تین اعتراضات کیے اس کے باوجود ریاستی کونسل نے تین سال کے لیے دو ہزار روپیہ سالانہ کی امداد منظور کی جس پر نظام نے صاد کیا۔ مضمون میں اس سلسلے کی جملہ تفاصیل درج ہیں۔

مضمون کا چوتھا موضوع ہے نواب بھوپال حمید اللہ خاں کا نظام حیدرآباد کو خط لکھنا کہ اقبال کی مالی امداد کے لیے ایک ہزار روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ مضمون نگار نے نواب بھوپال کا اصلی خط پیش کیا ہے۔ اتنی اونچی سفارش کے باوجود حیدرآباد کے حکام اور خود نظام نے درخواست مسترد کر دی سب کے سامنے کا اعتراض یہ کیا گیا کہ خود نواب بھوپال یہ وظیفہ کیوں نہیں دے دیتے۔

مضمون کا پانچواں موضوع سر اکبر حیدری کے دورِ وزارتِ عظمیٰ میں آفتاب اقبال کی مالی امداد کے لیے درخواست ہے۔ اس پر سردار امراؤ سنگھ شیر گل نے سفارشی چھٹیاں لکھیں۔ یہ خطوط اور متعلقہ کاغذات اصلاً پیش کیے جا رہے ہیں واضح ہو کہ اس سے پہلے ۱۹۳۱ء میں اپنے

قیام لندن کے دوران بھی آفتاب اقبال کو حیدرآباد کی جانب سے ۱۹۰ پونڈ قرض کے طور پر دیے گئے تھے جو بعد ان کی "عسرت" اور مالی مشکلات کے پیش نظر معاف کر دیے گئے۔

اقبال کے انتقال کے بعد ان کے پس ماندگان کے وظیفے کے لیے کوشش کی گئی۔ اس کے محرک عثمانیہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر مظفر الدین قریشی تھی۔ انھوں نے اقبال کی بیواؤں اور چھوٹے بچوں کے علاوہ آفتاب اقبال بیرسٹر کی امداد کے لیے بھی لکھا تھا۔ میر عثمان علی خاں نے بیواؤں اور چھوٹے بچوں کے لیے معینہ مدت کے وظیفے کر دیے لیکن آفتاب اقبال کے لیے بجا طور پر لکھا کہ جو شخص قانونی پریکٹس سے روپیہ کما رہا ہے اس کو امداد دینا چہ معنی دارد [اس کے کیا معنی]۔

مندرجہ بالا موضوعات میں سے بیشتر پہلے سے معلوم ہیں ان کی اکثر تفصیلات بھی معلوم ہیں لیکن دفتری ریکارڈ اور اس دستاویزوں سے شکیل احمد نے جو جزئیات فراہم کی ہیں وہ ان کا تحقیقی کارنامہ ہے ان تحریروں اور فرامین سے حیدرآباد کے حکام بلکہ خود نظام کا اقبال کی طرف زاویۂ نظر معلوم ہوتا ہے۔ اقبال کے اصل ہمدرد و مدار المہام مہاراجہ سر کشن پرشاد اور سر اکبر حیدری تھے۔ شکیل صاحب نے درون خانہ کا نظارہ کرا کے مختلف اہلکاروں کا اقبال کی طرف رویہ اجاگر کیا ہے۔ ان کا اعتراض تھا کہ ریاست کا روپیہ ایک غیر ملکی کو کیوں دیا جائے حالانکہ ملت کے اتنے بڑے خادم کو کسی علاقے کے ساتھ پابند کرنا مناسب نہ تھا۔ دفتر شاہی قید مقام میں پڑے گا [انہیں نے پاؤں پکڑے ہوئے ہیں] رہی۔

اس طرح اقبال کے مطالعے میں یہ مضمون بالخصوص اقبال سے منسوب ایک نئی تالیف اور نئے خطوط اہم اضافہ ہیں۔

علامہ محمد اقبالؒ

(آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کی چند حیدرآباد امثلہ واسناد کی روشنی میں)

اقبال بحیثیت ہندوستانی مؤرخ

شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کو ایک مایہ ناز فلسفی اور بلند مرتبت شاعر کی حیثیت میں تو سبھی جانتے ہیں لیکن ایک مؤرخ کی حیثیت سے بہت کم لوگ جانتے ہوں گے۔ دفتر معتمدی سرکار عالی صیغہ عدالت و کوتوالی اُمورِ عامہ کی ایک مثل جو کم و بیش (۴۰) صفحات پر مشتمل ہے ہمیں اس امر سے واقف کراتی ہے کہ ڈاکٹر اقبال اور رام پرشاد کی ایک مشترکہ تصنیف تاریخ ہند ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۷ء تک امتحان السنہ مشرقیہ کے نصاب اور اورینٹل ٹائٹل ایگزمی نیشن سلیبس میں داخل تھی لیکن جب اسے میٹریکولیشن کے نصاب میں بھی داخل کیا گیا تو روزنامہ صحیفہ مؤرخہ ۹ر شعبان ۱۳۳۶ھ م ۲ر مئی ۱۹۱۸ء میں ایک مضمون اس کے خلاف شائع ہوا اور کتاب کے بعض قابل اعتراض حصوں کی نشان دہی کی گئی خصوصاً وہ جو خانوادۂ آصفی کے بعض سابق حکمرانوں کے بارے میں لب و لہجہ اور معلومات کے لحاظ سے بے ادبی اور غلط تاویلات پر مبنی تھے۔ نیز اس کتاب کو نصاب سے خارج کرنے کی مہم بھی شروع کر دی گئی۔ چنانچہ محکمہ تعلیمات کی مشینری حرکت میں آگئی البتہ نظامات تعلیمات کو اپنے دفاع میں خاصی محنت کرنا پڑی کیونکہ اصلاح نصاب السنہ مشرقیہ کے لیے قائم کردہ اس کی ایک کمیٹی نے جو حسب ذیل چند علماء اور نامور معلمین پر مشتمل تھی اس کتاب کو متفقہ طور پر داخل نصاب کرنے کی سفارش کی تھی:

۱۔ مولوی حمید الدین فراہی پرنسپل دارالعلوم کالج	صدر
۲۔ مولوی حبیب الرحمن صاحب پروفیسر ؍؍	رکن
۳۔ مولوی محمد تاج الدّین صاحب ؍؍ ؍؍	؍؍

۴۔ مولوی محمد عبدالواسع صاحب // // //
۵۔ مولوی محمد شبر علی خاں صاحب // // // //
۶۔ جناب امرت لال صاحب // // //
۷۔ جناب عبدالرحمٰن خاں صاحب پروفیسر نظام کالج //
۸۔ مولوی عبدالحق صاحب مہتمم تعلیمات اورنگ آباد
۹۔ مولوی محمد مرتضیٰ صاحب معتمد تعلیمی کانفرنس حیدرآباد
۱۰۔ مولوی خان فضل محمد خان صاحب پرنسپل سٹی ہائی اسکول
۱۱۔ ناظم صاحب تعلیمات (مسٹر الماطیفی) بہ حیثیت مشیر

اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ بھی سامنے آئی کہ مذکورہ کتاب کے ڈاکٹر اقبال کے نام سے منسوب ہونے پر جناب حبیب الرحمٰن خان شیروانی صدر الصدور صدر یار جنگ نے شک و شبہ کا اظہار کیا جیساکہ ان کی حسب ذیل تحریر سے ظاہر ہے:

میں نے تاریخ ہند دیکھی۔ مجھ کو تعجب ہے کہ اس پر ڈاکٹر اقبال کا نام ہے حالانکہ نہ اس کے لٹریچر میں نہ اس کے مطالب میں وہ زندہ دلی یا زندگی ہے جو اقبال کا حصہ ہے۔ تاریخ اس خاص ٹائپ [طرز] اور انداز کی ہے جو کسی نہ کسی طرح مدارس کی تعلیم کے واسطے مقرر ہو گئی ہے۔ بجائے اس کے دوسری تاریخ نامزد کر لینے کا سوال مشکل ہے اس لیے کہ ہندوستان میں عموماً اسی قسم کی تاریخیں دستیاب ہوتی ہیں۔ جہاں تک جلد ممکن ہوسکے جدید عمدہ تاریخ تالیف کرا کر اس کو خارج کر دینا چاہیے۔ اس تاریخ کو پڑھنے سے طلباء کے دماغ پر ہرگز وہ اثر نہیں پڑ سکتا جو تاریخ کے فن شریف کی تعلیم سے ہونا چاہیے (دستخط صدر الصدور مؤرخہ ۲۰ر ذیقعدہ الحرام ۱۳۳۶) (مثل نشان ۱۴ر۱ر تعلیمات ر۷ ۱۳۲ف محکمہ مذکورہ بالا)

بہرحال دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ کی جانب سے جدید کتاب تیار کرنے سے قبل ہی تاریخ ہند پر مذکورہ بالا کتاب کو خارج از نصاب کر دیا گیا۔ اس لیے خانوادہ آصفی پر بعض ریمارکس کی وجہ خود اعلیٰ حضرت نظام دکن میر عثمان علی خان بہادر کی توجہات بھی اس کے اخراج کے سلسلے

میں ہموار ہو گئیں تھیں جیسا کہ حسب ذیل عبارت (منقولہ معتمد پیشی، افسر جنگ) سے ظاہر ہے:

سوال یہ ہے کہ جدید و مناسب تاریخ تالیف ہو کر شایع ہونے تک یہ تاریخ نصاب میں شامل رہنا مناسب ہے یا کیا اس کا جواب صدر الصدور صاحب کی رائے میں صاف طور سے درج نہیں ہے۔ پس صراحتاً آرا پیش ہوں کہ جدید تاریخ کے تالیف و شروع تک یہ تاریخ نصاب میں شریک رہنے میں کوئی قباحت ہوگی یا نہیں۔ (ایضاً)

نیز

وہ کتاب تاریخ پہلے ملاحظہ اقدس کے واسطے گزارنی چاہیے اور تا حکم ثانی نصاب میں شریک نہ کیجیے۔ (ایضاً)

نظام دکن نے کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی رائے پر کسی قدر نظر ثانی کے بعد حکم دیا کہ:

جدید تاریخ ہند کی تالیف تک یا موجودہ کتاب سے کوئی بہتر تاریخ ہند دستیاب ہونے تک یہی کتاب ہنگامی طور پر شریک نصاب ہے۔ (ایضاً)

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اولین سرکاری حکم کے بموجب ایک گشتی کے ذریعہ اس کتاب کو خارج از نصاب کر دیا گیا تھا اور دریں اثنا جناب ہاشمی فرید آبادی کی کتاب بھی دار الترجمہ سے تیار ہو گئی تھی اس لیے بالآخر ڈاکٹر اقبال کی تاریخ ہند خارج از نصاب کر دی گئی۔

ڈاکٹر اقبال کی مذکورہ تاریخ ہند کی ایک جھلک ناظر مذہبی کتاب درسیہ علی جناب مولانا صفی الدین صاحب کی رائے کے اقتباسات میں موجود ہے:

اگر مسلمانوں کی خوشامد اور ہندوؤں کی مذمت سے قطع نظر کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب سخت گیر اور اعلیٰ درجہ کی لیاقت کا آدمی تھا۔ اس کے عہد میں سلطنت ظاہر میں عروج پر تھی۔ لیکن اس کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ اور اس کے جانشینوں کو سخت مصیبتوں کا سامنا ہوا پس کیا تعجب کی بات ہے کہ اس کی وفات کے بعد کچھ عرصہ نہیں لگا کہ سلطنت مغلیہ پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ گئی۔ لیکن

یاد رکھو کہ اورنگ زیب کے عہد میں سلطنت مغلیہ میں ایسی شوکت و عظمت تھی کہ تمام دنیا تعجب کرتی تھی۔ (تاریخ ہند از ڈاکٹر اقبال، ص ۱۵۴)

اور:

۱۸۱۹ء میں فرخ سیر تخت سے اتار کر قتل کیا گیا اور سید حسین علی و عبداللہ نے جس کا نام ہی بادشاہ گر پڑ گیا تھا۔ کئی برائے نام بادشاہوں کو تخت پر بٹھانے اور اُتارنے کے بعد بہادر شاہ ظفر کے ایک پوتے کو محمد شاہ کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ اس زمانے کے قریب ایک بڑا بھاری واقعہ ظہور میں آیا۔ نظام الملک صوبہ دار دکن خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ (ص ۱۵۸، ایضاً)

۱۹۱۴ء میں ڈاکٹر اقبال کا حکومت نظام کے سرکاری حلقوں میں جو تاثر اور اثر و نفوذ تھا وہ مذکور مثل کے اقتباسات سے عیاں ہے لیکن اس سے کافی عرصہ قبل یعنی ۱۳۲۵ھ میں شہر کے ادبی حلقوں اور انجمنوں میں ان کا اس قدر چرچا تھا کہ "اقبال کلب" نامی ایک ادارہ قائم ہوا اور اس کے مختلف پروگراموں [لائحہ ہائے عمل] میں سر مہاراجا کشن پرشاد یمین السلطنت حکومت آصفیہ کا شریک ہونا دکن میں اقبال کی مقبولیت ہی ظاہر نہیں کرتا بلکہ سرکاری و علمی حلقوں میں ان کی قدردانی کا بھی مظہر ہے۔ اس کلب کے سیکرٹری جناب افضل علی تھے اور اس کے بانیوں میں مولوی محمد عزیز مرزا صاحب اور مولوی فیض علی وغیرہ تھے۔ مثل نشان ۲۳ صیغہ پرائیویٹ سیکرٹری [ذاتی معتمد] ۱۳۲۵ھ متعلقہ دفتر راجا سر کشن پرشاد بہادر پیشکار مدارالمہام سرکار عالی کے ذریعہ اس کلب کے سلسلے میں معلومات ملتی ہیں اور نیز اس کے ایک سالانہ جلسہ میں شرکت کی دعوت ملنے پر مہاراجا بہادر کا نظام دکن سے اجازت طلب رکھنا اور نظام کا حسب ذیل فرمان جاری کرنا علم میں آتا ہے۔

آپ کی عرضداشت معروضہ ۶؍ شعبان المعظم ۱۳۲۵ھ ملاحظہ کی گئی۔ میری سالگرہ کی تقریب میں اقبال کلب کا سالانہ جلسہ جو مرزا فیاض علی صاحب کے مکان میں ہونے والا ہے اس میں آپ شریک ہو سکتے ہیں۔ (میر محبوب علی خان بہادر)

پرانی حویلی ۱۵؍ شعبان المعظم، حیدرآباد میں علامہ اقبالؒ کے توسیعی لیکچرز، ۱۹۰۸ء اور اس کے بعد دو (۲) مرتبہ علامہ اقبالؒ کے دورۂ حیدرآباد کا تذکرہ بعض کتابوں میں ملتا ہے۔ مہاراجا سر کشن پرشاد سے اقبال کے شخصی و دوستانہ مراسم تھے چنانچہ ان کے دورِ وزارتِ عظمیٰ

۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء تا ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء اور ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۵ء تا ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۵ء میں علامہ مرحوم نے اسفارِ حیدر آباد اختیار کیے۔

۱۹۲۹ء میں اُنھوں نے جامعہ عثمانیہ کی دعوت پر حیدر آباد کا دورہ کیا۔ اس سلسلے کی اولین معلومات دفتر معتمد سرکار عالی صیغہ عدالت و کوتوالی و اُمورِ عامہ کی مثل نشان ۴۶ صیغہ یونیورسٹی بابتہ ۱۳۳۸ف سے ملتی ہیں۔

مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ کے اجلاس ۸۲ منعقد ۲۲دے ۱۳۳۸ ف ۲۶ر نومبر ۱۹۲۸ء بصدارت سراکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر میں حسب ذیل دیگر ارکان شریک تھے۔

نواب مرزا یار جنگ بہادر
مہدی یار جنگ بہادر
علی نواز جنگ بہادر
مولوی محمد عبدالرحمٰن خان صاحب
سید محمد حسین صاحب
میجر فرحت علی صاحب

اس اجلاس کے ایجنڈہ کا فقرہ (۲۱) علامہ اقبال کو توسیعی لیکچرز کے لیے حیدرآباد مدعو کرنے سے متعلق تھا چنانچہ قرار پایا کہ:

> ڈاکٹر سر محمد اقبال کو لکھا جائے کہ مدراس جاتے ہوئے حیدرآباد میں ٹھہر کر تین لیکچر بمعاوضہ ایک ہزار کلدار دیں۔ لیکچروں کے مضامین کا انتخاب ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے البتہ اس قدر تحریک کر دی جائے کہ بہتر ہوگا کہ انگریزی میں "تصوف" پر دو لیکچر اور اُردو میں "نظم اُردو" پر ایک لیکچر ہو (مثل محولہ بالا)

اس سلسلے کے دعوت نامہ کے جواب میں اقبال نے لکھا:

> Thanks for your telegram which I received a moment ago. I hope to be able to reach Hyderabad before the 15th January, 1929. So that you can fix my lectures for 15th, 16th and 17th. In fixing the time for the lecture on the 17th I would request you to bear in

mind the fact that I propose to leave Hyderabad on the same day i.e. 17th.

Yours truly,
Sd.
Mohammad Iqbal

Lahore,
9th Decemeber 1928[1]

مذکورہ بالا خط کس کے نام لکھا گیا تھا یہ معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ شروع کارروائی سے جناب حمید احمد انصاری مسجل رجسٹرار [محرر] جامعہ عثمانیہ کا نام ان کی اور معتمد عدالت و کوتوالی و اُمور عامہ کی خط و کتابت میں ملتا ہے اور انھوں نے ہی مذکورہ خط کی ایک نقل روانہ کرتے ہوئے معتمد صاحب موصوف سے گزارش کی تھی کہ: "ڈاکٹر سر محمد اقبال کو ان کے اعزاز کے لحاظ سے سرکاری دارالاضیاف (گیسٹ ہاوز) میں بطور سرکاری مہمان ٹھہرانا مناسب ہوگا۔"

بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے ایک دوسرے خط میں جو ۲۱ر دسمبر ۱۹۲۸ء کا تحریر کردہ اور جو ان کے لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا ہوگا کیونکہ اس خط کے بائیں جانب:

Dr. Sir Mohammad Iqbal, MLC
Barrister-at-Law,
Lahore[2]

---

[1] ترجمہ۔
شکریہ۔ آپ کا تار چند لمحے پہلے موصول ہوا۔ اُمید ہے کہ ۱۵جنوری ۱۹۲۹ء سے قبل حیدرآباد پہنچ جاؤں گا۔ میری تقاریر ۱۵، ۱۶، ۱۷کی تاریخوں میں رکھ لیجیے۔ ۱۷ تاریخ کے لیکچر کا وقت مقرر کرتے ہوئے ملحوظ خاطر رہے کہ مجھے اسی روز یعنی ۱۷جنوری کو حیدرآباد سے واپسی کے لیے روانہ ہونا ہے۔

مخلص
محمد اقبال
[مترجم: محمد سہیل عمر]

[2] ترجمہ:
ڈاکٹر سر محمد اقبال، ایم ایل سی
بیرسٹر ایٹ لا
لاہور

[مترجم: محمد سہیل عمر]

لکھا ہوا ہے ۔ حسبِ ذیل تحریر کیا ہے:

The following three lectures will be delivered both at Madras and Hyderabad in the order mentioned below:

1. Knowledge and Religious experience
2. The Philosophical test of revelations of religious experience.
3. The Conception of God and the meaning of Prayer.

Yours sincerely,
Sd.
Mohammad Iqbal'

اس دوسرے خط کی نقل بھی رجسٹرار جامعہ عثمانیہ نے محکمہ معتمد عدالت و کوتوالی و اُمور عامہ کی خدمت میں روانہ کی ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ محکمہ داخلہ (ہوم ڈیپارٹمنٹ) کے ماتحت تھے اور تعلیمات مع یونیورسٹی اس کے تحت تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے دونوں خطوط کی نقول بھی مذکورہ مثل اور محکمہ سیاسیات پولیٹیکل سیکرٹری بغرض [دفتر پیشی حضور [illegible] نشان بابتہ ۱۹۲۸ء میں شامل کی گئی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ [illegible] اصل] دفتر مجلس (رجسٹرار) جامعہ عثمانیہ سرکار عالی کی گشتہ میں محفوظ ہوں گے جس کا نشان مثل ۵۳ بابتہ ۱۳۳۸ف اور مقدمہ ایکسٹینشن لیکچرز کے لیے ڈاکٹر سر اقبال کو دعوت ہے۔ یہ امثلہ دفتر ریاستی اسناد میں برائے تحفظ موجود نہیں ہیں۔

ترجمہ:
درج ذیل تین محاضرات مدراس اور حیدرآباد دونوں مقامات پر پیش کیے جائیں گے۔ ترتیب حسب ذیل ہوگی:
۱۔ علم بالحواس اور علم بالوحی۔
۲۔ علم بالوحی کے انکشافات کا فلسفیانہ معیار۔
۳۔ تصورِ خدا اور عبادت کا مفہوم۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال
[مترجم: محمد سہیل

سرکاری مہمان

علامہ اقبال کو سرکاری دار الاضیاف میں ٹھہرانے کی نسبت محکمہ عدالت و کوتوالی و اُمور عامہ اور محکمہ سیاست کے درمیان جو کارروائی چلی ہے اس کے بعض دلچسپ و عبرت انگیز پہلو بھی ہیں جن سے اس بات کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ مختلف وجوہات کی بناء پر حکومت سرکار عالی کے بعض وزیر اور عہدیدار ڈاکٹر اقبال کو سرکاری مہمان بنانے یا ان کا سرکاری سطح پر اقبال کرنے سے متفق نہیں تھے۔ خود نظام حیدر آباد نے بھی دبے لفظوں میں "بلاوسطہ" میں ڈاکٹر اقبال کے ٹھہرانے جانے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے لیکن غالباً مہاراجہ کشن پرشاد کی شخصی دلچسپی کی وجہ یا اس موقع پر اپنی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ (یعنی نظام) کچھ زیادہ مداخلت نہیں کر سکے۔

پہلی مرتبہ مسجد صاحب کے مراسلہ کے رد عمل کے طور پر جو تاثر معتمد عدالت نے اپنے محکمہ کی مثل میں دیا وہ یوں ہے: "مجھ معلوم ہوا ہے کہ یہ یہاں نہ آسکیں گے اور شاید وقت بھی گزر گیا۔" (۱۳ر بہمن ۱۳۳۸ف) حالانکہ اس روز ڈاکٹر اقبال کا وہ خط بھی آیا تھا جس میں انھوں نے توسیعی لیکچرز کے لیے جامعہ عثمانیہ کی دعوت قبول کر لی تھی۔ بہرحال مسجل جامعہ عثمانیہ کے بار بار اصرار اور محکمہ عدالت و کوتوالی و اُمور عامہ و نیز محکمہ سیاسیات کی تحریک و گزارش پر صدر اعظم بہادر مہاراجا سر کشن کی خدمت میں معاملہ پہنچا تو موصوف نے حکم دے دیا کہ:

> یہ سرکاری مہمان رکھے جائیں سرکاری مہمان بنانا اقتداری صدر اعظم ہے۔ اس خصوص میں عمل درآمد پیش کر دیا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کو زحمت دینا کسی حالت میں ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ آیندہ سے اس کی پابندی کی جائے کہ کوئی مہمان بغیر منظوری صدر اعظم نہ ٹھہرایا جائے۔ البتہ ایسے مہمان جو پوزیشن [مقام] رکھتے ہوں اس کے متعلق پیش گاہ خسروی میں اطلاع دینا صرف اس لیے مناسب ہے کہ سرکار کو اپنے مہمان کی اطلاع رہے۔ (دستخط مہاراجا کشن پرشاد، مثل نشان پولیٹیکل سیکرٹری آفس [دفتر سیاسی معتمد] مقدمہ مؤرخہ ۳۰ر رجب ۱۳۴۷ھ)

صدر اعظم کے اس حکم کے باوجود محکمہ سیاسیات کے بعض عہدے داران کا اصرار رہا کہ:

بلاوسٹہ باقی رہ گیا ہے جس میں مہمانوں کی فرو کشی کا انتظام ہوتا ہے اور اس مکان کے متعلق فرمان مبارک متر شدہ ۱۰ر جمادی الاول ۱۳۴۳ھ شرف اصدار پایا ہے کہ بلا اجازت اقدس و اعلیٰ اس مکان میں کسی کو ٹھہرایا نہ جائے اس صورت میں بلا منظوری اعلیٰ حضرت اس مکان میں ٹھہرانا ممکن نہیں ہے۔ (معتمد سیاسیات، یکم رفروری ۱۳۸ اف مثل نشان بعنوان)

چونکہ نظام دکن ان دنوں کلکتہ میں مقیم تھے۔ اس لیے باُمید منظوری (یا بادل نخواستہ) ڈاکٹر صاحب کے قیام کا انتظام کر دیا گیا۔ البتہ جب نظام دکن کی خدمت میں عرضداشت مؤرخہ یکم محرم الحرام ۱۳۴۸ھ پیش کی گئی تو انھوں نے جو فرمان جاری کیا اس کالب و لہجہ ملاحظہ :

بجز معزز اشخاص کے بلاوسٹہ میں کسی کو نہ ٹھہرایا جائے۔ اس کی اجازت صدر اعظم کو دی جاتی ہے جو ان کے صوبدید پر چھوڑ گیا ہے۔ رہا معمولی حیثیت کے اشخاص وہ دوسرے گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرائے جاسکتے ہیں (دستخط نواب عثمان علی خان صاحب مؤرخہ ۱۹ر محرم الحرام ۱۳۴۸ھ ایضاً)

ڈاکٹر اقبال کے قیام حیدر آباد کا مسئلہ حل ہو جانے کے بعد ان کے توسیعی لیکچرز کے لیے "ٹاؤن ہال" کے استعمال کی اجازت کا حصول بھی ایک مسئلہ تھا اور چونکہ اعلیٰ حضرت سے اس کے استعمال کی اجازت بھی حاصل کرنا ہوتی تھی اس لیے حسب ذیل عرض داشت صدر اعظم کی جانب سے ان کی خدمت میں گزارنی گئی۔

مسجل صاحب جامع عثمانیہ نے لکھا ہے کہ جامع مذکور کی جانب سے لاہور والے ڈاکٹر سر محمد اقبال کو تین مسلسل لیکچرز بتاریخ ۱۷،۱۶،۱۵ر جنوری ۱۹۲۹ء دینے کے لیے مدعو کیا گیا ہے اس لیے انھوں نے استدعا کی ہے کہ تواریخ مذکورہ میں ٹاؤن ہال کے استعمال کی اجازت پیش گاہ اقدس و اعلیٰ سے حاصل کی جائے۔

پس اگر بمراحم خسروانہ بتقریب مندرجہ صدر تواریخ معروضہ بالا میں ٹاؤن ہال استعمال کرنے کی اجازت کا مرحمت فرمایا جانا پسند خاطر اقدس ہو تو مسجل صاحب کو جلد مطلع کر دیا جائے گا۔ (معروضہ ۳۰ر رجب المرجب ۱۳۴۷ھ منقولہ مثل نشان ۴ر ۵ر ۲۳۸ر ۲۳اف دفتر پیشی صدر اعظم باب حکومت صیغہ سیاسیات)

مذکورہ بالا مثل میں اس عرضداشت پر جاری کردہ کوئی فرمان موجود نہیں ہے۔ اس وقت تین سرکاری گیسٹ ہاؤز حیدرآباد میں موجود تھے۔ لیکن ان تینوں میں بمنظوری سرکار مسٹر ٹرنچ، مسٹر شاف، مسٹر نبی و مسٹر رستم جی فریدون جی مستقل طور پر سکونت پذیر تھے۔ اور صرف بلاوسٹہ باقی رہ گیا تھا جس میں سرکاری مہمانوں کو ٹھہرایا جا سکتا تھا۔

واضح رہے کہ اس دور میں جناب ایس ایم مہدی (مہدی یار جنگ بہادر ایم۔اے آکسن) معتمد محکمہ سیاسیات تھے۔

جس طرح باامیدی سرکار عالی ڈاکٹر اقبال کو سرکاری مہمان خانہ میں ٹھہرایا گیا تھا اسی طرح مثل ۸۷۷ر۱۰۱ے کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالباً ٹیلی فون پر زبانی منظوری پیشی نظام سے دی دی گئی ہوگی اور ٹاؤن ہال میں ڈاکٹر صاحب کے لیکچر ہوئے ہوں گے۔

جناب انصاری صاحب مجل نے جس تیسرے مسئلے میں عہدیداران محکمہ عامرہ سرکار عالی کو لکھا وہ ڈاکٹر اقبال کے استعمال کے لیے موٹر کار کی فراہمی کا معاملہ تھا۔ چنانچہ محکمہ عامرہ نے ایک بیچ کار [موٹر گاڑی] بھجوانے کے انتظام کی بابت اطلاع دی۔

مہاراجا کشن پرشاد کی میزبانی

ڈاکٹر اقبال یونیورسٹی [جامعہ عثمانیہ] کی دعوت پر آئے تھے اور سرکاری مہمان کی حیثیت میں تین روز کے لیے حیدرآباد میں مقیم رہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد نے بھی بحیثیت صدر اعظم انھیں ڈنر [عشائیہ] پر مدعو کیا۔ چنانچہ صدر اعظم کے اے ڈی سی [ایڈی ڈی کیمپ : مددگار فوجی خیمہ گاہ] جناب کیپٹن محمد علاؤالدین نے مہدی یار جنگ بہادر معتمد سیاسیات کو اطلاعاً لکھا:

> آیندہ چہار شنبہ [بدھ وار] ۱۶ر جنوری ۱۹۲۹ء کو عالی جناب سر مہاراجا صدر اعظم بہادر نے ڈاکٹر سر محمد اقبال و دیگر چند عہدے داران کو ڈنر پر مدعو فرمایا ہے جس میں تقریباً ۶۰ مہمان ہوں گے۔ لہٰذا براہِ کرام مسٹر نارائن سوامی کو ڈنر کے ضروری انتظامات کی نسبت حکم فرمایا جائے۔ (نشان مثل ۷۶ /L۱۰C)

اس سلسلے کی مزید تفصیلات حسب ذیل ہیں۔ منتظم کارخانجات سرکاری عالی نے مذکورہ ڈنر کے اخراجات کے لیے پچاس روپے پیشگی کی منظوری حاصل کی۔ یعنی انھوں نے سو روپے علی الحساب اس مد میں حاصل کیے۔ صیغہ حساب دفتر سیاسیات کی رو سے ڈاکٹر اقبال کی

مہمانداری پر ایک سو پانچ روپے پانچ آنے چھ پائی یا اڑتالیس روپے چار آنے کلدار خرچ ہوئے۔اور انھیں صدر مد (۱۵) اخراجات سیاسی ذیلی مد (۵) خدمت و تواضع (۴) ابواب مختصہ اخراجات باورچی خانہ میں شمار کرنے کی بابت نوٹ لکھا گیا لیکن صیغہ دار کی تجویز پر معتمد صاحب نے صادر فرمادیا کہ ان اخراجات کی ادائیگی کی بابت عثمانیہ یونیورسٹی کو لکھا جائے (مثل نشان L۱۰C/۷۸)

چنانچہ مددگار معتمد صاحب محکمہ سیاسیات کی طرف سے جناب مسجل صاحب جامعہ عثمانیہ کو حسب الحکم صدر المہام بہادر سیاسیات حسب ذیل مراسلہ لکھا گیا۔

آپ کی تحریک کی بناء پر ڈاکٹر سر محمد اقبال کی مہمانداری سرکاری گیسٹ ہاوز [مہمان خانہ] میں کی گئی اس سربراہی کی بابت (____) ایک سو پانچ روپے پانچ آنہ چھ پائی سکہ عثمانیہ اور (۶۔۵۔۱۰۵) اڑتالیس روپے چار آنے سکہ کا خرچ عائد ہوا۔اصل حسابات مرسل ہیں۔براہِ کرم رقم مصرحہ بالا بغرض تصفیہ محکمہ ہذا پر روانہ فرمائیں جائیں۔ (ایضاً)

۸۴ اجلاس مجلس جامعہ عثمانیہ منعقدہ ۲۵/فروری ۱۳۳۸ف مطابق ۲۱/فروری ۱۹۲۹ء جس میں سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر (صدر) لیفٹیننٹ کرنل آر ایچ تونیکس ٹرنچ سی،آئی نواب اکبر یار جنگ بہادر، مولوی خان محمد فضل خان صاحب مولوی محمد عبدالرحمٰن خان صاحب، میجر فرحت علی صاحب شریک تھے۔حسب ذیل قرارداد منظور کی:

(۴) قرار پایا کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے ضیافت کے مصارف ذیل بشرط تنقیح صدر محاسبی ایکسٹینشن لیکچرز [توسیعی خطبات] کی گنجایش سے منظور کیے جائیں۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال (۴۰۰) سکہ عثمانیہ

۸۵ اجلاس مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ منعقدہ ۲۱ خورداد ۱۳۳۸ف م ۲۵/اپریل ۱۹۲۹ء جس میں سر اکبر حیدری، ڈاکٹر حیدر نواز جنگ بہادر، لیفٹیننٹ کرنل آر ایچ تونکس ٹرنچ سی آئی ای، نواب اکبر یار جنگ بہادر، نواب علی نواز جنگ بہادر، نواب جیون جنگ بہادر، مولوی خان فضل محمد خان صاحب، مولوی محمد عبدالرحمٰن خان صاحب، میجر فرحت علی صاحب شریک تھے۔ حسب ذیل سفارشات منظور کیے گئے:

(۱) قرار پایا کہ مبلغ اڑتالیس روپے کلدار مبلغ ایک سو پانچ روپے ۵ آنے ۶ پائی سکہ عثمانیہ سرکاری گیسٹ ہاؤز میں ڈاکٹر سر محمد اقبال کی مہمانداری کے مصارف کی ادائیگی کے لیے ایکسٹینشن لیکچرز کی گنجایش سے منظور کیے جائیں۔

سرکاری مہمان ٹھہرانے کے باوجود معتمد سیاسیات کا جامعہ عثمانیہ سے اخراجات مہمانداری طلب کرنا قابل غور ہے۔

مہاراجا کشن پرشاد نے جو ڈنر دیا تھا اس کی تفصیل کیفیت سطور بالا میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے البتہ ایک دوسری مثل سے اس صرفہ کے ضمن میں معلومات ملتی ہیں جو اس موقع پر ضیافت و عطائے تحائف کے سلسلے میں ہوا۔ تفصیل کیفیت کے بجائے مثل مذکورہ میں چھ قطعہ رساید [چھ ٹکڑے پہنچاتا ہے] شامل ہیں جن سے حسب ذیل دلچسپ معلومات ملتی ہیں۔

(۱) رسید ۹ بتاریخ ۱۵ر فروردین ۱۳۳۸ف بنام مہا راجا کشن پرشاد بہادر (بیدری سامان جو ۱۷ر اسفند یار ۱۳۳۸ف کو خرید گیا) (۱) بیدری اگالدار رقمی پندرہ روپے (۲) "حقہ" چالیس روپے (۳) "ڈبیہ" دس روپے جملہ ۶۰ روپے۔
مذکورہ سامان انڈین کواپریٹو انڈسٹریل سوسائٹی لمیٹڈ چادر گھاٹ حیدرآباد سے خریدا گیا۔

(۲) رسید ۱۹۷ بتاریخ ندارد۔ بدری پرشاد ننکرام جوہری واقع چار کمان حیدرآباد دکن سے مبلغ سینتالیس روپے میں انگوٹھی کے بٹن وغیرہ خریدے گئے۔ (رسید شکستہ بندی میں ہے)

(۳) دوکان رام نارائن بہادر مل واقع ڈیوڑھی نواب سالار جنگ بہادر حیدرآباد دکن سے ۷رمضان ۱۳۴۷ھ مبلغ نوے (۹۰) روپے سکہ عثمانیہ کا پارچہ خریدا گیا۔

(۴) رسید ۸۹۸ مؤرخہ ۳رمارچ ۱۹۲۹ء بنام صدر اعظم باب حکومت ایک سو چوالیس روپے کلدار (مساوی ایک سو پینسٹھ روپے ۶ آنہ ۸ پائی سکہ عثمانیہ) برائے فوٹو گرافی راجہ دین دیال اینڈ سنس آرٹ فوٹو گرافک سیلون سکندرآباد دکن نے حاصل کیے۔

(۵) داروغہ اربابِ نشاط نے مبلغ ۸۴ سکہ عثمانیہ بابتہ معمول تحائف بر ڈنر سر اقبال بہ ڈیوڑھی سرکار دفتر باب حکومت سرکار عالی سے ۲ آذر ۱۳۳۹ف وصول کیے۔ (مثل ۱۷-۱-۸-۱۳۳۸ف اسناد صیغہ حساب باب حکومت)

اس طرح جملہ خرچہ بہ ضمن ضیافت و عطائے تحائف پر ایک ہزار چار سو اڑتالیس روپے بضمن مہمانداری ڈاکٹر اقبال بہ سرکاری گیسٹ ہاوز جو خرچ عائد ہوتا تھا اس کے سلسلے میں مبلغ اڑتالیس روپے چار آنے کلدار اسپنسر کمپنی کو ایصال کر دینے کی اطلاع بھی ایک مراسلہ یادداشت میں دی گئی ہے۔ (مثل L1•CC/۱۰)

سر محمد اقبال کو دوسرے توسیعی لیکچر کی دعوت

ڈاکٹر اقبال کا ۱۹۲۹ء میں دورۂ حیدرآباد آخری نہ ہوتا اگر وہ جامع عثمانیہ کی دعوت پر اپنے دوسرے توسیعی لیکچر کے لیے ۱۹۳۰ء میں حیدرآباد تشریف لاتے۔ اجلاس ۹۵ مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ منعقدہ ۱۵ آذر ۱۳۳۹ف مطابق ۲۰ر اکتوبر ۲۹ء جس میں سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر (صدر) کرنل آر ایچ شنر کس ٹرنچ، نواب اکبر یاد جنگ بہادر، نواب جیون یار جنگ بہادر، مولوی خان فضل محمد خان، مولوی محمد عبدالرحمٰن خان صاحب، میجر فرحت علی صاحب شریک تھے حسب ذیل قرارداد پاس کی گئی تھی:

(۲) قرار پایا کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کو لکھا جائے کہ گزشتہ سال وہ جو لیکچرز دیئے گئے تھے ان کے سلسلے کے بقیہ تین لیکچرز بمعاوضہ ایک ہزار کلدار اسفند یار ۱۳۳۹ف م جنوری ۱۹۳۰ء میں دیں اور یہ بھی لکھا جائے کہ ایک عام پسند لیکچرز اُردو میں کسی مضمون پر (جس کو وہ انتخاب کریں) دیں۔

دوران قیام بلدہ میں وہ جامعہ کے مہمان رہیں گے۔

چنانچہ مولوی حمید احمد نصاری بی اے مجل جامعہ عثمانیہ کے جواب میں ڈاکٹر اقبال نے جو خط ۳ر جنوری ۱۹۳۰ء لاہور سے لکھا وہ حسب ذیل تھا:

My Dear Mr. Ansari,

Thank you so much for your letter which I received a moment ago. I am sorry to tell your that it will not be possible for me to

come Hyderabad in the end of January as your suggest. Last time I could manage the journey as I had left Lahore for about a month. This time it is not possible to manage in the same way. My absence from Lahore for such a long time must necessarily upset every arrangement.

Hoping you are well.

Your sincerely,
Sd.
Muhammad Iqbal[1]

یہ خط بھی علامہ کے لیٹر پیڈ پر جس کے کونے پر

Dr. Sir Mohammad Iqbal, MLC
Barrister-at-Law,
Lahore
3rd January 1930

لکھا ہوا ہے اس کی نقل مثل نشان ۴۶ صیغہ یونیورسٹی ۱۳۳۸ف دفتر معتمد سرکاری صیغہ عدالت و کوتوالی و اُمورِ عامہ میں موجود ہے۔

ادارۂ معارفِ اسلامیہ

---

[1] ترجمہ:

محترم ڈاکٹر انصاری صاحب

ابھی آپ کا خط موصول ہوا۔ شکریہ۔ افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے حسب تجویز میں جنوری کے اواخر میں حیدرآباد حاضر نہ ہو سکوں گا۔ گزشتہ دورے میں حاضری یوں ممکن ہو سکی کہ میں لاہور سے ایک ماہ کے لیے سفر پر نکلا۔ اس بار ایسا کرنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ اتنی دیر کے لیے لاہور سے غیر حاضر رہا تو سارے انتظامات درہم برہم ہو جائیں گے۔ اُمید ہے آپ بخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال
[مترجم: محمد سہیل عمر]

حیدرآباد سے واپسی کے بعد ڈاکٹر اقبال نے اپنے لیٹر پیڈ پر جو خط لاہور ۲۶/فروری ۱۹۲۹ء ادارۂ معارفِ اسلامیہ کے سلسلے میں سر امین جنگ کو لکھا تھا وہ ریاست حیدرآباد سے ان کی توقعات پر روشنی ڈالتا ہے:

My dear Sir Amin Jung,
I am enclosing herewith a copy of *Idara-i-Muaraf-i-Islamia* and request you on behalf of the Provincial Committee of Muslim professors and learned men, to place it before H.E.H the Nizam. The idea is to revise and preserve the traditions of Muslim culture in Asia. In the way alone, it is thought we can impress our country men and also to infuse some faith in those who appear to be sceptical about the vitalising power of the culture of Islam. But it is not possible to begin the work till we have got some substantial help from Muslim princes and especially the crown of them all -- H.E.H the Nizam. Through you I approach him in the hope that you will impress upon H.E.H. the utmost importance of the work that that we propose to undertake. The larger interests of Islam and of humanity badly need such a work. I am also going to approach other Muslim Princes in the country. I would feel much obliged if you be good enough to explain to H.E.H. the immediate necessity of our work and to secure help from him in this cause which many Muslims hold dear. Please read these printed pages carefully so that you may be able to explain to H.E.H. all the aspect of the matter. Hoping you are

well and asking pardon for encroaching upon your time.

Yours sincerely,
Sd.
Mohammad Iqbal

PS: I may also indicate that if we are sure of an income of least three thousand a year we shall forthwith start the work. I do not expect more than 500/- year from Bhopal and Bahawalpur each. Public subscriptions will not be raised except in the case of highly prominent men who understand the meaning and value of our work.[1]

ترجمہ:

میرے محترم سر امین جنگ صاحب

مراسلے کے ہمراہ "ادارہ معارفِ اسلامیہ" کا ایک نسخہ ارسال کر رہا ہوں اور مسلمان اہلِ علم اور پروفیسروں کی صوبائی کمیٹی کی طرف سے درخواست گزار ہوں کہ اسے حضور نظام کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اس ادارے کا مقصد ہے ایشیا میں اسلامی ثقافت کی روایات کی تجدید اور حفاظت۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے ہم اپنے ہم وطنوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ان لوگوں میں اعتماد کی تجدید روح پھونک سکتے ہیں جو اسلامی ثقافت کے احیائی قوت کے بارے میں شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہمیں مسلمان والیانِ ریاست بالخصوص ان کے سرخیل عالی مرتبت حضرت نظام کی سرپرستی اور مدد حاصل نہ ہو۔ آپ کے توسط سے ان تک یہ گزارش پہنچانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ انھیں قائل کر سکیں کہ ہم جو کام کرنا چاہتے ہیں وہ کس درج اہم ہے۔ اسلام اور انسانیت کی فلاح کے لیے اس طرح کا کام نہایت ضروری ہے میں ہندوستان کے دوسرے والیانِ ریاست سے بھی رابطہ کرنے والا ہوں میں بہت شکر گزار ہوں گا اگر آپ سرکار نظام پر اس کام کی اہمیت واضح کر سکیں، اس کی فوری ضرورت کا احساس اجاگر کر سکیں اور اس کام کے لیے ان کو اعانت پر آمادہ کر سکیں کہ یہ کام ایسا ہے جسے بہت سے مسلمان بہت عزیز رکھتے ہیں۔ براو کرم اس مطبوعہ دستاویز کو غور سے پڑھ لیجیے تاکہ سرکار نظام کے سامنے اس کی تفصیل بیان کرنے میں دقت نہ ہو۔ امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ آپ کے وقت میں نقب زنی کرنے کے لیے معذرت۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

پس نوشت: میں یہ بھی عرض کر دوں کہ اگر ہمیں تین ہزار روپے سالانہ کی یقینی آمدن میسر آجائے تو ہم اپنا کام فی الفور شروع کر سکتے ہیں۔ بہاول پور اور بھوپال سے مجھے پانچ صد روپیہ سالانہ سے زیادہ کی توقع نہیں ہے۔ عوام سے اس سلسلے میں چندہ نہیں لیا جائے گا اگر یہ کہ چند ایسے سرکردہ مسلمانوں کا تعاون قبول کیا جائے جو اس کام کی قدر و قیمت اور اس کے مفہوم سے آگاہ ہیں۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

(نقل)

سر امین بہادر جو صدر المہام پیشی تھے انھوں نے ڈاکٹر اقبال کا مذکورہ خط منسلکہ نواب عثمان علی خان بہادر نظام حیدر آباد کی خدمت میں پیش کر دیا چنانچہ ان کا فرمان شرح صدور لایا کہ:

ڈاکٹر سر محمد اقبال کا خط منسلکہ مرسل ہے۔ واپس گزران کو کونسل کی رائے عرض کی جائے۔ شرح دستخط نظام مؤرخہ ۲۴ر صفر المظفر ۱۳۴۸ھ۔ (مثل نشان ۴۔۳۔۱۳۳۸ اف عدالت دفتر مہاراجا سر صدر اعظم بہادر باب حکومت)

چنانچہ صدر اعظم بہادر نے محکمہ عدالت (تعلیمات) کے توسط سے حسب ذیل عرضداشت نگاہ کسروی میں گزارنے کی سعادت حاصل کی:

خط معروضہ صدر میں سر محمد اقبال نے منجانب پروونشل کمیٹی [صوبائی مجلس] مسلم پروفیسر و علماء استدعا کی ہے کہ ان کا خیال ہے کہ وہ اپنے ہم وطنوں کی اصلاح اس طرح کر سکتے ہیں کہ روایات مسلم ادب کو از سر نو زندہ کیا جائے۔ اور جو لوگ ادب اسلام کے زندگی بخش و بدیار کن اثرات کے قائل نہیں ہیں ان میں اس طرح تیقن پیدا کیا جائے لیکن تاوقتیکہ اسلامی ریاستوں میں تمام ریاستوں کی سرتاج خصوصاً ریاست ابد مدت حیدر آباد دکن ہماری مالی امداد نہ فرمائے ہم اس اہم کام کو کسی طرح شروع نہیں کر سکتے۔ اسلام اور بنی نوع انسان کے مفاد کا مقتضی ابھی ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہ کام شروع کر دیا جائے۔

ہم کو کم از کم تین ہزار روپے سالانہ آمدنی کا یقین ہو جائے تو ہم اس وقت کام شروع کر دیں۔ ہمیں ریاست بھوپال اور بہاولپور سے پانچ سو سالانہ سے زیادہ کی اُمید نہیں ہے۔ عوام سے چندہ کا مطالبہ نہ کیا جائے گا کہ اعلیٰ طبقہ کے حضرات ہی ہمارے اس کام کے مقصد اور فائدے کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

اُمید ہے کہ حضرت اقدس و اعلیٰ کی عالمانہ توجہ مسلم طبقہ کے اس عزیز کام کے لیے بہر اعانت و امداد مبذول ہو گی۔ ادارہ کی وسعت کار جن دائروں پر حاوی ہو گی اس کی نیز دیگر مقاصد، اغراض ادارہ کی تفصیل پیش کردہ مطبوعہ رسالہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

بددیانت ناظم تعلیمات نے معروضی کیا ہے کہ ادارہ معارفِ اسلامیہ کے مقاصد بہت اچھے ہیں لیکن اس کے متعلق معروضہ حاشیہ اُمور قابل غور ہیں:

۱۔ اس کا پروگرام اور مجوزہ دائرۂ عمل بہت وسیع ہے۔

۲۔ اصلاحی نقطۂ نظر سے داعیان کی موزونیت اکثر شعبہ جان مجوزہ کے لیے محدود ہے۔

۳۔ داعیان کے منصبی کاروبار کی وجہ سے ان کو بہت کم وقت اس کام کے لیے مل سکتا ہے۔

ان وجوہ سے اس کام میں بہت زیادہ کامیابی کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔

ساتھ ہی ناظم تعلیمات نے یہ بھی معروضہ کیا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داعیان کی فہرست میں اکثر نام محض نمایشی ہیں۔ اور در حقیقت سر محمد اقبال اس کام کے روح رواں ہوں گے۔ سر محمد اقبال کی درخواست سے ظاہر ہے کہ ان کو اس ریاست ابدمت سے دو ہزار کلدار سالانہ کی امداد کی توقع ہے۔ سر محمد اقبال کی شخصیت و شہرت کا لحاظ فرماتے ہوئے اگر سرکار مناسب خیال فرمائیں تو ۳سال کے لیے دو ہزار کلدار سالانہ کی امداد دی جا سکتی ہے۔ ادارہ معارفِ اسلامیہ کی قوت عمل کا اندازہ تین سال میں بخوبی ہو سکتا ہے۔

معتمد تعلیمات نے عرض کیا ہے کہ انھیں ناظم تعلیمات کی رائے سے اتفاق ہے۔ صدر المہام بہادر فینانس [خزانہ] نے عرض کیا ہے کہ چونکہ ادارہ کے مقاصد واضح نہیں تھے اور یہ بھی صاف طور پر نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کس قدر رقم کی ضرورت ہے اور وہ کس طرح صرف کی جائے گی۔ اس لیے اب اس بارے میں انھوں نے ڈاکٹر سر محمد اقبال سے دریافت کیا تھا۔ سر اقبال کے پاس سے جو جواب وصول ہوا ہے اس سے واضح ہے کہ اسلامی علوم کی تحقیق کا جو کچھ کام اب تک ہوا ہے وہ زیادہ تر ادبی و تاریخی میدانوں میں ہوا ہے اور ان کا مقصد ادارہ کے قیام سے یہ ہے کہ مسلم محققین کو یکجا جمع کیا جائے جہاں وہ علاوہ ادبی و تاریخی مضامین کے ریاضی، طبیعیات، کیمیا اور دوسرے سائنفک علوم میں اپنی تحقیق و تدقیق کے نتائج ماہرین و مبصرین کے سامنے پیش کریں۔ ڈاکٹر اقبال نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ ادارہ کی آمدنی مدات معروضہ ذیل صرف کی جائے گی۔

۱۔ نتائج تحقیق کی اشاعت میں خوبصورت کتاب ہوگی یا بہ شکل روئیداد جلسہ ادارہ۔

۲۔ اہم کتب نصاب کی مشرحہ اشاعت۔

۳۔ دعوت یورپین [یورپی] مستشرقین جب کہ گنجایش اجازت دے۔

۴۔ تمدنِ اسلام کے متعلق یورپین اور دیگر زبانوں میں جو کتب تصنیف ہوں ان کا جمع کرنا بشرطیکہ گنجایش اجازت دے۔

۵۔ عجائب خانہ جب کہ رقم اجازت دے۔

۶۔ ایسے مستشرقین کا کرایہ ریل وغیرہ ادا کرنا جو اپنے صرفہ سے ادارہ کے اجلاس میں شرکت نہ کر سکیں۔

ادارے کے مقاصد کے مد نظر اور اس امر کے مد نظر کہ اس کی قیادت ڈاکٹر اقبال نے اپنے ذمے لی ہے ادارہ سرکاری عالی کی سرپرستی کا مستحق ہے۔ مقدار امداد کو سررشتہ فنانس [مالیات] باب حکومت کے صوابدید پر منحصر رکھتا ہے کہ دو ہزار (۲۰۰۰) کی حد تک جو رقم مناسب تصور کرے تجویز فرمائے۔ یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ باب حکومت میں پیش ہونے سے قبل جامعہ عثمانیہ کی رائے اس بارے میں حاصل کر لی جائے۔

مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ نے اپنے اجلاس (۹۹) منعقدہ ۲۴ر اسفندار ۱۳۳۹ف م (۲۶ر جنوری ۱۹۳۰ء) میں تحریک زیر بحث کے متعلق سررشتہ تعلیمات سے ہی فراہمی گنجایش کا اظہار کیا۔ لیکن بدریافت [پوچھنے پر] ناظم سررشتہ معروضہ صدر نے سررشتہ کی روز افزوں ضروریات کے مد نظر عدم گنجایش کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا ہے کہ اگر سرکار ابد قرار امداد عطا کرنا مناسب خیال فرمائیں تو زائد از موازنہ منظوری صادر فرمائی جائے۔

یہ کارروائی بعد گشت کونسل کے اجلاس منعقدہ ۱۵ر دے ۱۳۴۵ف میں پیش ہوئی جس میں بالاتفاق قرار پایا کہ دو ہزار روپے کلدار سالانہ کی امداد تین سال کے لیے منظور فرمائی جا سکتی ہے (۱۷ر شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ) (ایضاً) چنانچہ عرضداشت صیغہ تعلیمات معروضہ ۱۷ر شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ "جو لاہور والے ڈاکٹر سر محمد اقبال کے مجوزہ ادارہ معارفِ اسلامیہ کی امداد کی نسبت ہے" کے تقدمی جملوں کے ساتھ حسب ذیل فرمان جاری ہوا:

"حکم "کونسل کی رائے مناسب ہے جس پر ادارہ مذکورہ کو تین سال کے لیے دو ہزار روپیہ (۲۰۰۰) کلدار سالانہ کی امداد دی جائے۔ (شرح دستخط نظام مؤرخہ ۱۸ر شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ)

ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کی ورکنگ کمیٹی نے ایک قرارداد کے ذریعہ اس امداد کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس قرارداد کے سلسلے میں مسٹر محمد اقبال پروفیسر پرشین [فارسی] اورینٹل [شرقیہ] کالج [کلیہ] لاہور و ایکٹنگ سیکرٹری [قائم مقام معتمد] ادارہ مذکورہ نے جو خط صدر اعظم (بصیغہ تعلیمات) کے نام لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے:

The Provincial Working Committee of the IDARA-I-MAARIF ISLAMIA (ادارہ معارف اسلامیہ) met on the 25th of March 1931 in the Oriental College Lahore, under the chairmanship of Dr. Sir Mohammad Iqbal M.A., Ph.D., Bar-at-Law. A resolution thanking His Exalted Highness the Nizam for the annual grant of Rs.2000/- to the IDARA was unanimously passed. I have been authorised by the Chairman (Dr. Sir Mohammad Iqbal) to acknowledge receipt of your letter No.35 dated 5 Urdibihist 1340 and to request you to convey to His Exalted Highness our most sincere gratitude for the grant. The committee is also thankful to you and to the Finance Department for drawing the attention of His Exalted Highness to the request of Dr. Sir Mohammad Iqbal and securing the grant.

Necessary rules and regulations are being framed for starting the work of the Idara and as soon as they are ready your instruction with regard to receiving payment of the grant will be carried out.

I have the honour to be,

Sir

Your most obedient servant

Sd. Mohammad Iqbal,

Professor of Persian, Acting Secretary.

Dt.[Dated] 30 March 1931[1]

(مثل نشاں ایضاً)

یہ خط جس کی نقل مثل مذکورہ میں شریک اورینٹل کالج لاہور کے لیٹر [مراسلہ] پیڈ [گتہ] پر معلوم ہوتی ہے اور اس کے اندازِ تحریر و مواد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علامہ اقبال کے بجائے کسی دوسرے محمد اقبال کا ہے جو مذکورہ کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے لیکن صدر اعظم باب حکومت (بصیغہ تعلیمات) کے معروضہ مؤرخہ ۱۴ر صفر المظفر ۱۳۵۰ھ کی رو سے اس کی

ترجمہ:

ادارۂ معارف اسلامیہ کی صوبائی مجلس عاملہ کا اجلاس ۲۵ مارچ ۱۹۳۱ء کو اورینٹل کالج لاہور میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال، ایم اے، پی ایچ ڈی، بار ایٹ لا نے صدارت کی۔ ایک متفقہ قرارداد منظور کی گئی جس میں عالی جناب سرکار نظام حیدرآباد کا شکریہ ادا کیا گیا کہ ان کی طرف سے ادارے کے لیے سالانہ دو ہزار روپے کے عطیے کی منظوری دی گئی ہے۔ ادارے کے صدر نشین (ڈاکٹر سر محمد اقبال) کی طرف سے مجھے مامور کیا گیا ہے کہ آپ کے مراسلہ نمبر ۵ ء مؤرخہ ۱۵ اردی بہشت ۱۳۴۰ کی وصولی سے مطلع کریں اور آپ سے درخواست کروں کہ سرکار عالی مرتبت حضور نظام کی خدمت میں مخلصانہ احساس تشکر پیش فرمائیں۔ کمیٹی آپ کی اور محکمہ مالیات کی بھی ممنون ہے کہ آپ نے سرکار نظام کی توجہ ڈاکٹر محمد اقبال کی اس درخواست کی جانب مبذول کروائی اور اس سالانہ امداد کا اہتمام فرمایا۔

ادارے کے قواعد و ضوابط ترتیب دیے جا رہے ہیں اور جونہی اس کام کی تکمیل ہو چکے گی آپ کی ہدایات کے مطابق اس مالی امداد کے حصول کے لیے کارروائی کر دی جائے گی۔

بہ اعزاز و تکریم

جناب مکرم

میں ہوں آپ کا خادم دیرینہ

محمد اقبال

استاد فارسی، قائم مقام معتمد

مؤرخہ ۳۰ر مارچ ۱۹۳۱ء

[مترجم: محمد سہیل عمر]

نسبت ڈاکٹر سر محمد اقبال سے کرتے ہوئے اسے انھوں نے حضور نظام کی خدمت میں پیش کیا ہے (فنانس اور دوسرے متعلقہ محکموں کی امثلہ دیکھ کر ہی صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے کیونکہ مثل ہذا میں اس کی نقل معتمد داخلہ مسٹر اظہر حسن (ہوم سیکرٹری) کی دستخط سے بطور ٹروکاپی [اصل نقل] شریک ہے اور اس سے ٹھیک اندازہ نہیں ہوتا۔)

ڈاکٹر اقبال کے ادارہ معارفِ اسلامیہ کو دو ہزار کلدار سالانہ امداد کے سلسلے میں جو خط و کتابت اور عہدے داران سرکار عالی کے درمیان ہوئی ہے اس کے مطالعہ کے بعد رموزِ بے خودی کے وہ قطعات جو یادگار سلور جوبلی آصف سابع ۱۳۳۵ھ میں مرتبہ محمد فاضل میں بعنوان "از تو باقی سطوت دین مبیں" [تجھ سے دین مبین کی نشان باقی ہے] نظر سے گزرے پیش کیے جاتے ہیں۔ فاضل مرتب نے انھیں نواب میر عثمان علی خان بہادر نظام دکن کی شان میں منسوب سمجھ کر مذکورہ سلور جوبلی [جشن زریں] نمبر میں شایع کیا ہے:

اے مقامت برتر از چرخ بریں! — از تو باقی سطوت دین مبیں!
جلوۂ صدیق از سیمائے تو! — حافظ ما تیغ جوشن قائے تو!
از تو مارا صبح خنداں شام ہند — استعانت مرکز اسلام ہند!
دوش ملت زندہ از امروز تو — تاب این برق کہن از سوز تو
بندگانستیم ما تو خواجہ! — از پے فردائے ما دیباچۂ
پیش سلطان این گہر آوردہ ام — قطرۂ خون جگر آوردہ ام![1]

(ڈاکٹر سر محمد اقبال)

---

[1] ترجمہ:

اے کہ جس کا مقام چرخ بریں سے بلند — تجھ سے دین مبین کی شان باقی ہے
صدیق کا جلوہ تیری پیشانی سے ظاہر — تیری تیز تلوار ہماری محافظ ہے
تجھ سے ہندوستان کی شام بھی مسکراتی صبح — تیری مدد سے ہندوستان مرکز اسلام
ملت کا آنے والا کل تیرے آج سے زندہ — اس برق کہن کی چمک تیرے سوز سے
ہم تیرے بندہ تو ہمارا آقا — ہمارے مستقبل کے لیے تو دیباچے کی طرح
بادشاہ کے سامنے یہ موتی لایا ہوں — اپنے خونِ جگر کا ایک قطرہ لے کر آیا ہوں

[مترجم: محمد سہیل عمر]

معروضہ صدر اعظم محولہ بالا میں صدر المہام بہادر فنانس کے موسومہ ڈاکٹر اقبال کا ایک خط اور اس کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں غالباً اس سلسلہ میں ایک خط ڈاکٹر صاحب موصوف فنانس ممبر [رکن مالیات] ایگزیکٹو کونسل [مجلس منتظمہ] اکبر حیدری نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر کے نام لکھا تھا جس کے بارے میں نظام دکن نے بصیغہ راز اپنی کونسل کی رائے میں دریافت کرتے ہوئے فرمان جاری کیا۔

> سر محمد اقبال نے جو خط حال میں فنانس ممبر کے نام لکھا ہے اس کے متعلق کونسل کی کیا رائے ہے بصیغہ راز مجھے اطلاع دی جائے جب کہ کل اراکین تعطیلات سے واپس آجائیں کیونکہ یہ معاملہ مذہبی حیثیت سے ہونے کے خیال سے اہم ہے جس کا تعلق ہماری ریاست سے ہے جو کہ سب سے بڑی مسلم ریاست ہے۔ (شرح دستخط نظام ۱۶ار محرم الحرام ۱۳۵۰ھ مثل نشان ۳۰/۳۰سیاسیات (راز)، ۱۳۴۰ ف دفتر مہاراجہ صدر اعظم باب حکومت)

مذکورہ مثل یہی ایک کاغذ (فرمان) ہے جس کی وجہ سے یہ ظاہر نہیں ہوسکا کہ ڈاکٹر اقبال کا مذکورہ خط کسی مذہبی معاملے کے سلسلے میں تھا۔ غالباً یہ ارادہ معارفِ اسلامیہ کے بارے ہی میں ہوگا۔ کیونکہ اس مثل پر اگلی ایک مثل پر اگلی ایک مثل کا نمبر ہے جو ڈاکٹر صاحب موصوف کی مالی امداد کے بارے میں ہے۔

ڈاکٹر اقبال کی مالی امداد کے لیے نواب صاحب بھوپال کی تحریک

سر محمد اقبال کی امداد کے سلسلے میں نواب صاحب بھوپال نے ایک خط نواب میر عثمان علی خان بہادر نظام آف حیدرآباد کے نام لکھا تھا۔ اس خط کی نقل دیتے ہوئے نظام نے ایک فرمان جاری کیا۔

> سر محمد اقبال کی امداد کے متعلق نواب صاحب بھوپال کے خط کی نقل ملفوف ہے۔ اس بارے میں کونسل کی رائے عرض کی جائے تو مناسب صادر ہوگا۔ (شرح دستخط ۱۷ار محرم الحرام ۱۳۵۱ھ مثل نشان ۵۔۳۔۱۳۵۱ھ ف صیغہ سیاسیات دفتر پیشی مہاراجہ صدر اعظم باب حکومت)

نواب صاحب بھوپال کے مذکورہ خط کی نقل نظام الملک آصف جاہ ایچ ای نظامز گورنمنٹ [حکومت عزت مآب نظام] کے سرکاری لیٹر پیڈ پر ہے۔ یہ خط بھوپال وسط ہند سے ۱۴ر مئی ۱۹۳۲ء کو لکھا گیا ہے اور اس میں نظام کو برادرِ محترم مائی ریورڈ اینڈ ریسپکٹڈ برادر [میرے واجب التعظیم اور معزز بھائی] کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ مکمل متن حسب ذیل ہے:

I am writing this to your interest in Dr. Sir. Mohammad Iqbal. Your Exalted Highness, as Ruler of the Premier Muslim State with long and glorious traditions of patronage of Art and Literature to whose munificence and generous gift the country in general and the Muslim Community in particular owe such a deep debt of gratitude, your Exalted Highness knows better than anybody else the eminent position Iqbal occupies in the literary world as a poet and philosopher whose muse is ever fresh and inspiring. His genius has blazened the name of Indian Muslims over the world and his magic has released rich stores of creative energy that lay hidden in the generation to whom his song has reached. He is most responsively interpreting the massage of Islam to the West in all its simplicity and attraction.

Financial troubles and worries are, however, seriously cramping his literary activities. If he is relived of these anxieties he would be able to devote himself with undivided attention to the great literary work he is doing. A thousand rupees a month will free him from all financial cares on account of the maintenance of his family. Your Exalted Highness has always taken a kindly beneficial interest in such matters. If you are pleased to extend your gracious patronage to Iqbal to that extent it will be for an eminently deserving case and will earn for Your Exalted Highness and the great State of Hyderabad

the gratitude of all those who are interested in Oriental literature and Islamic Culture and Philosophy.

With all good wishes and my respect.

I remain with the high esteem

Yours affectionately,

Sd.

Hamidullah

His Exalted Highness

the Nizam Hyderabad CSI, GBE[1]

ترجمہ:

یہ تحریر آپ کو ڈاکٹر سر محمد اقبال کی جانب توجہ دلانے کے لیے لکھی جا رہی ہے۔ ہندوستان کی سب سے بڑی مسلم ریاست کے فرمانروائے طور پر علوم و فنون کی سرپرستی کی درخشندہ روایت آپ سے منسوب ہے اور آپ کی فیاضی، کرم گستری اور فراخدلانہ انعام و اکرام ہر ایک کے لیے۔ یہ ملک بالعموم اور مسلم عوام بالخصوص ایک عمیق احساس تشکر رکھتے ہیں۔ عالی مرتبت کو دیگر حضرات سے بڑھ کر معلوم ہے کہ علم و ادب کی دنیا میں فلسفی اور شاعر کے طور پر اقبال کس بلند حیثیت کے مالک ہیں۔ ان کی شاعری ہر دم تازہ اور ولولہ انگیز ہے۔ ان کی ذہانت و فطانت نے ہندوستانی مسلمانوں کے نام کو دنیا بھر میں چار چاند لگا دیے ہیں اور ان کی آواز کے جادو نے تخلیقی توانائی کے اس سوتے کو ابھار دیا ہے جو ان کی شاعری کے قارئین کے اندر چھپا ہوا تھا۔ مغرب کے لیے وہ اسلام کے پیغام کی پُر کشش اور سادہ تعبیر پیش کر رہے ہیں۔

تاہم اقبال کو جن مالی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا ہے، اس سے ان کی ادبی سرگرمیاں بُری طرح متاثر ہو رہی ہیں۔ اگر انھیں فکرِ معاش سے آزاد کر دیا جائے تو وہ اپنے عظیم ادبی کارناموں کی جانب پوری یکسوئی سے توجہ دے سکیں گے۔ ایک ہزار روپے ماہانہ وظیفہ انھیں اپنے گھر بار کے اخراجات کی طرف سے ہر فکر سے آزاد کر سکتا ہے۔ سرکار والا نے ہمیشہ اس طرح کے معاملات میں ایک فیض رساں کی حیثیت سے دلچسپی لی ہے۔ اگر آپ کرم فرمائیں اور اقبال صاحب کو بھی اپنی فیاضیانہ سرپرستی میں لے لیں تو ایک نہایت مستحق شخص پر عنایت ہو گی اور سرکار والا تبار اور حیدر آباد کی عظیم ریاست کے لیے وہ سب لوگ ممنون اور شکر گزار ہوں گے جنھیں مشرقی علوم، اسلامی ثقافت اور فلسفے سے شغف اور تعلق ہے۔

تمام نیک خواہشات اور احترامات فراواں کے ساتھ
آپ کا خیر خواہ اور نیاز مند
حمید اللہ

عالی جاہ سر، والا مرتبت
نظام حیدر آباد، جی بی ای، سی ایس آئی

۱ مترجم: محمد سہیل عمر

نشان مثل F/L5۱۲۳ پولیٹیکل سیکرٹری آفس

معتمد محکمہ سیاسیات نے نظام کے فرمان کے ساتھ مذکورہ خط کے بارے میں جو نوٹ لکھا وہ حسب ذیل ہے:

محولہ بالا خط میں نواب صاحب بھوپال نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت کے فرمانروا ہونے کی حیثیت سے حضرت اقدس و اعلیٰ نے علوم و فنون کی جس فیاضی سے سرپرستی فرمائی ہے اس کا تمام ملک اور خصوصاً فرقہ اسلام نہایت ممنون احسان ہے اور دنیائے ادب میں. ایک شاعر اور فلسفی ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر اقبال کو جو مرتبہ حاصل ہے وہ ذات شاہانہ پر بخوبی روشن ہے ان کی شاعری نے مسلمانان ہندوستان کے نام کو تمام عالم میں روشن کر دیا ہے اور یہ نہایت مستعدی کے ساتھ پیامِ اسلام کی مغربی ممالک میں ترجمانی کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی مالی مشکلات ان کی ادبی جدوجہد میں سخت مزاحم ہو رہی ہیں پس اگر ان کو ان مشکلات سے نجات دلوادی جائے تو یہ اپنے ادبی مشاغل میں ہمہ تن مصروف ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو اپنے خاندان کی پرورش کے لیے ماہانہ ایک ہزار روپے کی آمدنی فراہم ہو جائے تو وہ مالی مشکلات سے نجات پائیں گے۔

چونکہ حضرت اقدس اعلیٰ نے ایسے معاملات میں ہمیشہ سے دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے اس لیے بارگاہ ہمایونی میں بھی تجویز پیش کی ہے کہ اگر ڈاکٹر اقبال کو اس حد تک مالی امداد منجانب سرکار عالی دیئے جانے کی نسبت نظر التفات فرمائی جائے تو وہ تمام لوگ جو مشرقی ادب اور اسلامی تعلیمات و فلسفہ سے دلچسپی رکھتے ہیں ذاتِ شاہانہ اور اس ریاست ابدمدت کے ممنون احسان مندرہیں گے۔ (ایضاً)

یہاں تک تو نواب صاحب بھوپال کے خط کی ترجمانی کی گئی ہے۔ معتمد صاحب سیاسیات نے اس پر رائے دیتے ہوئے لکھا تھا کہ:

اگر ارشاد ہو تو بہ تعمیل فرمان محولہ بالا سے کاروائی بعد حصول رائے محکمہ فنانس معزز کونسل میں پیش کیے جانے کے لیے باب حکومت کو بھیج دی جائے گی۔

کونسل میں جانے سے پہلے صدر المہام بہادر سیاسیات جنگ سید محمد مہدی (سر مہدی یار جنگ جو حال ہی میں معتمدی سے صدر المہامی سیاسیات پر فائز ہوئے تھے) نے جو حکم دیا اس نے اس کارروائی کے مستقبل کا رُخ متعین کر دیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

یہ امر کہ سر محمد اقبال اچھے شاعر ہیں اس کے بارے میں فن شاعری کے ماہروں میں اختلاف ہے اگر فرض کیا جائے کہ وہ اچھے شاعر ہیں تب بھی یہ وجہ ان کو ایک ہزار روپیہ ماہوار دینے کے لیے کافی نہیں ہے نواب صاحب بھوپال جو ان کی سفارش کرتے ہیں وہ خود ان کو کیوں نہیں کچھ دیتے؟

اُصولاً حیدرآباد کا روپیہ اسٹیٹ [ریاست] کے باہر نہ جانا چاہیے جب تک کوئی واقعی ضرورت نہ ہو۔ موجودہ فنانشنل [مالی] تنگی اور اسٹیٹ کی آمدنی کی کمی کے نظر کرتے ایک حبہ بھی باہر بھیجنا گویا جرم ہے۔

بلکہ اب ہم کو اس نظریہ سے اس مسئلہ کو دیکھنا ہے کہ انفرادی طور پر جو لوگوں کو ماہواریں ملک کے باہر دی جارہی وہ کس مصلحت پر مبنی ہیں یا کس خدمت کے صلہ میں دی جاتی ہیں یا ایسی کون سی سیاسی اغراض وابستہ ہیں اور ایسے تبصرہ کے بعد غیر ضروری ماہواروں کو تخفیف کر دینا چاہیے۔ لہٰذا نواب صاحب بھوپال کے رقعہ کے جواب میں یہاں سے عذر ہونا بہتر ہے۔ فقط

(شرح دستخط مہدی یار جنگ ۲رامرداد ۱۳۴۱ف)

چونکہ اب یہ کارروائی سررشتہ فنانس جانا تھی اس لیے وہاں سے منصرم معتمد فنانس سے نواب سر صدر المہام بہادر فنانس کے حسب تجویز یہ رائے دی:

سررشتہ فنانس کو عالی جناب نواب صدر المہام بہادر سیاسیات کی رائے سے اصولاً اتفاق ہے لیکن اس ضمن میں عالی جناب سر صدر المہام بہادر کونسل میں چند اُمور کے متعلق گفتگو فرمائیں گے۔

جب کارروائی مہاراجہ صدر المہام بہادر باب حکومت جناب سر کشن پرشاد بہادر کی خدمت میں پیش ہوئی تو انھوں نے فرمایا:

صدر المہام سیاست کی رائے سے اتفاق ہے۔ ایسے تجویز میں نے کی تھی کہ بیرونی ماہوارات اور وظائف کے متعلق تنقیح ہونی چاہیے۔ ایسے تنقیح کے لیے کونسل [مجلس] سے کمیٹی [مجلس] مقرر کی جائے تو مناسب ہے۔

(شرح دستخط مہاراجہ کشن پرشاد، ۵/ربیع الاول شریف ۱۳۵۱ھ)

معتمد صاحب سیاسیات کی گزارشات پر دونوں صدر المہام کی آراء کے بعد اصولاً یہ کاروائی کونسل میں پیش ہونا تھی کیونکہ صدر المہام فنانس کونسل میں اس مسئلہ میں گفتگو کرنے اور صدراعظم باب حکومت نے بیرونی امدادوں کے بارے میں تنقیح کے لیے کونسل کی جانب سے کمیٹی کے تقرر کو مناسب سمجھا تھا۔ لیکن "ضروری" کے عنوان سے مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام سیاسیات نے حکم دیا کہ "گزارش اراکین کونسل کے پاس گشت کرائی جائے۔"

چنانچہ یہ کونسل کے اراکین میں بذریعہ گشت پہنچائی گئی اور حسب ذیل سلسلہ کے ساتھ معزز اراکین کونسل نے اپنے آرا اس کاروائی پر دیے۔

۱۔ جناب صدر المہام بہادر فوج نواب ولی الدولہ "افسوس ہے کہ ریاست کی مالی حالت کے مد نظر کسی امداد کی رائے نہیں کی جا سکتی۔"

۲۔ جناب صدر المہام بہادر فنانس نواب سر حیدر نواز جنگ۔ نتھنگ ٹو ایڈ [مزید اضافے کے لیے کچھ بھی نہیں] (پولٹیکل ممبر)

۳۔ جناب صدر المہام بہادر مال لیفٹیننٹ سر رچرڈ تیونکس ٹرنچ

"I agree with HPMI. It would be an absolutely unjustifiable expenditure of the tax prayers money."[1]

۴۔ جناب صدر المہام بہادر تعمیرات نواب عقیل جنگ "جناب نواب صاحب صدر المہام سیاسیات کی رائے سے اتفاق ہے۔"

---

[1] ترجمہ:
مجھے ایچ پی ایم آئی کی رائے سے اتفاق ہے۔ ٹیکس دینے والوں کے مال کو یہ استعمال قطعاً ناروا سمجھا جائے گا۔
[مترجم: محمد سہیل عمر]

۵۔ جناب صدر المہام بہادر عدالت نواب لطف الدولہ "معزز رکن فنانس جو چند اُمور کے متعلق کونسل میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں ان کے معلومات کرنے کے بعد رائے ظاہر کی جائے گی۔"

۶۔ جناب صدر المہام بہادر سیاسیات مہدی یار جنگ "مجھے کچھ اضافہ کرنا نہیں ہے۔"

۷۔ جناب صدر المہام باب حکومت مہاراجا کشن پرشاد "صدر المہام صاحب سیاسیات کی رائے سے اتفاق۔"

ان آراء کے بذریعہ گشت حصول کے بعد جب ۲؍دے ۴۲ف باب حکومت ایگزیکٹو کونسل [مجلس منتظمہ] کا اجلاس ہوا تو اس میں یہ اتفاق طے پایا کہ سر محمد اقبال کے لیے ماہوار مقرر کیا جانا کونسل کی رائے میں مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا نواب صاحب بھوپال کے رقعہ کا جواب اخلاقاً نفی میں دیے جانے کی نسبت پر پیش کشی معروضہ ادبا بارگاہ خسروی سے احکام حاصل کیے جائیں۔" نواب صاحب بھوپال کے خط کے جواب میں کونسل کے فیصلہ کے بموجب نظام دکن کی طرف سے جو خط لکھا گیا اس کا ایک مسودہ برائے محکمہ سیاسیات نے بنایا اور دوسرا مسٹر ٹاسکر نے۔ دونوں مسودات برائے موازنہ طرزِ فکر پیش ہیں:

1. "With reference to your letter dated the 4th May, 1932 regarding the grant of pecuniary assistance to Sir Mohammad Iqbal. I deeply regret, that owning to continuous and heavy demands my Government is unable to recommend the grant of an allowance to him. I hope you will [agree] that under the circumstances nothing can be done for Sir Mohammad Iqbal."

2. "I much appreciate the considerations which prompted you to write to me. On the fourth of May last regarding the private circumstances of Dr. Sir. Mohammad Iqbal. And I need hardly say that with your

Highness I value highly his services to Islamic literature. After careful consideration, however, and after consulting my council, I regret that I cannot see my way to make such a grant as is suggested."[1]

(ایضاً)

مسٹر ٹی جے ٹاسکر منصرم صدر المہام مال و کوتوالی کا مرتبہ مذکورہ مسودہ عرضداشت کے ساتھ بارگاہِ ہمایونی گزرانا گیا۔ حالانکہ کونسل میں محکمہ سیاسیات کا مسودہ پیش کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ غالباً کسی تحت کے عہدے دار نے اپنے طور پر کرلیا۔ کیونکہ یہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ شائستہ (پولائٹ) محسوس ہوتا ہے۔

پیشی ہمایونی سے سرسری اضافہ خصوصاً آخر میں لیزاز سجسٹڈ [جیساکہ مشورہ دیا گیا] کے بعد:

"Specially at a time when financial affairs of the country are not satisfactory."[2]

---

[1] ترجمہ:

۱۔ سر محمد اقبال کی مالی امداد کے ضمن میں آپ کے مراسلے مؤرخہ ۱۴ مئی ۱۹۳۲ء کے حوالے سے مجھے نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ میری حکومت پر مسلسل اور بھاری مالی دباؤ کی وجہ سے ہم ان کے لیے کسی مالی امداد کی منظوری دینے سے قاصر ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ پر یہ امر واضح ہوگا کہ سر محمد اقبال کے لیے کچھ کرنا ممکن نہیں۔

۲۔آپ نے ۴ مئی کو ڈاکٹر سر محمد اقبال کے مالی حالات کے بارے میں جن خیالات کے تحت مجھے لکھا تھا میں ان کا قدردان ہوں اور آپ کی طرح میں بھی اسلام کے لیے ان کی خدمات کا معترف ہوں۔ تاہم افسوس ہے کہ معاملے کا بغور جائزہ لینے کے بعد اور اپنی کونسل کے مشورے کے بعد مجھے کوئی راہ عمل نظر نہیں آتی جو اس نوع کی کسی امداد کا امکان پیدا کر سکے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

[2] ترجمہ:

بالخصوص ایسے زمانے میں جب ملک کے مالی حالات غیر اطمینان بخش ہوں۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

ایضاً

کا اضافہ کیا گیا۔ نظام نے اس پر ۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ کو دستخط کیے اور اسے ۳ر جنوری ۱۹۳۳ء کو نواب صاحب بھوپال کے ہاں روانہ کر دیا گیا۔ لیکن محکمہ فنانس کے معتمد نواب فخر یار جنگ بہادر نے یکم فروری ۱۹۳۳ء کو اس کی نقل محکمہ سیاسیات سے طلب کی۔ غالباً وہ امداد ملنے کی توقع میں آگے کی مالی کارروائی کے بارے میں فکر مند تھے۔

صدر اعظم سر اکبر حیدری کے دور میں علامہ اقبال کی امداد کی کارروائی کا احیاء

۱۳۴۸ف م ۱۹۳۶ء میں سر اکبر حیدری نے صدر اعظم باب حکومت کا عہدہ جلیلہ سنبھالا۔ سر حیدری بھی سر اقبال کے قریب ترین دوستوں میں تھے۔ بظاہر اس تحریک کا باعث علامہ اقبال کے بڑے فرزند جناب آفتاب اقبال تھے جنھوں نے ۱۰ر جنوری ۱۹۳۶ء کو ایک خط جناب حیدری کے نام لکھا اور اپنی ناگفتہ بہ معاشی پریشانیوں پر لکھتے ہوئے علامہ اقبال کے سلسلے میں بھی لکھا کہ:

"My father is in comparative poverty and is quite unable to help me in any way..... After all my father has done something for the advancement of Muslim community in India. In fact everybody thinks here that Hyderabad State should be generous enough to keep the post alive by making him a monthly allowance of a reasonable sum of money in his old age. His health is failing and one doubts whether he has many years to live.

Nawab Sahib, would you like a future biographer of my father to say that poet Iqbal and his children lived in poverty while

Hydari was at the height of his power and influence in Hyderabad State."[1]

(نشان مثل ۵ر۳ر۱۳۴۱ اف باب حکومت سیاسیات)

جناب آفتاب اقبال نے یہ خط ۲۶ فیروز پور روڈ لاہور سے لکھا جس کے جواب میں سر اکبر حیدری کے پرنسپل اسسٹنٹ [ذاتی معتمد] نے ۲۶ر جنوری ۱۹۳۷ء کو حیدر آباد دکن سے جواباً لکھا (غالباً آفتاب اقبال نے اپنے خط میں ۱۹۳۷ء کے بجائے ۱۹۳۶ء لکھ دیا تھا۔

"With reference to your letter of the 10th instant to the Right Hon'ble Sir Akbar Hydari, I am desired to inform you that he is most anxious that Sir Muhammad Iqbal's signal services to the nation should be recognised by a suitable allowance in his present state of health and he will take the earliest possible opportunity of having the matter placed before His Exalted Highness Government for consideration."[2]

ترجمہ۔

میرے والد نسبتاً افلاس کا شکار ہیں اور کسی بھی طرح میری مدد کرنے سے قاصر ہیں۔ میرے والد نے مسلمانان ہند کی ترقی کے لیے بہر حال کچھ تو کیا ہے فی الواقع ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ ریاست حیدر آباد کو اتنی فیاضی تو دکھانا چاہیے کہ اس شاعر کو زندہ رکھنے کے لیے اس کے بڑھاپے میں ایک معقول وظیفہ فراہم کر دے۔ ان کی صحت گر رہی ہے اور کچھ بھی نہیں جا سکتا کہ کتنے سال اور جئیں گے۔ نواب صاحب آپ یہ دیکھنا چاہیں گے کہ مستقبل میں میرے باپ کا کوئی سوانح نگار یہ لکھے کہ شاعر اقبال اور اس کا خاندان تو عسرت کی زندگی میں مبتلا تھا اور اکبر حیدری صاحب ریاست حیدر آباد میں اپنے اثر و رسوخ اور قوت و اختیار کے بام عروج پر تھے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

۲ ترجمہ۔

رواں ماہ کی ۱۰ تاریخ کو آپ نے سر اکبر حیدری صاحب کے نام جو خط ارسال کیا تھا اس کے حوالے سے مجھے یہ اطلاع دینے پر مامور کیا گیا ہے انھیں اس بات کی بہت فکر ہے کہ سر محمد اقبال کی فید المثال خدمات ملی کے اعتراف میں ان کی موجودہ حالت صحت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے لیے ایک معقول وظیفے کا اہتمام کر دیا جائے اور وہ کوشاں ہیں کہ معاملے کو جلد از جلد سرکار نظام کی حکومت کے سامنے پیش کیا جا سکے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

(نشان مثل ۵/۳/۱۳۴۱ف سیاسیات پیشی صدر اعظم باب حکومت)

سر اکبر حیدری کے ایک قدیم دوست سردار امراو سنگھ شیر گل مجھٹیا نے جو علامہ اقبال کے بھی دوست تھے اس سلسلے میں ان سے خط و کتابت کی تھی جیسا کہ ان کے ذیل کے خطوط سے ظاہر ہے جو انھوں نے حیدری کو لکھے:

"I am indeed glad to receive your letter concerning our mutual friend Dr. Sir. Muhammad Iqbal and to know that you had the matter in mind already and wish to take the opportunity for moving in the matter" (2nd April, 1937 from The Holme, Summer Hill, Simla. W)'

(مثل نشان ایضاً)

and

" I am writing these lines to remind you about the matter which we corresponded about before your departure for England, namely Dr. Sir Mohammad Iqbal's appreciation as a great poet by the Govt. of H.E.H the Nizam. Your had promised to do everything possible in the matter and I hope you have found it right and proper to bring the matter up."

ترجمہ:

میرے لیے یہ امر یقیناً موجب مسرت ہے کہ آپ نے ہمارے مشترکہ دوست ڈاکٹر سر محمد اقبال کے بارے مجھے خط لکھا اور آپ پہلے سے اس مسئلے سے آگاہ تھے اور اس ضمن میں معاملے کو آگے بڑھانے کا موقع [illegible] ہیں۔ (۲/اپریل ۱۹۳۷ء، از دی ہولمز، سمر ہل، شملہ، ڈبلیو)

(مترجم [illegible])

(Lr.[Letter] Dt.[Dated] 2nd October 1937)[1]

and

"I did not hear in answer to my brief reminder about what you had promised to urge for our great poet Iqbal. I neither can nor should insist on any thing which is for HEH to decide and for you to recommend or not as seems fit to you under the circumstances but I should like to have received some sort of reply. Perhaps you were on the move or too busy though it is unlikely that my letter missed your altogether".

(Lr.[Letter] Dt.[Dated] 7th January 1938)

(نشان مثل ایضاً)

اس خط کے جواب میں سر اکبر حیدری نے جو خط سردار امراؤ سنگھ کو لکھا اس سے ان کوششوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے جو سر اکبر حیدری ڈاکٹر اقبال کی امداد کے سلسلے میں کر رہے تھے۔

"Thanks very much for your letter of the 7th January reminding me of your former letter

---

[1] ترجمہ:

اور

میں یہ سطور اس غرض سے تحریر کر رہا ہوں کہ آپ کو اس معاملے کی یاد دہانی کروا سکوں جس پر ہماری پہلے بھی مراسلت ہوئی ہے۔ میری مراد ہے ڈاکٹر سر محمد اقبال کے لیے سرکار والا جاہ حضور نظام کی حکومت کی جانب سے ایک عظیم شاعر کی خدمات کا اعتراف۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ اس سلسلے میں ہر ممکنہ کوشش کی جائے گی اور مجھے اُمید ہے کہ آپ نے معاملے کو اُٹھانے کا کام ایک کار لائقہ اور مناسب امر جان کر کیا ہوگا۔

(خط مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء)

[مترجم: محمد سہیل عمر]

in connection with Dr. Iqbal. I am sorry that a reply was not send to you owing to your letter being filed along with the inquiry being made about Dr. Iqbal himself and must apologise for the oversight. I, suppose you have read that we celebrated the Iqbal day in Hyderabad with the Princess of Berar presiding at the morning session and Maharaja Sir Kishan Pershad Bahadur during the afternoon and evening. Some slight financial help has also been given but that is not enough, but I am keeping the matter in mind and shall take the first opportunity of adding to it."

(Lr.[Letter] Dt.[Dated] 12-1-1938)[1]

(نشان مثل ایضاً)

یہ یوم "مسلم کلچر سوسائٹی" [مجلس ثقافت اسلامیہ] کی جانب سے بروز جمعہ ۷/جنوری ۱۹۳۸ء کو منایا گیا تھا۔ نواب اصغر یار جنگ بہادر نے اس سوسائٹی کے آنریری سیکرٹری [اعزازی معتمد] کی جانب سے درخواست دی تھی کہ اس دن کے لیے ٹاؤن ہال [ایوانِ بلدیہ] دیا جائے۔ اس سلسلے میں چیف سیکرٹری کے دستخط سے نظام دکن کا ایک نیم سرکاری فرمان

---

[1] ترجمہ:

سات جنوری کے خط کا شکریہ۔ آپ نے ڈاکٹر اقبال صاحب کے معاملے کی سابقہ مراسلت کی یاد دہانی کروا کے اچھا کیا۔ افسوس کہ آپ کے خط کا جواب نہ جا سکا۔ ہوا یوں کہ اس خط کو ڈاکٹر اقبال صاحب کے بارے میں کی جانے والی تفتیش کے ساتھ نتھی کر دیا گیا۔ میں اس بے توجہی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ میرا گمان ہے کہ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ ہم نے حیدرآباد میں یومِ اقبال منعقد کیا۔ صبح کے اجلاس کی صدارت ریاست برار کی سربراہ نے کی جب کہ سہ پہر اور شام کے اجلاسوں کی صدارت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر نے کی۔ کچھ مالی امداد بھی فراہم ہوئی مگر یہ کافی نہیں ہے۔ معاملہ میرے ذہن میں ہے اور میں پہلا موقع پاتے ہی اس میں اضافہ کروں گا۔

(خط مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۳۸ء)

[مترجم: محمد سہیل عمر]

بتاریخ یکم ذیقعدہ الحرام ۱۳۵۶ھ نواب حسن نواز جنگ بہادر معتمد سیاسیات کے نام حسب ذیل جاری ہوا۔

اس وقت اجازت دی جاتی ہے مگر آیندہ سے ٹاؤن ہال کے استعمال کی اجازت خاص حالات کے تحت دی جائے گی نہ کہ ایسے ویسے کام کے لیے دو (۲) دو (۲) کے فاصلے سے۔ اس کا خیال رہے۔ (نشان مثل ۵/۷/۳۴ ۱۳ف (سیاسیات) پیشی صدر اعظم باب حکومت)

خط کشیدہ جملوں سے اس وقت نظام ؒ انداز فکر ظاہر ہو رہا ہے۔ اسی طرح سردار امراؤ سنگھ کے جواب میں سر اکبر حیدری کے خط کشیدہ جملے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ امداد کے مسئلہ میں کوئی تحقیقات علامہ اقبال کے سلسلے میں کی جارہی تھیں۔ ان تحقیقات کی ضرورت کیا اس وقت کے مخصوص سیاسی حالات کی وجہ سے لاحق ہوئی یا کوئی اور وجہ تھی۔ یہ بات راست طور پر معلوم نہیں ہو سکی البتہ سردار امراؤ سنگھ کے ایک خط بنام سر اکبر حیدری سے اس معاملہ میں کسی قدر روشنی پڑتی ہے:

> I expect that in deciding the matter about which I wrote to you, his rather strong views antagonistic to the West which he has expressed more strongly than ever in his last work *PAS CHE BAYAD KARD AI AQWAM-E-SHARQ* (پس چہ باید کرد اے اقوام شرق) ?Will not be taken into account for the judgement should be based purely on the outstanding merit of his genius.
>
> Lr.[Letter] Dt.[Dated] 2nd April, 1937[1]
>
> (نشان مثل ایضاً)

ترجمہ:

مجھے اُمید ہے کہ جس معاملے پر میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا اس معاملے پر فیصلہ کرتے ہوئے ان کے وہ افکار جو انھوں نے مغرب کے بارے میں ظاہر کیے ہیں اور جو زیادہ شدت سے ان کی تصنیف "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" میں سامنے آئے ہیں ان خیالات کو فیصلے کی بنیاد نہیں بنایا جائے گا اور ان کی اعلیٰ خدمات اور علمی مقام کو ہی ترجیح دی جائے گی۔

(خط مؤرخہ ۲/ اپریل ۱۹۳۷ء)

(مترجم: محمد سہیل عمر)

علامہ اقبال کے پسماندگان کی مالی امداد

علامہ اقبال کے زمانۂ حیات میں کوئی پنشن [وظیفہ حسنِ خدمت] ریاست حیدرآباد سے جاری نہ ہو سکی البتہ ان کے پسماندگان کی امداد کے سلسلے میں ڈاکٹر مظفر الدین قریشی صدر شعبہ کیمیا جامعہ عثمانیہ کی توجہ دہانی پر ان کی بیوہ اور دو بچوں کی پرورش کے لیے کچھ وظائف یہاں سے جاری کیے گئے تھے جس کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

(ا) ۲۸رجون ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر مظفر الدین قریشی نے ایک خط کے ذریعہ علامہ اقبال مرحوم کے خاندان کے سلسلے میں حسب ذیل تفصیلات سر اکبر حیدری کی خدمت میں پیش کیے:

1. Javid Iqbal aged about 14 years studying in 9th Class.
2. Munira Begum aged about 9 years studying in School.

Note: The first wife of the late Sir Mohammad Iqbal aged 56 years in still alive. She has been living with her father since a long time. The son of the late Sir Mohd.[Muhammad] Iqbal from this wife, Mr. Aftab Iqbal M.A. (London), Bar-at-Law aged about 36 in practising as a lawyer in Lahore. The mother of Javid Iqbal and Munira Begum died about 4 years ago.[1]

---

[1] ترجمہ:

۱۔ جاوید اقبال، بعمر تقریباً ۱۴ سال، متعلم جماعت نہم۔

۲۔ منیرہ بیگم، عمر تقریباً ۹ سال، سکول میں زیر تعلیم۔

نوٹ: مرحوم سر محمد اقبال کی پہلی بیگم بعمر ۵۶ سال ابھی حیات ہیں۔ وہ ایک عرصے سے ا... ہیں۔ اس بیوی سے اقبال کا ایک بیٹا ہے جس کی عمر ۳۶ سال ہے۔ لندن سے ایم اے، بار... لاہور میں وکالت کر رہا ہے۔ جاوید اقبال اور منیرہ بیگم کی والدہ تقریباً چار سال قبل انتقال...

(نشان مثل ۱۹۳۸ء پولیٹیکل سیکرٹری آفس)
(۲) ڈاکٹر قریشی نے دوسرے ہی دن یعنی ۲۸ رجون ۱۹۳۸ء کو ایک دوسرا خط بھی لکھا جس میں مذکورہ بالا تفصیلات کے علاوہ حسب ذیل اُمور پر بھی روشنی ڈالی ان باتوں سے علامہ مرحوم کی گھریلو زندگی کے چند تلخ واقعات پر بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں:

"Owning to some unfortunate circumstances which are too painful to be mentioned, Sir Mohammed Iqbal had completely severed his relations with the widow and Mr. Aftab Iqbal long ago. He was paying the widow a maintenance allowance of Rs.30/- per mensem. Javid Iqbal and Munira Banu are the two minors in whom Sir Mohammad Iqbal was mainly interested and for those future lives and careers he was a bit worried. Their mother the second wife of Sir Mohammed Iqbal, died some 4 years back. Considering the invaluable contribution of Sir Mohammad Iqbal to the world thought and oriental literature and in view of the great personal sacrifice he had to make in carrying out his creative work, Some provision for the dependents of Sir Mohammad Iqbal particularly for the minors, Javid Iqbal and Munira, will be highly appreciated by all.

I submit the following proposals for your kind and favourable consideration.

1. Javid Iqbal be granted an allowance of B.G.Rs.125/- per mensem till the completion of his education.

2. Munira Banu be granted an allowance of B.G Rs.75/- per mensem till the completion of her education or till she gets married.

3. The window, the mother of Mr. Aftab Iqbal, be granted a life pension of B.G. Rs.50/- per mensum.[1]

(نشان مثل ایضاً)

(۳) ڈاکٹر قریشی کے دونوں خطوط پر سر حیدری صدر اعظم جناب فخر یار جنگ فنانس ممبر کونسل اور مسٹر مہدی یاور جنگ صدر المہام فنانس کے درمیان مراسلت چلتی رہتی بالآخر انھوں نے اپنے محکمہ کو ہدایت جاری کی کہ بیوہ کے نام تیس روپے ماہوار اور دونوں بچوں کو ساٹھ ساٹھ روپے ماہوار وظائف جاری کرنے کے لیے نظام کی خدمت میں عرض داشت پیش کی جائے۔ جب یہ کاروائی کونسل کے ارکان میں برائے گشت پیش کی گئی تو مہدی یار جنگ نے لکھا کہ بیوہ کے لیے ۳۰ روپے ماہوار کی بجائے ۵۰ روپے ماہوار دی جائے۔ دیگر ارکان نے اس سے اتفاق کیا البتہ کونسل میں مزید مباحث کے بعد ڈاکٹر اقبال کے بڑے فرزند آفتاب اقبال کو

---

[1] ترجمہ:
کچھ ایسے افسوس ناک حالات در پیش ہوئے کہ جن کا تذکرہ بھی نہایت تکلیف دہ ہے۔ ان کے کارن عرصہ ہوا سر محمد اقبال نے بیوہ اور آفتاب اقبال سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کر لیے تھے۔ وہ بیوہ کو ہر ماہ تیس روپیہ خرچ دیا کرتے تھے۔ جاوید اقبال اور منیرہ بیگم دو نابالغ بچے ہیں جن کی اقبال کو فکر تھی اور جن کے مستقبل اور آئندہ زندگی کے لیے انھیں پریشانی تھی۔ ان بچوں کی والدہ اور اقبال کی دوسری بیگم چار سال قبل فوت ہو چکی تھیں۔ فکرِ انسانی اور مشرقی ادبیات کے لیے اقبال کی بیش بہا خدمات کو نظر میں رکھتے ہوئے اور یہ احساس کرتے ہوئے کہ اپنی تخلیقی قوتوں کے استعمال اور اولی تخلیقات کے لیے انھیں کتنی مالی قربانی دینا پڑی ہو گی ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ سر محمد اقبال کے متعلقین، بالخصوص نابالغ بچوں جاوید اور منیرہ کے لیے کچھ نہ کچھ بندوبست کیا جائے۔ اس سلسلے میں میری تجویز درج ذیل ہے، اس پر ہمدردانہ اور بہ نظر کرم غور فرمایئے:

۱۔ جاوید اقبال کو ۱۲۵ روپیہ ماہوار وظیفہ جاری کیا جائے جو تکمیل تعلیم تک جاری رہے۔

۲۔ منیرہ بیگم کے لیے ۷۵ روپیہ ماہوار وظیفہ جاری کیا جائے جو تکمیل تعلیم تک جاری رہے یا جب تک ان کی شادی نہ ہو جائے۔

۳۔ بیوہ، والدہ آفتاب اقبال کے لیے تاحیات پنشن مبلغ ۵۰ روپیہ ماہانہ کا اجرا کیا جائے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

یکمشت عطیہ دو ہزار کلدار منظور کرنے کی سفارش کی گئی تاکہ وہ اپنے پیشہ وکالت کو مستحکم بنا سکیں۔

نظام حیدر آباد نے ۱۵ رمضان ۱۳۵۷ھ اس سلسلے میں جو فرمان جاری کیا وہ یہ ہے:

ڈاکٹر اقبال کی قومی خدمات کے لحاظ سے ان کی بیوہ کے نام پچاس روپے ماہوار تاحیات اور کم سن لڑکے کے پچاس روپے ماہانہ تا ختم تعلیم اور لڑکی کے نام پچاس روپے تا کتخدائی جاری کیا جائے۔

مرحوم کا تعلق ہماری ریاست سے نہ ہونے کے باوجود ان کے پسماندگان پر احسان کیا جاتا ہے تو ان کے فرزند کلاں [بڑے بیٹے] کو یک مشت [اکٹھی] رقم دینا چہ معنی دارد وہ بھی ایسے شخص کو جو قانونی پریکٹس [وکالت] سے اپنی روزی کما رہا ہو۔ لہٰذا اس کی ضرورت نہیں۔

(۴) وظیفہ کے اجرا کے سلسلے میں ڈاکٹر مظفر الدین قریشی سے دریافت کرنے پر انھوں نے حسب ذیل بیوہ اور بچوں کے نام ارسال کیے:

(۱) کریم بی بی (لیڈی اقبال)، پتہ ۴۹ ٹمپل روڈ، لاہور

۲۔ جاوید اقبال

۳۔ منیر بانو، پتہ جاوید منزل، میو روڈ، لاہور

(۵) مراسلہ دفتر اگزامیز [معاینہ کار] سول و ملٹری اکاؤنٹس [سرکاری و فوجی حسابات] نشان ۳۰۴، مؤرخہ ۱۷ خورداد ۱۳۴۸ف سے ظاہر ہے کہ طاہر الدین صاحب، چودھری محمد حسین صاحب اور اعجاز احمد صاحب تین اشخاص کے نام ڈاکٹر اقبال نے اپنی حیات میں بطور ولی نابالغان تجویز کیے تھے۔ (مثل نشان پولٹیکل سیکرٹری [معتمد سیاسی] آفس، نظام اسٹیٹ، ۱۹۳۸ء)

(۶) اعجاز احمد صاحب کے بارے میں آفتاب اقبال کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ وہ دہلی میں کمرشل جج [منصف] تھے۔

آفتاب اقبال اور علامہ اقبال

علامہ اقبال کی گھریلو زندگی کا ایک رُخ آفتاب اقبال کے حیدر آبادی عہدے داران سے ان کی مراسلت، اپنی معاشی مشکلات کے سلسلے میں حصولِ امداد کے ضمن میں ان کی مسلسل دوڑ

دھوپ اور خط وکتابت کی وجہ کئی امثلہ میں درج ہوتا رہا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کے چند خطوط بھی ان امثلہ میں شریک ہوسکے ہیں جو اپنی اصلیت کے اعتبار سے غالباً ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلی کاروائی اس وقت کی ہے جب کہ آفتاب اقبال صاحب لندن میں زیر تعلیم تھے۔ اور حیدرآباد کا ایک سرکاری وفد بسلسلہ دستور و وفاقی مذاکرات پر وہاں گیا ہوا تھا۔ غالباً سر اکبر حیدری سے اپنے والد کے شخصی روابط کی وجہ سے آفتاب اقبال نے ان تک رسائی حاصل کی ہوگی۔

حیدرآباد ڈیلی گیشن [وفد] کے اٹھائیسویں اجلاس منعقدہ الیگزنڈرا ہوٹل، ہائیڈ پارک کارنر لندن بتاریخ ۱۶ر جنوری ۱۹۳۱ء جس میں حسب ذیل افراد شریک تھے:

۱۔ سر اکبر حیدری
۲۔ سر رچرڈ ٹرنچ
۳۔ نواب مہدی یار جنگ بہادر
۴۔ نواب سر امین جنگ بہادر
۵۔ سر رینالڈ گلانسی
۶۔ مسٹر پکتھال، سیکرٹری

حسب ذیل قرارداد منظور کی گئی:

10. It was resolved that an advance of £190 should be made to Aftab Iqbal and that the matter should be laid before the Council when the delegation returned to Hyderabad.[1]

جب یہ مسئلہ کونسل میں پیش کیا گیا تو روئیداد اجلاس باب حکومت ۱۶امرداد ۱۳۴۰ف سے ظاہر ہے کہ:

---

[1] ترجمہ:
فیصلہ کیا گیا کہ ۱۹۰ پاؤنڈ آفتاب اقبال صاحب کو پیشگی ادا کرائے جائیں اور جب وفد حیدرآباد واپس پہنچے تو معاملہ کونسل کے سامنے رکھا جائے۔
[مترجم: محمد سہیل عمر]

آفتاب اقبال صاحب کے خاندانی اعزاز کے لحاظ سے اراکین حیدرآباد نے اپنی زیر نگین رقم سے ایک سو نو پونڈ بطور قرضِ حسنہ جو صاحب موصوف کو اس غرض سے دیا کہ یہ ایک معزز خاندان کا ہندوستانی طالب علم بحالت عسرت انگلستان میں پریشان نہ رہے۔ اس کی پابجائی [کہیں پاؤں جمانا] کرائی جانے کا مسئلہ جب حسب رزلیوشن [قرارداد] فقرہ (۱۰) منظورہ اجلاس بیست و ہشتم [اٹھائیسواں] ڈیلی گیشنز منعقدہ ۱۷رجنوری ۱۹۳۱ء بمقام لندن کونسل میں پیش ہونے پر بہ اتفاق طے پایا کہ آفتاب اقبال صاحب کے مالی مشکلات کے مدنظر قرضِ حسنہ معاف کیا جاکر عطیہ متصور کیا جائے۔

(دستخط مہاراجا کشن پرشاد صدر اعظم)

قبل ازیں ۱۷ردسمبر ۱۹۳۰ء نیشنل انڈین ایسوسی ایشن (۲۱ کرام ویل روڈ ساؤتھ کنسنگٹن ایس ڈبلیو) کی سیکرٹری مس آف جے بیگ نے بھی ایک خط حیدرآبادی ڈیلی گیشن کے لندن پہنچنے پر سر اکبر حیدری کو لکھ کر موصوف کی توجہ جناب آفتاب اقبال کی مالی مشکلات اور ان کی ممکنہ امداد پر مبذول کرائی تھی لیکن بعض وجوہات کی بنا پر اس وقت وہ ان کی مدد نہیں کر سکے۔ لیکن جب اکبر حیدری کو جناب آفتاب اقبال نے شخصی طور پر متوجہ کیا تو مذکورہ مالی امداد انھیں دی گئی۔ سر اکبر حیدری کے نام ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تعلیمی معیار سے ایک ہونہار طالب علم تھے جیسا کہ حسب ذیل معلومات سے عیاں ہے:

☆ ۱۹۱۶ء میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے درجہ اول میں میٹریکولیشن [درجہ ثانویہ] کامیاب کیا۔

☆ ۱۹۱۸ء میں سینٹ ڈیفنس کالج دہلی سے ایف اے کا امتحان درجہ دوم میں کامیاب کیا۔

☆ ۱۹۲۰ء میں بی اے کا امتحان درجہ اول میں فلاسفی میں آنرز [اعزاز] اور معاشیات اختیاری مضمون کے کامیاب کیا۔

☆ جولائی ۱۹۲۲ء میں لندن یونیورسٹی سے بی اے [بیچلر آف آرٹس] کا امتحان درجہ اول میں فلاسفی میں آنرز اور سماجیات ایک ذیلی مضمون کے ساتھ کامیاب کیا۔

☆ ۱۹۲۴ء میں اسی یونیورسٹی سے ایم اے کا امتحان کامیاب کیا۔ تخصیصی مضمون (ڈیسیر ٹیشن) کیمرج کے پروفیسر ڈائس ہکس کے زیر نگرانی "ماقبل کانٹی دور اور کانسٹی فلسفہ میں تصور خود شناسی" (دِی کانسپٹ آف سیلف-کانشسیس نس اِن پری کانٹین فیلوسوفی) کے عنوان پر تحریر کیا۔

☆ لندن یونیورسٹی کے مدرسہ علومِ مشرقیہ (سکولز آف اورینٹل سٹڈیز) میں دو سال تک اُردو کے لیکچرر کے طور پر ملازمت کی۔

☆ نومبر ۱۹۲۴ء تا جون ۱۹۲۶ء پنجاب واپس آکر انڈین ایجوکیشنل سروس میں ملازمت کے لیے کوشاں رہے لیکن کوئی مخلوعہ جائیداد نہیں نکل سکی اس لیے انگلستان واپس ہوگئے۔

☆ ۱۹۲۴ء میں لنکنز اِن میں شریک ہوگئے اور قانون کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ اور ۱۹۲۹ء میں بار ایٹ لا کے تمام امتحان کامیاب کر لیے لیکن خانگی وجوہات کی بناپر وکالت شروع نہ کر سکے۔

خانگی وجوہات میں جیسا کہ ظاہر ہے کہ مالی مشکلات ہی تھیں جن کی بنا وہ ایک سو پچاس پونڈ کی امتحانی فیس ادا نہیں کر سکتے تھے اور سند کے حصول سے محروم تھے۔ سر اکبر حیدری نے مذکورہ رقم سے زیادہ رقم انھیں دلوائی تاکہ وہ لندن میں رہ کر وکالت کے پیشہ کو مستحکم کر سکیں۔ سر اکبر حیدری کو جناب آفتاب اقبال نے ملاقات کے دوران کافی متاثر کیا چنانچہ وہ جناب فخر الدین (فخر یار جنگ) کو ان کے سلسلے میں ایک سفارشی خط میں لکھتے ہیں:

"I have seen Mr. Aftab Iqbal and he impressed me very favourably. He spoke exceedingly well at-gathering at which Col. Patterson the Political ADC to the Secretary of State and several others were present. I should like your very much to kindly help him in the University with regard to examinership and translations. I have written in similar terms to Fazl Mohammad Khan and I hope you two together will be able to do something to help

this youngman who I think will be an asset to community letter on."

(From Hyde Park Hotel, Knights Bridge, London SW1 Dt.[Dated] 1st January, 1931)[1]

(نشان مثل ۱۵۸، کلیات ۳۳۸ اف دفتر پیشی باب حکومت)

سر اکبر حیدری کی مراد غالباً یہ تھی کہ دار الترجمہ جامع عثمانیہ وغیرہ میں انھیں کسی جائیداد پر مقرر کر لیا جائے لیکن بد قسمتی سے اس وقت کوئی جائیداد کہیں بھی خالی نہیں تھی۔

۲۹ر مارچ ۱۹۳۱ء کو سر اکبر حیدری کے نام جناب آفتاب اقبال نے لاہور شفلز ہوٹل سے ایک خط میں اپنی مالی مشکلات، والد کے عدم التفات، جائیداد سے محرومی وغیرہ کا شکوہ کرتے ہوئے انھیں توجہ دلائی کہ وہ سر اقبال کو ان کی مالی مدد پر آمادہ کریں۔ چنانچہ سر اکبر حیدری نے علامہ اقبال کو حسب ذیل خط لکھا:

"I venture to write to you upon a very delicate subject. Your son Aftab Iqbal appealed to me for help in London and I confess that I was very favourably impressed by him. His impecunious condition was the talk of the Muslim community there. If I was distressed on his account, I was still more distressed on account of slur of blame which people cast on one whom I have always regarded as a great

---

[1] ترجمہ:

آفتاب اقبال سے میری ملاقات ہو چکی ہے۔ ان کے بارے میں میرا تاثر بہت اچھا ہے۔ ایک مجلس میں ان کی تقریر بھی تھی۔ بہت خوب بولے مجلس میں کرنل پیٹرسن پولٹیکل اے ڈی سی برائے سیکرٹری آف سٹیٹ اور دیگر حضرات بھی موجود تھے۔ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ یونیورسٹی میں ممتحن ہونے اور ترجمہ نگاری کے سلسلے میں ان کی مدد کر دیں۔ میں نے فضل محمد خان صاحب کو بھی انھی نکات پر مبنی خط لکھا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ دونوں مل کر اس نوجوان کی مدد کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ کر سکیں گے۔ یہ آگے چل کر مسلمانوں کے لیے ایک اثاثہ ثابت ہوگا۔

(از ہائیڈ پارک ہوٹل، نائٹس برج، لندن، ایس ڈبلیو ا، مؤرخہ یکم جنوری ۱۹۳۱ء)

[مترجم: محمد سہیل عمر]

man and a great Muslim. I do not know the cause of your displeasure with your son, but I do implore your to consider whether it would not possible for you to give him countenance and help till he is able to maintain himself.
I ask you to believe that in making this representation I am animated only by the friendliest motives."[1]

(نشان مثل ایضاً)

اس خط کا جواب ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم ایل بی بیر سٹر ایٹ لا، لاہور نے ۲؍ مئی ۱۹۳۱ء کو سر اکبر حیدری کو دیا اس خط کے سر تحریر پرائیویٹ اینڈ کانفیڈنشل [ذاتی اور خفیہ] لکھا ہوا ہے اور یہ علامہ کا پہلا اصلی خط ہے جو ریاست حیدر آباد کے سرکاری اسلحہ میں محفوظ ہے۔ خط کا آغاز یوں ہوتا ہے:

"My dear Sir Akbar,
Thanking you so much for your letter which I received a moment, ago. The story is long and too painful to relate. I am sure if you had known all the facts you would have found it

---

[1] ترجمہ:
معاملہ خاصا نازک ہے جس کے بارے میں آپ کو لکھ رہا ہوں۔ آپ کے بیٹے آفتاب اقبال نے لندن میں مجھ سے مدد کی درخواست کی تھی اور مجھے اعتراف ہے کہ میں اس سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ اس کی ابتر مالی حالت لندن کے مسلمانوں میں زبان زد عام تھی۔ اسے دیکھ کر تو مجھے دکھ ہوا ہی تھا اس سے کہیں زیادہ اذیت اس بات کی تھی کہ لوگ اگر اس صورتحال کا الزام ایک ایسے شخص پر تھوپ رہے تھے جسے میں نے ہمیشہ ایک عظیم شخصیت اور بڑے مسلمان کے روپ میں دیکھا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ اپنے بیٹے سے کیوں ناراض ہیں تاہم میں یہ التماس ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو اس کو ملاقات کا موقع دیں اور اس کی اس وقت تک مدد کریں جب تک وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ ہو جائے۔
یقین فرمائیے کہ یہ باتیں عرض کرتے ہوئے میرا محرک تحریر صرف دوستی ہے اور میرے پیش نظر صرف خیر سگالی کے جذبات ہیں۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

difficult to write to on his behalf. Indeed I avoided meeting you at Delhi as I thought he might become the subject of our conversation which would report my peace of mind for time. I have already helped him beyond my capacity. In spite of the manner in which he has been behaving towards me and other members of our family. No father can read with patience the nasty letters which he has written to us. And which he is doing now in only part of the blackmailing scheme of which he has been availing himself for some time. However it is not possible for me now to help him. I am an old man with indifferent health with no hope from any side and with two small children to provide for. If I had been a rich man I might have done something even though he does not disown my thing.

I suppose for known nothing of ،my circumstances. Nature has given me certain things and withheld others I am perfectly contented and my lips have never known a word of complaint. Perhaps you are the first person to whom I have written which I have written not before. I hate parading my woes, for the world is on the whole unsympathetic and anybody has not got Sir Akbar's nature possessing a wide range of sympathy. I know your helped him partly because he favourably impressed you and partly because of me. Your generous nature could not have done

otherwise. But I am sure you would have a far perfect act of kindness, both to myself and to him, if you could have given him a suitable job in the Osmania University.

Hoping you are well and with respects to Lady Hyderi of whom I was reading the other day in Mrs. Pyme's book *The Lawrence of India*."[1]

---

[1] ترجمہ:

محترم سر اکبر

آپ کے خط کے لیے شکر گزار ہوں۔ ابھی ملا ہے۔ قصہ بہت طولانی ہے اور اس کا بیان نہایت تکلیف دہ امر ہے۔ اگر آپ کو حقائق کا علم ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ کبھی اس کے لیے مجھے کچھ نہ لکھتے۔ دہلی میں آپ سے ملاقات سے گریز کا سبب بھی یہی تھا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ مجھ سے اس موضوع پر گفتگو فرمائیں گے اور یوں میرا ذہنی سکون کچھ عرصے کے لیے درہم برہم ہو جائے گا میں نے پہلے ہی بساط سے بڑھ کر اس کی مدد کی ہے باوجود اس رویے کے جو اس نے مجھ سے اور میرے دیگر اہل خانہ کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے۔ جیسے قبیح اور قابل اعتراض خط اُس نے ہمیں لکھے ہیں وہ کوئی باپ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اب جو کچھ یہ لڑکا کر رہا ہے وہ اس کے بلیک میلنگ [غنڈہ گردی] کے اس منصوبے کا صرف ایک حصہ ہے جس پر وہ عرصے سے عمل پیرا ہے۔ بہر کیف میرے لیے اب اس کی مدد کرنا ناممکن ہے۔ میں ایک عمر رسیدہ شخص ہوں، صحت بھی اچھی نہیں ہے اور کسی جانب سے مدد کی اُمید بھی نہیں۔ پھر میرے دو چھوٹی عمر کے بچے ہیں جن کی کفالت کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ اگر میں کوئی مالدار آدمی ہوتا شاید کچھ کر بھی دیتا اگرچہ وہ اس کا ہرگز مستحق نہیں ہے۔

میرا خیال ہے کہ آپ میرے حالات سے بالکل ناواقف ہیں۔ قدرت نے مجھے کچھ چیزیں عطا کی ہیں اور کچھ سے مجھے محروم رکھا ہے۔ میں ایک مطمئن اور قانع شخص ہوں اور میرے لبوں پر کبھی حرف شکایت نہیں آیا۔ آپ شاید پہلے آدمی ہیں جسے میں نے یہ سب کچھ لکھ دیا جو قبل ازیں کبھی تحریر نہ کیا تھا۔ میں اپنے غم و آلام کی نمائش کو سخت ناپسند کرتا ہوں کیونکہ دنیا میں بالعموم ہمدردی کا فقدان ہے اور سر اکبر حیدری جیسے کہاں ملتے ہیں جن کی فطرت میں غم گساری اور ہمدردی کا مادہ اتنا وافر ہو۔ میں جانتا ہوں کہ آپ نے اس کی مدد اس لیے کی کہ ایک تو اس نے آپ کو متاثر کر لیا اور دوسری جانب آپ کو میرا بھی خیال رہا۔ آپ کی طبع فیاض سے یہی توقع کی جا سکتی تھی۔ تاہم اگر آپ اس جامعہ عثمانیہ میں کسی موزوں ملازمت پر متعین کر دیتے تو یہ اس کی مدد کی ایک بہتر صورت ہوتی اور مجھ پر مہربانی اور اس کے لیے ایک کارِ خیر کی صورت ہوتی۔

اُمید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ لیڈی حیدری کے لیے آداب۔ حال ہی میں ان کے بارے میں مسز پائم کی کتاب دی لارنس آف انڈیا میں بھی کچھ نظر سے گزرا ہے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL, M.A., Ph.D.,
BARRISTER-AT-LAW.

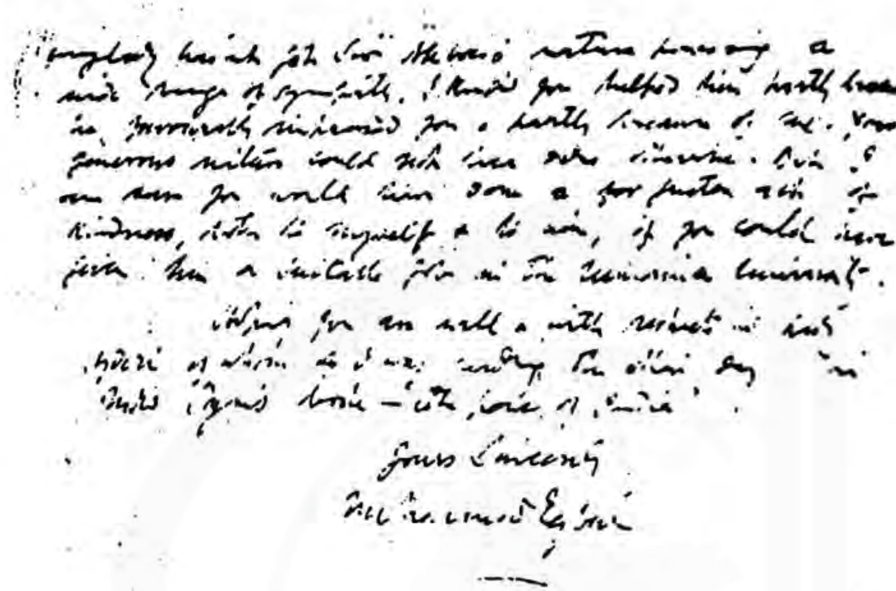
LAHORE.

Private & Confidential

2nd May 1931

My dear Sir Akbar

Thank you so much for your letter which I received a moment ago. The story is long & too painful to relate. I am sure if you had known all the facts you would have found it difficult to write to me on his behalf. Indeed I avoided meeting you at Delhi as I thought he might become the subject of our conversation which would upset my peace of mind for the time. I have already helped him beyond my capacity — in spite of the manner in which he has been behaving towards me & other members of our family. No father can read with patience the nasty letters that he has written to us. And what he is doing now is only part of the blackmailing scheme of which he has been availing himself for some time. However it is not possible for me now to help him. I am an old man with indifferent health with no hope from any side & with two small children to provide for. If I had been a rich man I might have done something even though he does not deserve anything. But I suppose you know something of my circumstances. Nature has given me certain things & withheld others. I am perfectly contented & my lips have never known a word of complaint. Perhaps you are the first person to whom I have written what I have written above. I hate parading my woes, for the world is on the whole unsympathetic. And



علامہ اقبال کا خط مؤرخہ ۲ مئی ۱۹۳۱ء
سر اکبر حیدری کے نام

(نشان مثل ایضاً)

اس خط کے جواب میں سر اکبر حیدری نے سر محمد اقبال کے موقف کو سراہتے ہوئے اور جناب آفتاب کا بوجھ نہ اُٹھا سکنے کی ان کی مجبوری کی وجوہات کا اندازہ کیا اور انھیں یقین دلایا کہ وہ آفتاب اقبال کے لیے عثمانیہ یونیورسٹی میں کوئی جگہ دلانے کی کوشش جاری رکھیں گے۔ سر اکبر حیدری کے مختصر خط مؤرخہ ۱۱ر مئی ۱۹۳۱ء کا جواب ڈاکٹر اقبال نے فوراً یعنی ۱۴ر مئی ۱۹۳۱ء کو دے دیا اور یہ خط بھی اصلی حالت میں محفوظ ہے:

"Thank you so much for your kind letter which I received a moment ago. This youngman has already spent about 70000/- on himself. Out of his sum he borrowed according to his own statement Rs.50000/- from England. I gave Rs.10000/- to his mother and she spent all this on him besides the amount which she and her father gave the boy.

Only a month before his arrival I was persuaded to give him Rs.1000/- and a few days after his arrival in India I received the first letter of one of his many creditors in England. With all this he is writing black-mailing letters very now and then. I wanted to send you a copy of his last letter to me. But I did not do so mainly because I thought you would cease to sympathise with him. The following Persian verse applies to my present state of mind.

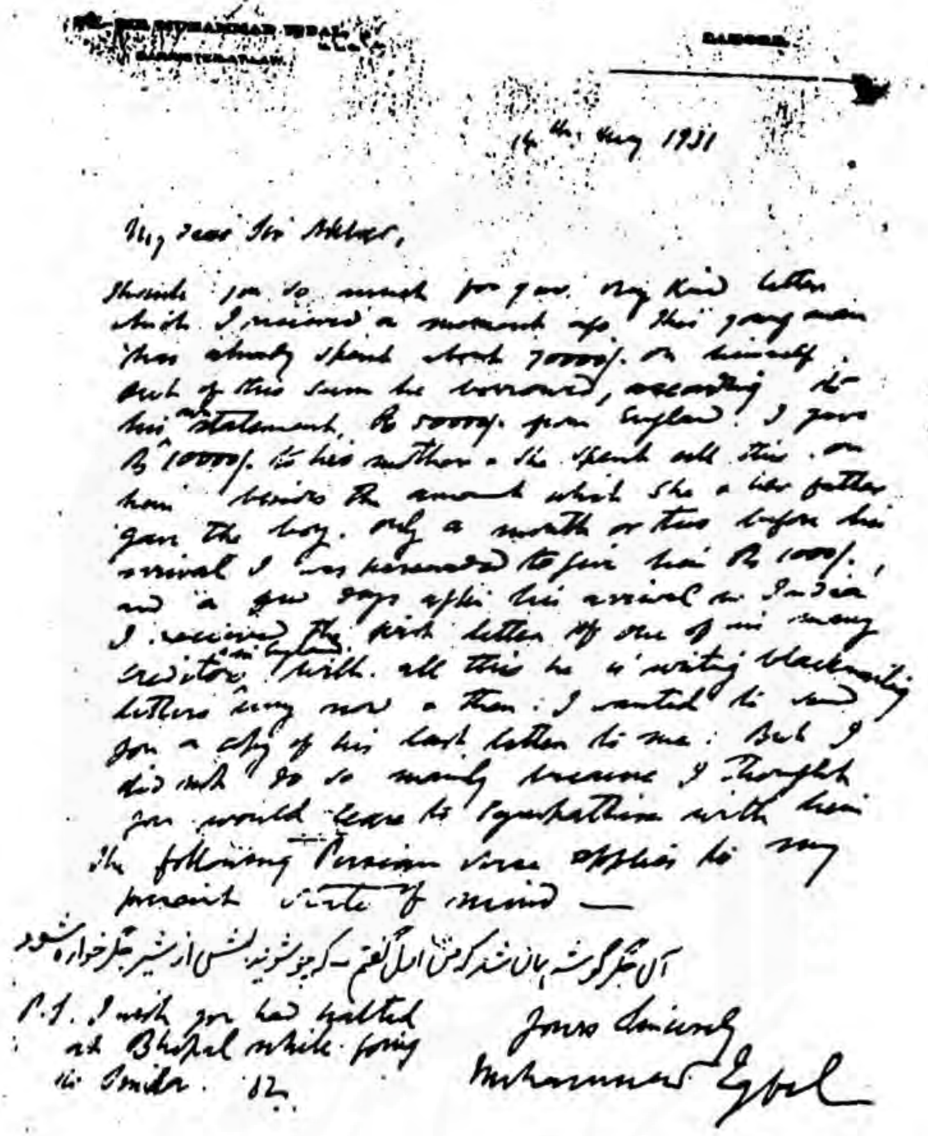
آں جگر گوشہ ہماں شد کہ من اول گفتم
کہ چو شوید لبش از شیر جگر خوارہ شود

PS: I wish you had halted at Bhopal while going to Simla.[1]

---

[1] ترجمہ:
کرم نامہ ابھی موصول ہوا۔ شکر گزار ہوں۔ اس نوجوان نے پہلے ہی اپنی ذات پر ۷۰۰۰ روپے خرچ کر ڈالے ہیں۔ اس کے اپنے بیان کے مطابق اس رقم میں سے ۵۰ ہزار اس نے برطانیہ سے قرض لیے۔ میں نے اس کی والدہ کو دس ہزار روپے دیے جو اس نے سب اس لڑکے پر صرف کر دیے۔ یہ اس رقم کے علاوہ تھے جو اس نے اور اس کے والد نے آفتاب کو دیے تھے۔ اس کی آمد سے ایک ماہ قبل مجھے ایک ہزار روپیہ اس کے لیے فراہم کرنا پڑا اور اس کے ہندوستان پہنچنے کے چند دن کے اندر ہی مجھے برطانیہ میں اس کے متعدد قرض خواہوں میں سے ایک کا پہلا خط موصول ہوا۔ اس سب کے باوجود وہ بار بار بلیک میلنگ والے خط لکھتا رہتا ہے۔ جی میں آیا کہ اس کے حالیہ خط کی نقل آپ کو بھجوا دوں مگر محض اس خیال سے رُک گیا کہ آپ اس کی ہمدردی سے دست کش ہو جائیں گے۔ ذیل میں درج فارسی شعر میری ذہنی کیفیت کی عکاسی کرتا ہے:
وہ جگر کا ٹکڑا تو یہ بن گیا جو میں نے پہلے بتایا تھا کہ دودھ منہ سے چھوٹا تو کلیجہ کھانے پر اتر آیا
پس نوشت: کاش آپ شملہ جاتے ہوئے بھوپال میں چندے قیام کرتے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]



DR. SIR MUHAMMAD IQBAL, M.A., Ph.D.,
BARRISTER-AT-LAW.

LAHORE.

14th May 1931

My dear Sir Akbar,

Thanks you so much for your very kind letter which I received a moment ago. This young man has already spent about 7000/- on himself. Out of this sum he borrowed, according to his statement, Rs 5000/- from England. I gave Rs 10000/- to his mother & she spent all this on him besides the amount which she & her father gave the boy. Only a month or two before his arrival I was persuaded to give him Rs 1000/-, and a few days after his arrival in India I received the first letter of one of his many creditors in England. With all this he is writing blackmailing letters every now & then. I wanted to send you a copy of his last letter to me. But I did not do so merely because I thought you would cease to sympathise with him. The following Persian verse applies to my present state of mind —

آں جگر گوشہ ہماں شد کہ من اہلِ نعم — کہ چو شیرینہ لبش از شیر جگر خوارہ شود

P.S. I wish you had halted at Bhopal while going to India. Iq.

Yours sincerely
Muhammad Iqbal

علامہ اقبال کا خط مؤرخہ ۱۴ مئی ۱۹۳۱ء

سر اکبر حیدری کے نام

(مثل نشان ایضاً)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال نے اس خط لکھنے کے بعد بھوپال کا سفر اختیار کیا ہوگا۔ اور سر اکبر سے ملاقات کی دیگر وجوہات کے منجملہ مالی امداد سے متعلق وہ کاروائی بھی ہوگی جو ان دنوں حکومت حیدر آباد کے زیر غور تھی۔

ڈاکٹر سر اقبال کے سر اکبر حیدری کے نام ایک اور خط کی نقل کے بموجب یہ خط ڈاکٹر صاحب نے ثانی الذکر کے کسی خط کے سلسلہ میں لکھا تھا جو انھیں پہنچایا گیا تھا۔ یہ خط ۲؍فروری ۱۹۳۷ء کو لاہور سے لکھا گیا ہے اور اس پر بھی پرائیویٹ اینڈ کانفیڈنشل لکھا ہوا ہے۔ خط کا مضمون یہ ہے:

I am enclosing herewith a letter which I received last night by post. Since this was the only enclosure in the envelop which I received I can not say who has sent it to me. It appears from its contents however, that Aftab wrote to you some letter to which the enclosed letter is a reply. I suppose you know that the writer of this letter is a perfect stranger to me and has been so far many years. It is impossible for me to describe how he has behaved in all these years. However, the sole object of the letter I am writing to you is to put you on your guard against this youngman who has been a constant source of pain to me. I cannot conceive of him writing to you or to other friends of mine without having some sort of mischief in his mind. Taking advantage of your good nature he is trying to give you the impression of some sort of reconciliation between me and him. Such a thing is simply

impossible and his only object in writing to you is, I believe to get some money out of you. As you know he did so before and fully exploited your generous nature. I do hope you will not encourage him to write letters to you any more.

I hope you are in the enjoyment of the best of health. Please do remember me to lady Hydari."[1]

ترجمہ:

کل رات کی ڈاک میں ایک خط موصول ہوا ہے۔ آپ کے لیے ارسال کر رہا ہوں۔ لفافے میں بس یہی خط تھا سو یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ کس نے بھیجا ہے۔ خط کے مندرجات سے البتہ اندازہ ہوتا ہے کہ آفتاب نے آپ کوئی مراسلہ بھیجا جس کا یہ آپ کی طرف سے جواب ہے۔ میرا گمان ہے کہ آپ کو علم ہوگا کہ اس خط کا لکھنے والا شخص میرے لیے قطعاً اجنبی ہے اور برسوں سے اجنبی ہے۔ میرے لیے ناممکن ہے کہ ان تمام برسوں میں اس کے طرزِ عمل کو بیان کر سکوں۔ بہر حال میں آپ کو خط اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو اس نوجوان کی حرکتوں سے ہوشیار کر سکوں جو میرے لیے مستقل سامانِ اذیت ہے۔ آپ کو یا میرے دوسرے دوستوں کو اگر یہ کچھ لکھے گا تو اس کے ذہن میں لازماً کوئی شرارت ہوگی۔ آپ کی طبع سلیم کا فائدہ اُٹھا کر وہ آپ کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ اس کے اور میرے درمیان کسی نوع کی مصلحت ہو چکی ہے۔ یہ سرے سے ناممکن ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ کو خط لکھنے سے اس کی غرض صرف یہ ہے کہ آپ سے کچھ رقم اینٹھنے کا سامان کیا جائے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس نے یہ پہلے بھی کیا تھا اور آپ کی فیاضی اور نیک دلی کا ناجائز فائدہ اُٹھایا تھا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کریں گے تاکہ وہ یہ خطوط بازی ترک کر دے۔ اُمید ہے آپ کمالِ صحت سے بہرہ ور ہوں گے۔ لیڈی حیدری سے میرا سلام کہیے گا۔

۱ ڈ۔ سہیل عمر

Private & Confidential

Lahore
2nd Feb. 19[illegible]

My dear Sir Akbar,

I am enclosing herewith a letter which I received last night by post. [illegible] the one enclosure in the [illegible] which I [illegible]. I cannot say who [illegible] it to me. It appears from the contents, however, that [illegible] [illegible] some letters [illegible]. The [illegible] [illegible] you know [illegible]. The writer [illegible] letter is a perfect stranger to me and has been so for many years. It is [illegible] for me to [illegible] [illegible] all these years. However the object of the letter I am writing to you is to put you on your guard against this [illegible] who has been a [illegible] source of pain to me. I cannot [illegible] of him writing to you or other friends of mine without having some sort of mischief in his mind, taking advantage of your good nature he is trying to give you the impression of some sort of [illegible] between me & him. Such a thing is simply impossible & his only object in writing to you is, I believe, to get some money out of you. As you know he is not now as before a fully settled [illegible] your generous nature. I do hope you will not encourage them to write letters to you any more.

I hope you are in the enjoyment of the best of health. Please do remember me to Lady Hydari.

Yours Sincerely
Muhammad Iqbal

اس خط کے جواب میں سر اکبر حیدری نے سر اقبال کو ۲؍فروری ۱۹۳۸ء لکھا:

"It is not easy for me to answer your kind letter making me aware of how, quite unwittingly, I have responsible for causing you pain. Believe, had I been conversant with the unpleasant circumstances to which you refer. I should undoubtedly have ignored the appeal.

I am most grateful for your warning advice, and venture to express my sympathetic hope that further attempts so to exploit your great and honoured name will be effectively arrested.

Hoping that your health is better and that you are managing to get some real rest and peace."[1]

(نشان مثل ایضاً)

یہ آخری خط ہے جو سر اکبر حیدری نے علامہ اقبال کو لکھا اس کے بعد مثل میں جناب آفتاب اقبال کے چند خطوط ہیں جس میں مالی امداد کے لیے ان کی مساعی کی ناکامی کا شکوہ ہے۔ یہ مارچ و اپریل میں لکھے گئے تھے۔ ۱۲؍مئی ۱۹۳۸ء کے ایک خط میں انھوں نے علامہ کی پہلی بیوی کے لیے گزارہ مقرر کرنے کی درخواست کی ہے کیونکہ علامہ مرحوم ان کے لیے کچھ چھوڑ کر نہیں گئے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ قریبی زمانہ میں ہی علامہ کا انتقال ہوا ہوگا۔

---

[1] ترجمہ:
آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ اس کا جواب دینا میرے لیے آسان نہیں کیونکہ اس سے مجھے پتا چلا کہ میں بے خبری میں آپ کو دُکھ پہنچانے کا سبب بن گیا۔ یقین فرمایئے مجھے اگر ان ناخوشگوار حالات کا ذرا بھی علم ہوتا تو میں اس کی درخواست کو درخورِ اعتناء نہ گردانتا۔
میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ہوشیار کر دیا اور اس سلسلے میں پوری ہمدردی سے عرض گزار ہوں کہ آپ کے معزز اور عظیم نام کا جائز استعمال کرنے کی مزید ہر کوشش مؤثر انداز میں روک لی جائے گی۔
اُمید ہے کہ آپ کی صحت بہتر ہو چکی ہوگی اور آپ کو واقعی کچھ آرام و سکون میسر آ رہا ہوگا۔
[مترجم: محمد سہیل عمر]

جناب آفتاب اقبال کی سفارش میں مشہور قادیانی لیڈر [رہنما] سر ظفر اللہ خاں نے جو برطانوی ہند کی کونسل میں لا ممبر [رکن قانونی] تھے سر اکبر حیدری کے نام ۹؍ مئی ۳۸ء کو شملہ سے ایک خط میں لکھا تھا:

I believe you have already been approached in the matter of rendering some help to Dr. Aftab Iqbal, M.A. Ph.D., Bar-at-Law eldest son of the Late Dr. Sir Muhammad Iqbal. Dr. Aftab Iqbal is young man of great talent and promise but to my certain knowledge he is passing through a period of great distress and you will be helping in a very deserving case if you can do anything for him. I do hope it will be possible for you to render substantial help to Aftab Iqbal.[1]

(مثل نشان ۱۵۸/کلیات/۸/۳۴۸اف صیغہ باب حکومت)

سر ظفر اللہ خان نے یہ خط اپنے سرکاری پیڈ پر "دی اسٹریٹ شملہ" سے لکھا تھا اور اس پر جو کاروائی ہوئی وہ بھی اس قدر تھی کہ جناب آفتاب توشک خانہ عامرہ سے وقتاً فوقتاً جو امداد دی گئی تھی (چھ سو روپے کلدار اور ایک سو پونڈ) اس کی تفصیلات معلوم ہو سکیں۔

جناب آفتاب اقبال کے ۲۹؍اکتوبر ۱۹۳۹ء والے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اسلامیہ کالج میں صدر شعبہ انگریزی کی جائیداد پر ملازمت مل گئی تھی لیکن وہ اپنی شادی اور گھر بنانے کے لیے امداد کے محتاج تھے۔ ان کے ایک دوسرے خط سے جو ستمبر ۱۹۴۱ء کو لکھا گیا ہے یہ

---

[1] ترجمہ:

میرا گمان ہے کہ فرزند اکبر اقبال مرحوم ڈاکٹر آفتاب اقبال، ایم اے، پی ایچ ڈی، بار ایٹ لا کی مالی امداد کے سلسلے میں آپ سے پہلے ہی رجوع کیا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر آفتاب اقبال بڑی صلاحیتوں کے نوجوان ہیں لیکن مجھے یقینی طور پر علم ہے کہ وہ مالی مشکلات میں سے گزر رہے ہیں اور اگر آپ ان کی مدد کریں گے تو یہ ایک مستحق کی مدد ہو گی۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ آفتاب اقبال صاحب کی مناسب امداد فرمائیں گے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

معلوم ہوتا ہے کہ ریاست حیدرآباد سے لیڈی اقبال کو پچاس روپے سکہ حالی کا وظیفہ مقرر ہوگیا تھا لیکن آفتاب اقبال صاحب اس میں اضافہ کے خواہش مند تھے۔ لیکن انھیں دونوں اُمور کے سلسلے میں اطلاقاً نفی میں جواب دے دیا گیا۔ کیونکہ جنگ عظیم دوم اور معاشی بحران کی وجہ سے ریاست ان دنوں سخت مشکلات سے دوچار تھی۔

اُردو اکیڈمی

ڈاکٹر اقبال نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں "اُردو اکیڈمی" کے نام سے کوئی ادارہ قائم کیا تھا۔ ان کے دوران حیات مختلف امدادی کارروائیوں میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا البتہ ان کے انتقال کے بعد محکمہ باب حکومت کے ایک مراسلہ میں دریافت کیا گیا ہے:

ڈاکٹر صاحب مرحوم کی سفارش پر اُردو اکیڈمی کو امداد دینے کی اگر کوئی کارروائی آپ کے دفتر میں موجود ہو تو وہ کاغذات بھی مثل مطلوبہ کے ساتھ روانہ فرمائے جائیں۔ (مراسلہ نشان ۱۰۰۴ مورخہ ۲۹ بہمن ۱۳۴۹ مثل ۱۲۳/۵ L پولٹیکل سیکرٹری آفس ۱۹۳۲ء)

یہ مراسلہ جناب خواجہ معین الدین انصاری معتمد صدر اعظم باب حکومت نے معتمد سیاسیات کو لکھا تھا لیکن جواباً یہ بات معلوم ہوئی کہ ایسی کوئی مثل اس محکمہ میں نہیں ہے۔ جو خط نظام کا نواب بھوپال کے نام لکھا گیا تھا اور جس میں علامہ اقبال کی مالی امداد سے معذوری کا اظہار کیا گیا تھا۔ بظاہر اس کے بعد کوئی کاروائی اس سلسلہ میں نہیں چلی ہوگی۔

علامہ اقبال کی یادگار کے قیام کی تحریک

۱۹۴۳ء کے لگ بھگ حیدرآباد میں علامہ اقبال کی یادگار کے قیام کی تحریک بلدہ میں شروع ہوئی تھی اور اس میں عوامی حلقوں کے علاوہ سرکاری عہدہ دار وغیرہ بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے اس سلسلے میں نظام نے جناب معین نواز جنگ بہادر معتمد باب حکومت کے نام راز میں حسب ذیل نیم سرکاری فرمان جاری کیا۔

اخبارات کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اقبال شاعر پنجاب کی یادگار میں جو کام یہاں ہو رہے ہیں ان میں ممبران کونسل اور دیگر عہدہ داران سرکاری شریک ہیں۔ اس حالت میں کیا یہ مناسب ہوگا کہ فرقہ وارانہ کام حالاتِ حاضرہ کے تحت ہو۔ میرے

خیال میں سرکاری عہدہ داران کو اس میں شریک نہ ہونا چاہیے۔ تاہم کونسل کی کیا رائے ہے اس سے اطلاع دی جائے تو مناسب ہوگا۔ (۸ر جمادی الاول ۱۳۶۳ھ مثل نشان ۱۲۔ ۱۳۵۳ف دفتر پیشی صدر اعظم باب حکومت)

چنانچہ اس مسئلہ پر باب حکومت نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۳ر تیر ۱۳۵۳ف غور کیا جو کرنل نواب سر محمد احمد سعید خان (چھتاری) صدر اعظم باب حکومت کی صدارت میں ہوا اور جس میں اراکین کونسل شریک تھے۔

۱۔ نواب سر عقیل جنگ بہادر صدر المہام صنعت و حرفت

۲۔ نواب مہدی یار جنگ صدر المہام تعلیمات

۳۔ میجر جنرل نواب خسرو جنگ صدر المہام فوج و طبابت

۴۔ راجہ دھرم کرن صدر المہام تعمیرات

۵۔ جناب غلام محمد صدر المہام فنانس

۶۔ جناب ڈبلیو وی گرگسن اسکوائر صدر المہام مال و کوتوالی

۷۔ جناب نواب عالم یار جنگ صدر المہام عدالت و امور مذہبی کونسل میں باتفاق طے پایا کہ:

حضرت بندگانِ اقدس نے بکمال تدبر شاہانہ ممبران کونسل اور سرکاری عہدہ داران کے فرقہ وارانہ کاموں میں شریک نہ ہونے کی نسبت جو خیال ظاہر فرمایا ہے وہ بالکل بجا و درست ہے۔ جس سے کونسل کو بالکلیہ اتفاق ہے۔ البتہ اقبال مرحوم کی حد تک کونسل یہ عرض کرنے کی جرأت کرتی ہے کہ اگرچہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعہ مسلم قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا کلام فرقہ واریت یا تعصب سے مبرا ہے اور ایک فلسفیانہ شاعر کی حیثیت سے ان کی تالیفات تمام ہندوستان میں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ پس اقبال کی کوئی یادگار قائم کرنے کی تحریک پیش ہو اور اس میں ملازمین سرکار بھی اپنی خانگی حیثیت میں شریک کریں تو بظاہر کوئی قباحت نہیں پائی

جاتی۔ آیندہ اس بارے میں جس طرح ارشاد ہوگا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔
(نشان مثل ایضاً)

چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق جب ۱۱/ تیر ۱۳۵۳ف کو نظام کی خدمت میں باب حکومت کا عرضداشتی مراسلہ پیش کیا گیا تو انھوں نے حسب ذیل سرکاری فرمان جاری کیا:

شاعر اقبال کی اگر آیندہ کوئی یادگار قائم ہو تو اس میں ملازمین سرکاری صرف خانگی حیثیت سے شریک ہو سکتے ہیں مگر جہاں تک ممکن ہو سکے سینئر [بڑے] عہدہ داران شریک نہ ہوں تو بہتر ہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے کہ زمانہ پُرآشوب ہے۔
(مثل ایضاً، ۲۴/ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ)

یہی نہیں بلکہ قبل ازیں ایک عام حکم بھی نظام نے اخبار میں شایع کر دیا تھا جس کے بموجب سرکاری عمارتوں کو بیرونی ملک کے مشاہیر کی یادگاریں منانے کے لیے نہ دینے کی بات کہی گئی تھی:

آیندہ سے بیرونی ملک کے مشاہیر کی یادگاریں منانے کے لیے سرکاری عمارات نہیں دیئے جاسکتے لہٰذا اس کے لیے کام کرنے والے دوسرے مقامات کا انتظام کر لیا کریں۔ ہاں وہ بات اور ہے کہ وہ اُمور جو کہ کسی ایک فرقہ سے منسوب نہ ہوں بلکہ اس کی نوعیت عام ہو اس کے لیے سرکاری عمارات دیئے جاسکتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ آیندہ چل کر کوئی فرقہ وارانہ معاملہ نہ کھڑا ہو یا دوسروں کے لیے نظیر نہ بنے جس کا سد باب گورنمنٹ [حکومت] کو کرنا ضروری ہے کہ اس کی پوزیشن [حالت] نازک ہے۔

(گورنمنٹ حیدرآباد کی پالیسی [حکمت عملی] "شایع شدہ صبح دکن" مؤرخہ ۲۶خورداد ۱۳۵۳ف م ۶/ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ مثل نشان ۱۱/ ۵/ ۱۳۵۳ف دفتر پیشی صدر اعظم باب حکومت)

حالانکہ کچھ ہی دن پہلے اس قسم کی کوئی پابندی نہیں جیسا کہ حسب ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

معتمد عمومی یومِ اقبال نے تحریر کیا ہے کہ جشن یومِ اقبال کے سلسلے میں علامہ اقبال سے متعلق ادب اور تصاویر کی ایک اعلیٰ نمایش کا انتظام کیا جا رہا ہے جو ایک ہفتہ تک جاری رہے گی۔ نمایش کے دوران میں جلسوں کا بھی انعقاد عمل میں آرہا ہے۔

نمایش کے دوران جلسوں کے لیے مجلس استقبالیہ نے جس کے جناب نواب سر مہدی یار جنگ بہادر صدر ہیں ٹاؤن ہال کا تعین کیا ہے لہٰذا ۲۳/خورداد ۱۳۵۳ف سے یکم تیر ۱۳۵۳ف ٹاؤن ہال کے استعمال کی اجازت چاہی ہے۔
(نشان مثل ۱۲ار ۷ر ۱۳۵۴ف سیاسیات دفتر پیش صدر اعظم باب حکومت)
اس کے لیے میں صدر المہام پیشی نواب کاظم یار جنگ نے حسب ذیل نیم سرکاری فرمان جاری کیا:

حسب حکم اقدس ترقیم ہے کہ جشن یوم اقبال کے سلسلے میں ادب اور تصاویر کی نمایش اور جلسوں کے انعقاد کے لیے ۲۳/خورداد سے یکم/تیر ۱۳۵۳ف تک ٹاؤن کے استعمال کی اجازت دی جاتی ہے۔ مگر ساتھ ہی ہر سال ایسا ممکن نہیں ہے یعنی کارکنوں کو چاہیے کو مقام کا خود انتظام کرلیں۔ (۲۲/ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ)
(ایضاً)

انجمن حمایت اسلام کے جنرل سیکرٹری کی امداد کے لیے بارگاہِ عثمانی میں عریضۂ اقبال

انجمن حمایت اسلام لاہور کے سیکرٹری حاجی شمس الدین صاحب کی امداد کی نسبت ڈاکٹر اقبال وغیرہ نے ایک عرضی نواب عثمان علی خان بہادر کی خدمت میں پیش کی تھی اس عرضی پر نواب صاحب ممدوح نے ۲۸/شوال المکرم ۱۳۴۱ھ بصیغہ مذہبی فرمان جاری رکتے ہوئے متعلقہ صیغہ جات کی رائے پیش کرنے کی ہدایت جاری کیں چونکہ ہماری دلچسپی کا اصل موضوع ڈاکٹر صاحب موصوف ہیں جو اس عرضی کے ایک دستخط کنندہ تھے اور چونکہ اس میں دکن سے متعلق اقبال کے چند اشعار نقل کیے گئے ہیں اس لیے اس کی نقل حسب ذیل پیش کی جاتی ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

عریضہ

بہ حضور پر نور حامی ملت اسلام مربی کافہ انام منبع جود و سخا معدن حلم و حیا آصف جاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ ہز اگزالیٹڈ ہائنس میر عثمان علی خان بہادر جے سی ایس آئی فتح جنگ شہر یار قلمرو دکن صانہا اللہ عن ارفات والفتن

ایک دن ناکام رہ کر محنت جانکاہ میں
محو تھا میں شکوہ ہائے قسمت کوتاہ میں
ناگہاں آئی دکن سے اِک صدائے جانفزا
جس نے کچھ تسکین بخشی اندہِ جانکاہ میں
چارہ عیسی نفس ہے گوش بر آو از ورد
کام کیا شور و فغاں کا عہد آصف جاہ میں
دورِ عثمانی میں فریاد گاہے باریاب!
پیشتر منعم سے گوش التفات شاہ میں!
کاوش جان کا سکون اس محشر آفتاب میں
ہے اگر ممکن کہیں تو ظل ظل اللہ میں!
اس کی چشم فیض میں یکساں ہیں پنجاب و دکن
فرق و قرب و بعد کیا جود و کرم کی راہ میں
آبیاری اس کی ہے سرسبزیِ کشت اُمید
قد دانی ثمرہ نخل کوشش جانکاہ میں!
اس کی بزم مملکت میں ہے بہ کیف جام جب
خلق اسے محبوب وہ محبوب خلق اللہ میں
اس کے حاجت مند کو کیا حاجت طول سخن
ہے اثر طومار کا جب قصۂ کوتاہ میں!
ہیں فلک کی انجمن میں جب تک انجم محو رقص
اور باقی ہے ضیاء فانوس مہر و ماہ میں
تیرا طالع ساطع و لامع رہے خورشید وار
یوں ہی ضوگستر رہے گردونِ بخت و جاہ میں
باغ عالم میں گل اقبال مشک افشاں رہے
خار کے مانند کھٹکے دیدۂ بدخواہ میں!

اعلیٰ حضرت

دعا گویان دولت و اقبال بارگاہ خسروی میں ایک ایسے خدمت گزار کو روشناس کرنے کی اجازت چاہتے ہیں جس نے اپنی عمر عزیز کے ۳۹سال مسلمانانِ ہندوستان کی خدمت دینی و دنیوی پر بے غرض خالصۃ لوجہ اللہ صرف کر دیئے۔ اس سے ہماری مراد حاجی شمس الدین صاحب جنرل سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور کی ذات ہے۔ یہ ان چند درد دل اور توفیق عمل رکھنے والے نفوس کے بقیہ ہیں جنھوں نے ۱۸۸۵ء میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا احساس کر کے مقاصد ذیل سے انجمن حمایت اسلام کی بنیاد ڈالی۔

۱۔ حمایت و اشاعت اسلام

۲۔ مسلمانوں کی مذہبی تاریخی اور دیگر علوم کا نشر و تحفظ

۳۔ لاوارث مسلمان یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی پرورش اور ان کی دینی و دنیوی تعلیم و تربیت کا انتظام

ان مقاصد کی تکمیل کے لیے انجمن نے واعظ مقرر کیے۔ ماہوار رسالہ جاری کیا۔ مسلمان لڑکیوں کو عیسائی مبلغین کی تعلیم و تحریص کے اثر سے بچانے کے لیے شہر لاہور کے مختلف محلوں میں زنانہ مدارس جاری کیے جن میں لڑکیاں دینی و دنیوی تعلیم حاصل کر رہی ہیں اس کے علاوہ ان کی ترغیب و تشویش کے لیے وظائف بھی مہیا کیے۔ لڑکوں کے لیے دو ہائی اسکول قایم کیے جن میں انگریزی کے علاوہ مذہبی تعلیم کا خاص سامان کیا گیا ہے ان سے متعلق ایک ٹریننگ سکول بھی کھول دیا۔ ۶۷/ابتدائیوں مدارس جاری کیے جن سے ۱۸/شہر لاہور میں ہیں اور ۴۹/ مفصلات میں جہاں مفت تعلیم دی جاتی ہے اور اب ان میں متعلمین کی مجموعی تعداد ۳۵۷۶ ہے۔ ۱۸۹۲ء میں اسلامیہ کالج کی بنیاد رکھی گئی جو بتدریج منازل ارتقا طے کرنے کے لیے ایک فرسٹ گریڈ کالج ہے جس میں سائنس [آزمودہ علم] اور آرٹس کی ایم۔اے تک تعلیم دی جاتی ہے اس کے دار الاقامہ اور مذکورہ اسکولوں کے لیے عالی شان عمارتیں تعمیر کرائیں اور خریدیں۔

مسلمان بچوں کی مذہبی و اخلاقی تعلیم کے لیے انجمن نے اردو فارسی و عربی میں نصاب تیار کرائے جو سارے ہندوستان میں ہر دلعزیز ہیں اور اسلامی مدارس میں اور خانگی طور پر رائج ہیں۔

ان خدمات کے علاوہ اس انجمن کی وہ خدمت جو سب سے زیادہ قدر و تحسین کی مستحق ہے وہ لاوارث یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ہے جس کی بدولت یہ اعدائے دین کے ہاتھوں دولت اسلام کھونے سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان کے لیے ۱۸۸۶ء میں ایک یتیم خانہ قایم کیا گیا جس میں سے سینکڑوں یتیم لڑکے پرورش پاکر تعلیم پاکر فائز المرام اور بامراد نکلے اور رہزنوں کی دستبرد سے ایمان سلامت لے گئے۔ اسی عرصے میں انجمن نے ۴۴ر یتیم لڑکیوں کو پرورش دے کر مناسب جہیز کے ساتھ بیاہ دیا۔ دماغی تعلیم کے علاوہ ان تیامیٰ کے لیے نجاری و خیاطی اور دوسری دست کاریوں کی تعلیم کے سامان بھی مہیا کیے۔

انجمن کی وسعت و اہمیت خدمات کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے تمام شعبوں پر علاوہ رقوم تعمیرات و خرید جائیداد کے اخراجات سالانہ کی مقدار ساڑھے تین لاکھ روپے ہے۔

اسلام پناہا۔

یہ ہیں کارنامے اسلام کی اس مشہور انجمن کے جس کی روح رواں اور بانیوں کے تنہا یادگار رکن یا عنصر حاجی صاحب ممدوح نے انجمن پر اپنی جان و مال اور ساری زندگی وقف کر دی ہے۔ قوم کی یہ خدمات انجام دیں مگر نہ ملک سے کسی معاوضہ کا طالب ہوا نہ حکومت سے کسی ناموری و خطاب کا خواہاں و ذوق دینی و ملی سے خاموشی کے ساتھ اسی خادمانہ جدوجہد میں عمر تمام کر دی۔ اور اس انہماک میں اپنی وجہ معاشی اور ذاتی نفع و نقصان کی طرف کوئی توجہ نہ کی مگر اب پیرانہ سالی میں ضرورت اور قرض کے ہاتھوں سے بے بس اور لاچار ہیں۔

ایک خادم دین و ملت کی اس ذاتی ضرورت اور تکلیف کے احساس نے فدویان دولت کو جرأت دلائی کہ حقیقت حال کو سمع ہمایوں تک پہنچا کر ملتجی ہوں کہ:

۱۔ حاجی صاحب ممدوح کی بقیہ زندگی کے گزارہ کے لیے بارگاہ خسروی سے ایک معقول مستقل وظیفہ ماہوار مقرر ہو جائے اور

۲۔ ان کے بار قرض سے جس کی مقدار پانچ ہزار ہے انھیں سبکدوش کیا جاوے تاکہ ان کی دلجمعی و فراغِ خاطر سے فرزندانِ اسلام کچھ دن اور مستفیض ہو سکیں اور بارانِ قدردانی ان کی خدماتِ دیرینہ کے شجر میں نئی شاخیں نکالے اور تازہ برگ و بار لائے:

جب تک فلک پیر کی آنکھوں میں ہے نور
گردوں پہ مہ و مہر کا جب تک ہے ظہور!
عثمان علی شاہ رہے زیب سریر
بابخت جو ان جاہ و ظفر عیش و سرور!

الملتمسان

(شرح دستخط فضل حسین (آنربیل خان بہادر میاں فضل حسین ایم اے بیرسٹر ایٹ لا وزیر صیغہ تعلیم گورنمنٹ پنجاب)

(شرح دستخط محمد ذوالفقار علی خان (آنربیل نواب سر محمد ذوالفقار علی خان کے سی ایس آئی ممبر کونسل آف اسٹیٹ انڈیا)

(شرح دستخط محمد اقبال (ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم اے، پی ایچ ڈی، بیرسٹر ایٹ لا)

اقتباس از مثل ۱۴ اباب ۱۳۳۲۱ف محکمہ باب حکومت صیغہ اُمور مذہبی)

اسی عرضی پر صیغہ اُمورِ مذہبی نے ۲۸ر ربیع الاول ۱۳۴۲ھ عرضداشت بارگاہ خسروی میں گزران کر مناسب ماہوار کے اجرا کی سفارش کی تھی چنانچہ فرمان بتاریخ ۶ر ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ ذیل جاری ہوا:

غرہ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ سے خاص طور پر مولوی شمس الدین صاحب کے نام یک صد روپیہ کلدار ماہوار تاحیات جاری کیا جائے۔

١٢

علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط*

سردار کریم نواز، محمد سلیم الرحمٰن

حکیم الامت علامہ اقبال کی ہمہ جہت شخصیت کے بارے میں تحقیق و انکشاف کا سلسلہ ہنوز ختم نہیں ہوا۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب پرستارانِ اقبال ان کے بارے میں نئے نئے گوشے سامنے نہیں لاتے۔ حال ہی میں ہمیں محترم سردار کریم نواز کی طرف سے علامہ اقبال کے چند خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں تین غیر مطبوعہ خطوط بھی شامل ہیں۔ ان میں سے ایک خط کا اصل ہمارے پاس موجود نہیں، اسے علامہ اقبال کے خط کی فوٹو کاپی سے لیا گیا ہے۔ ہم ان خطوط کے لیے سردار صاحب کے نہایت شکر گزار ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان حضرات سے جن کے پاس علامہ کے خطوط ہیں، مزید خطوط کی فراہمی کے لیے عرض گزار ہیں کہ وہ علامہ کے خطوط یا ان کی فوٹو کاپی کو قومی امانت سمجھ کر اقبال اکادمی کو عطا فرمائیں تاکہ علامہ کی زندگی کے مزید گوشے منظر عام پر آ سکیں۔ اکادمی اس سلسلے میں ان کی خدمت میں ان خطوط کا ہدیہ پیش کرنے کو بھی تیار ہے۔

علامہ نے یہ خطوط جمال الدین والی، ضلع رحیم یار خان کے ممتاز سجادہ نشین پیر غلام میراں شاہ کے نام تحریر فرمائے۔ ان خطوط کا سالِ تحریر ۱۹۳۷ء ہے۔ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ، حکیم نابینا کے تجویز کردہ نسخے کے مطابق تقویت قلب کے لیے تیتر کا شوربا استعمال کرتے تھے اور پیر صاحب قبلہ، علامہ کو سردیوں میں تیتر اور گرمیوں میں آموں کا تحفہ بھجوایا کرتے تھے۔ یہ خطوط دونوں بزرگوں کے درمیان دوستی اور گہرے تعلقات کے غماز ہیں۔

(ادارہ)

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۲۷، جنوری ۱۹۸۷ء۔

لاہور
۶ اپریل

مکرم و محترم جناب پیر صاحب مخدوم الملک

السلام علیکم - آپکا نوازش نامہ مل گیا تھا - اور تیتر بھی موصول ہوگئے تھے - جن کیلئے شکریہ قبول فرمائیے - افسوس ہے کہ میں اس سے پہلے آپکو خط نہ لکھ سکا - حکیم نابینا صاحب کو نبض دکھانے کیلئے دہلی چلا گیا تھا - جہاں سے کل واپس آیا ہوں - اُنہوں نے تقویت قلب کے لئے مزید دوا عطا فرمائی ہے - البتہ تیتر کے شوربے کو نہایت مفید بتایا ہے - زیادہ کیا عرض کروں - اُمید ہے کہ آپکا مزاج بخیریت ہوگا والسلام

محمد اقبال
جاوید منزل

[illegible]

لاہور
۱۴ اپریل ۳۶ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ پیر صاحب۔ السلام علیکم

والا نوازش نامہ کل ملا۔ الحمد للہ کہ آپ بہر نوع خیریت سے ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے میری حالت بھی بہ نسبت سابق بہتر ہے۔ اگرچہ بہ حیثیت مجموعی ابھی دائم المریض کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اس سے چند روز پہلے تک لاہور میں گرمی رہی تھی۔ اب کسی قدر موسم میں تبدیلی ہو گئی ہے۔ تاہم کم از کم رات کو خاص خنکی ہو جاتی ہے۔

زیادہ کیا لکھوں۔ سوائے اس کے کہ ... دعا فرمائیے

آپ کا تبصرہ دیکھا تھا۔ مگر پورا نہیں۔ انشاء اللہ تمام دیکھوں گا۔ والسلام

محمد اقبال

معاف کیجیے۔ کہ چونکہ ڈاکٹر صاحب نے ... لکھنے پڑھنے سے منع کر رکھا ہے۔ یہ خط ایک دوست سے لکھوایا ہے۔

Dr. Sir Mohammad Iqbal,
M. A., Ph. D.,
Bar-at-Law.

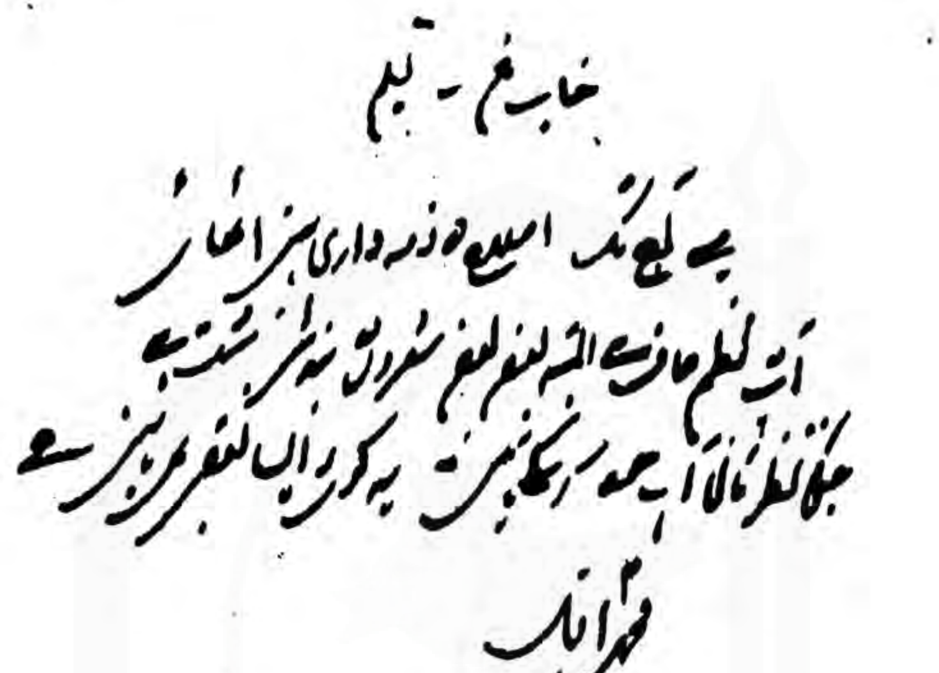
Mayo Road,
LAHORE 14.12.1937.

مخدوم و مکرم جناب قبلہ پیر صاحب

السلام علیکم۔ ایک مدت سے آپکی خیر و عافیت نہیں معلوم ہوئی۔ ممکن ہے۔ کہ
آپ حج کو تشریف لیجا چکے ہوں یا لیجانے والے ہوں۔ بہر حال خیریت
سے مطلع فرمائیے۔ شیر علی کئی دن سے نہیں آئے۔ امید کہ جناب والا
کا مزاج بخیر ہو۔ والسلام

آپکا مخلص

محمد اقبال


جناب مخدوم - تسلیم

محمد اقبال

یہ خط مولانا عقیل الرحمٰن ندوی کے کاغذات میں سے ملا۔ لفافہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے مکتوب الیہ کا تعین نہیں ہو سکتا۔ امکان یہی ہے کہ خط مولانا عقیل الرحمٰن ندوی ہی کو لکھا گیا ہوگا۔

مولانا عقیل الرحمٰن ندوی، مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کے پوتے تھے۔ ندوہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ سیاست سے دلچسپی تھی۔ تحریک خلافت کے دوران سہارن پور کی خلافت کمیٹی [مجلس] کے سیکرٹری رہے۔ ۱۹۳۲ء کے لگ بھگ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول سے فارسی، عربی اور دینیات کے استاد کے طور پر منسلک ہوگئے۔ ۱۹۴۳ء میں انتقال کیا۔

شعر بھی کہتے تھے۔ غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔ اقبال سے عقیدت تھی۔ اپنے ایک شعر میں کہا ہے:

عقیل، اقبال پر رحمت خدا کی جس کی حکمت نے
بدل دیں اپنے خوابِ دیرپا کی ساری تعبیریں

(محمد سلیم الرحمٰن)

قصہ ایک خط کا......*

ڈاکٹر وحید عشرت

اقبالیات جولائی ۱۹۸۶ء میں علامہ اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کی کتاب مظلوم اقبال پر تبصرہ شایع کیا گیا تھا جس میں ان حالات و واقعات کا ذکر کیا گیا تھا جن کے نتیجے میں علامہ اقبال اس نتیجے پر پہنچے کہ قادیانی چونکہ خود اپنے سوا جمہور مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں اور وہ انگریز اور ہندو کے ساتھ مل کر ایسی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں جن سے مسلمانوں کا اجتماعی تشخص اور مفاد خطرے میں ہے، لہٰذا ان کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے کر مسلمانوں کو اس فتنے سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ شیخ اعجاز نے کتاب میں عجیب منطق استعمال کی تھی ان کے بیان کے مطابق علامہ اقبال تھے تو نابغہ اور عبقری مگر انھوں نے احراریوں کے کہنے پر ۱۹۳۵ء میں قادیانیت کے خلاف اپنا لب و لہجہ، بہلاوے میں آکر، سخت کرلیا تھا۔ نیز ان کے بیشتر عزیز و اقارب بھی قادیانی تھے اور خود اقبال بھی قادیانیت کے لیے ایک عرصے تک نرم گوشہ رکھتے تھے۔ اور وہ چند شدید اختلافات کے باوجود بھی قادیانیوں کو کافر نہیں سمجھتے تھے۔

ہم نے اپنے تبصرے میں شیخ اعجاز کی اس صریح غلط بیانی اور اقبال پر بہتان کا پردہ چاک کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ علامہ اقبال ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۱۴ء اور ۱۹۳۵ء تک قادیانیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج تصور کرتے چلے آرہے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں دستورِ جدید کے تحت چونکہ عام انتخابات ہونے والے تھے چنانچہ ڈر تھا کہ مسلمانوں کے بھیس میں قادیانی اسمبلیوں میں

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۲ جلد نمبر ۲۸، جولائی ۱۹۸۷ء۔

پہنچ کر مسلمانوں کے علیحدہ آزاد وطن کی تحریک کو سبوتاژ نہ کر دیں للہذا انھوں نے کھل کر سیاسی بنیادوں پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیے جانے کا مطالبہ کیا ہم نے یہ بھی بتایا کہ علامہ اقبال کے اعزہ میں شیخ اعجاز ہی چودھری ظفر اللہ کی طرف سے دیے گئے سب ججی [ماتحت منصفی] کے لالچ کے تحت قادیانی ہوئے تھے۔ خود علامہ اقبال انھیں صالح تصور کرتے تھے مگر ان کے قادیانی عقائد کی وجہ سے انھیں ناپسند کرنے لگے تھے۔ حتیٰ کہ اقبال نے انھیں اپنے بچوں کی گارڈین شپ [سرپرستی] سے بھی فارغ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور ان کی جگہ سر راس مسعود کو لانا چاہا۔ اور سر راس مسعود کے نام خط میں شیخ اعجاز کے عقائد کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

ہمارے اس بیان پر پہلا تبصرہ، تو خود شیخ اعجاز احمد نے کیا کہ آپ کے موقر مجلّہ میں مظلوم اقبال کا بدبدی ہی سہی، کیا تو گیا جب کہ متعدد دوسرے اصحاب نے ہم سے شیخ اعجاز احمد صاحبؒ کے بارے میں علامہ اقبال کے سر راس مسعود کے نام خط کا حوالہ طلب کیا۔ ہم نے اس سلسلے میں اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ دیکھا تو ہم پر یہ عقدہ کھلا کہ اقبال نامہ کے ایک ہی اڈیشن کے دو نسخوں کے درمیان اس قدر تفاوت ہے کہ اس خط میں دانستہ تحریف کا یقین نہ کرنا حماقت ہے۔ خود ہم نے زندہ رود جلد سوم سے یہ حوالہ لیا تھا[1] اور زندہ رود کے فاضل مصنف جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے ڈاکٹر اخلاق اثر کے مرتبہ اقبال نامے کا حوالہ دیا تھا۔ ہم نے اس سلسلے میں بھوپال میں ڈاکٹر اخلاق اثر سے مراسلت کی انھوں نے فرمایا کہ علامہ کا یہ خط جس کا عکس ان کی کتاب اقبال اور ممنون حسن خان میں بھی موجود ہے، اقبال نامے میں اصل خط کی عبارت کا بھی ایک حصہ چھوٹ گیا تھا۔ جو اقبال نامے کے اس نسخے میں جو انھوں نے مجھے بھجوایا ہے انھوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ اس خط میں تحریفات کے چیستان سے ایک بات پوری طرح عیاں ہے کہ ان تحریفات کے پیچھے کوئی طاقت ور ہاتھ کام کرتا رہا ہے۔ اور اس کا مقصد علامہ کی شیخ اعجاز اور ان کے مذہب کے بارے میں رائے کو چھپانا ہے۔ ہم اس مختصر سے مضمون میں اس خط کے حوالے سے چند معروضات پیش کرتے ہیں۔

---

[1] جاوید اقبال، زندہ رود، جلد سوم، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، [۱۹۸۵ء]۔

اس خط کے بارے میں مظلوم اقبال کے صفحہ ۳۳۳ سے ۳۳۹ تک شیخ اعجاز احمد کے مباحث بھی دیکھنے کے لائق ہیں۔ ان کے بقول یہ خط انھیں ۵۲ سال بعد یعنی ۱۹۷۳ء میں سر راس مسعود کے نام خطوط میں پڑھنے کو ملا جو علامہ نے ۱۰ر جون ۱۹۳۷ء کو سر راس مسعود کو لکھا تھا۔ شیخ اعجاز کے بقول:

یہ خط اور سید صاحب موصوف کے نام کئی اور خطوط صہبا لکھنوی مدیر افکار کراچی کی مرتبہ کتاب اقبال اور بھوپال میں شایع ہوئے جسے اقبال اکادمی نے ۱۹۷۳ء میں شایع کیا۔ ۱۰ر جون والے اس خط کا ذکر ذرا تفصیل سے کرنا ضروری ہے۔ شاید قارئین کی دل چسپی کا باعث ہو۔ چچا جان کے بہت سے مکتوبات اوّل اوّل شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور نے ۴۵ء میں اقبال نامہ کے نام سے شایع کیے تھے۔ انھیں شیخ عطاء اللہ پروفیسر علی گڑھ کالج نے مرتب کیا تھا۔ اقبال نامہ (حصہ اوّل) میں چچا جان کے کئی خطوط سید راس مسعود کے نام شامل ہیں جن میں ۱۰ر جون ۳۷ء والا خط بھی ہے۔ اقبال نامہ ۴۵ء کا ایک نسخہ میرے پاس ہے لیکن اس میں ۱۰ر جون ۳۷ء والے خط میں میرے متعلق ان کا بھتیجا اور نہایت صالح آدمی ہونے کا کوئی ذکر نہیں میں نے صہبا صاحب سے دریافت کیا کہ ۱۰ر جون ۳۷ء والا خط انھوں نے کہاں سے نقل کیا ہے ان سے یہ معلوم ہوا کہ تعجب ہوا کہ وہ خط اور سید راس مسعود کے نام دوسرے خطوط جو اقبال اور بھوپال میں شایع کیے گئے ہیں سب کے سب شیخ محمد اشرف کے اقبال نامہ حصہ اوّل سے نقل کیے گئے ہیں۔ اپنے بیان کی تائید میں انھوں نے اقبال نامہ کا وہ نسخہ مجھے دکھایا جس سے یہ سب خطوط نقل کیے گئے۔ جب اس نسخہ میں مندرج خطوط بنام سر راس مسعود کا مقابلہ ان خطوط سے کیا گیا جو میرے پاس والے نسخہ میں شامل ہیں تو مزید تعجب ہوا کیونکہ دونوں نسخے اگرچہ ۴۵ء والے پہلے اڈیشن کے ہیں (دوسرا اڈیشن شایع ہونے کی نوبت نہیں آئی) لیکن ان میں حسب ذیل تین اختلافات ہیں:

۱۔ خط محررہ ۱۰ر مئی ۱۹۳۵ء کا کچھ حصہ میرے پاس والے نسخہ میں حذف شدہ ہے۔

۲۔ خط محررہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۳۵ء میرے پاس والے نسخہ میں سرے سے موجود ہی نہیں۔

۳۔ خط محررہ ۱۰ر جون ۱۹۳۷ء کا کچھ حصہ جس میں میرے متعلق متذکرہ بالا کلمۂ خیر لکھا گیا ہے۔ میرے پاس والے نسخہ میں حذف شدہ ہے۔[1]

اس عقدہ کو بھی شیخ اعجاز نے خود ہی کھولا ہے کہ اقبال نامہ میں تحریفات کی شانِ نزول کیا ہے شیخ اعجاز لکھتے ہیں:

جب صہبا صاحب نے شیخ محمد اشرف سے اس معمہ کی گرہ کشائی چاہی تو انھوں نے اپنے خط محررہ ۳ر اکتوبر ۱۹۷۴ء میں یہ جواب دیا:

مکاتیب اقبال کا ایک ہی اڈیشن شایع ہوا ہے دوسرا اڈیشن شایع نہیں ہوا۔ پہلا اڈیشن ۱۹۴۵ء میں طبع تھا جس وقت یہ کتاب چھپ کر بازار میں آئی۔ اس وقت چودھری محمد حسین جن کو آپ خوب جانتے ہوں گے زندہ تھے چودھری صاحب پریس برانچ [نشر و اشاعت] کے سپرنٹنڈنٹ [مہتمم] تھے اور پیپر کنٹرولر [ناظم کاغذ] بھی تھے میرے ان سے تعلقات بھی تھے علامہ اقبال مرحوم نے ایک خط سرراس مسعود کو تحریر کیا ہوا تھا جو بالکل درست تھا وہ خط بھی طبع شدہ اڈیشن میں موجود تھا۔ چودھری صاحب پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ خط اس مجموعہ میں شامل ہو میں نے ہر چند ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اس خط کو حذف نہ کیا جائے مگر وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ مجبوراً وہ خط حذف کر دیا گیا۔ جو نسخے قبل ازیں فروخت ہو گئے ان میں وہ خط شامل ہو گا بقایا نسخے اس خط کے بغیر ہوں گے۔ یہ ہی فرق ہے جس کی طرف آپ نے نشان دہی کی ہے۔ اس خط کا عکس اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ اصل خط شیخ عطاء اللہ صاحب مرحوم کے پاس موجود تھے انھوں نے

---

[1] شیخ اعجاز احمد، مظلوم اقبال، کراچی، [۱۹۵۸ء]، ص ۳۳۴۔

واپس نہیں کیے تھے۔ اب غالباً ان کے صاحب زادے مختار مسعود کے پاس موجود ہوں گے۔ آپ نے صحیح تحریر فرمایا ہے بعض نسخوں میں صفحات بھی کم ہیں اور عبارتیں بھی مختلف ہیں چونکہ ایک اہم اور طویل خط حذف کر دیا گیا تھا اس وجہ سے صفحات اور عبارت میں ضرور فرق ہونا لازمی تھا اُمید ہے آپ کی الجھن دور ہو گئی ہو گی۔[1]

شیخ محمد اشرف کے صہبا لکھنوی کو اس جواب کے نقل کرنے کے بعد شیخ اعجاز احمد نے اپنے چھوٹے بھائی شیخ مختار کو جو لاہور میں رہتے تھے۔ یہ ساری صورتِ حال بتائی چنانچہ شیخ مختار نے شیخ اشرف سے ملاقات کر کے اپریل ۱۹۷۵ء کو اپنے بڑے بھائی شیخ اعجاز کو خط لکھا کہ:

میں کل شیخ محمد اشرف صاحب کو ملا تھا وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں اقبال نامہ حصہ اول کے بارے میں انھوں نے وہی بات بتائی جس کا آپ نے ذکر کیا ہے انھوں نے بتایا کہ اس کتاب کی قریباً ۱۰۰ کاپیاں جب فروخت ہو گئیں تو چودھری محمد حسین صاحب نے چند خطوط کے بعض حصوں کو حذف کرنے کو کہا میں نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا سب نے یہی کہا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے علم ہوا کہ چودھری صاحب چھ ماہ کے بعد ریٹائرڈ [سبکدوش] ہو جائیں گے چودھری صاحب اس لڑائی [جنگ عظیم دوم] کے زمانے میں پیپر کنٹرولر بھی تھے اور کاغذ کا کوٹہ [مقدار رسد] بھی وہی دیتے تھے۔ انھیں انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ فیصلہ کیا کہ ابھی کتاب کی فروخت بند کر دی جائے اور کسی طرح چھ ماہ گزر جائیں ان کے ریٹائر ہونے کے بعد کتاب فروخت کریں گے۔ چودھری صاحب کو دو سال کی ایکسٹینشن [توسیع] مل گئی۔ میں مجبور ہو گیا کتاب کی چار ہزار کاپیاں [نسخے] چھپی تھیں ان کاپیوں میں ورق تبدیل کرنے پڑے جس میں مجھے کافی نقصان ہوا۔ انھوں نے کہا کہ میرے پاس اب کوئی کاپی نہیں ورنہ میں آپ کو مایوس نہ کرتا۔[2]

---

[1] ایضاً، ص ۳۳۵-۳۳۴۔

[2] ایضاً، ص ۳۳۶-۳۳۵۔

شیخ اعجاز نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انھوں نے سید نذیر نیازی سے بھی پوچھا جس پر سید نذیر نیازی نے بھی تسلیم کیا کہ: "بعض (خطوط) میں چودھری صاحب نے مصلحتاً کچھ تبدیلیاں بھی کیں ان معنوں میں کہ جو عبارت پسند نہ آئی اسے قلم زد کر دیا۔"[1] شیخ اعجاز اس ساری بحث کے بعد خط میں تحریف کا سارا الزام چودھری محمد حسین پر دھرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس کی اشاعت میرے محترم شریک کار (ہم دونوں (یعنی چودھری محمد حسین اور شیخ اعجاز) جاوید اور منیرہ کے گارڈین [سرپرست] تھے) کی سیاست کو گوارا نہ ہوئی اس سیاست بازی کے متعلق کچھ کہنا مناسب نہیں۔[2]

شیخ اعجاز ڈاکٹر اخلاق اثر کے اقبال نامے میں چھپنے والے ۱۰ر جون ۱۹۳۷ء کے خطوط کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شیخ عطاء اللہ کے مجموعۂ خطوط کے اس اصل خط کی نقل بھی انھوں نے پنجاب پبلک لائبریری [عوامی کتب خانہ پنجاب] سے حاصل کرلی ہے جو چودھری محمد حسین کی تحریف سے بچ گیا تھا۔ تاہم ڈاکٹر اخلاق اثر کے اقبال نامے کا وہ فیصلہ اصل خط دیکھ کر ہی کر سکتے ہیں معلوم نہیں یہ اصل خط کس کے پاس ہے۔ پھر انھوں نے اصل خط کی فوٹو کاپی [عکسی نقل] دینے کی استدعا کی ہے حالانکہ اس خط کی فوٹو کاپی اقبال اور ممنون حسن خان مصنف ڈاکٹر اخلاق اثر نامی کتاب میں صفحہ ۱۵ پر موجود ہے۔ خود اقبال نامے مرتبہ ڈاکٹر اخلاق اثر میں بھی اس خط کا پورا متن شایع نہیں ہوا۔ جب کہ علامہ اقبال نے اس خط میں یہ بھی وضاحت کر دی تھی کہ خود قادیانی مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اس واسطے ان کے نزدیک یہ امر شرعاً مشتبہ ہے کہ آیا ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی مسلمان بچوں کا گارڈین ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ہم علامہ صاحب کے اس خط کا عکس اقبال اور ممنون حسن خان مصنف ڈاکٹر اخلاق اثر سے لے کر شایع کر رہے ہیں۔ جس کے بعد ہم بھی چاہیں گے کہ شیخ اعجاز نے اس خط کے بارے میں جو عذر تراشا ہے کہ شیخ مختار مسعود اور ممنون حسن خان نے ان کے استفسارات کے جواب نہیں دیے ورنہ: "اگر اس کتاب کی طباعت سے پہلے ان سے کوئی ایک فوٹو کاپی مل گئی تو

---

[1] ایضاً، ص ۳۳۶۔
[2] ایضاً، ص ۳۳۷۔

صورتِ حال عرض کر دی جائے گی۔" اب شیخ صاحب فرمائیں کہ اس عکسی نقول کی اشاعت کے بعد وہ بیچ اس معاملہ کے کیا فرماتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے ساری تان اس خط کی عدم دریافت پر توڑ دی ہے۔

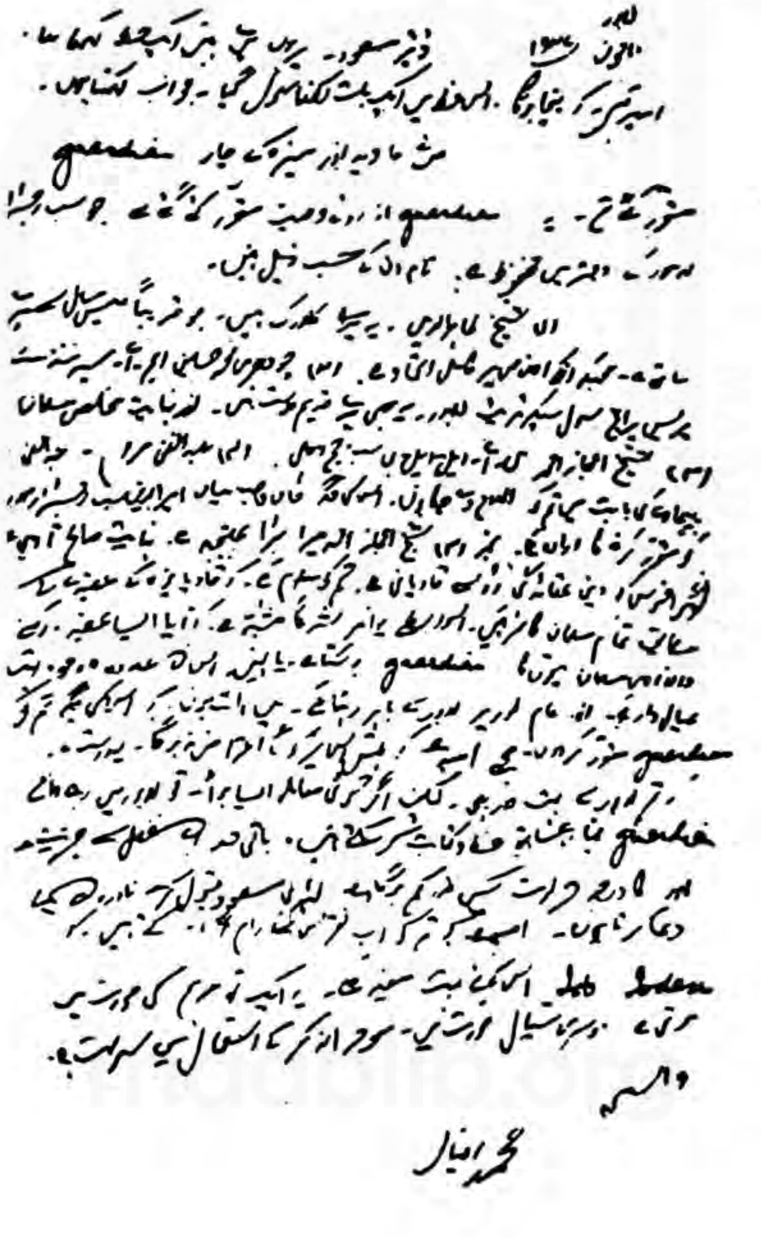
اس خط میں چودھری محمد حسین نے کیوں تحریف کی، شیخ محمد اشرف کیوں ان سے کسی قدر دبے رہے اور شیخ عطاء اللہ اور شیخ مختار مسعود نے اس بارے میں کبھی کوئی وضاحت کیوں نہیں کی۔ ایسے جواب ہیں جو ان ہی متعلقہ افراد کے لواحقین یا احباب دے سکتے ہیں مگر یہ دل چسپ حقیقت سمجھ میں نہیں آتی کہ اس پردۂ زنگاری میں کون تھا جو چودھری محمد حسین کو یہ خط شایع نہ کرنے پر مجبور کر رہا تھا اور شیخ محمد اشرف نے چودھری محمد حسین کی ریٹائرمنٹ [سبکدوشی] کے بعد اس خط کو اپنی اصل حیثیت میں پھر کبھی شایع کرنے یا اس کے بارے میں لکھنے کی ضرورت کیوں نہیں محسوس کی۔ پھر شیخ اعجاز کا یہ الزام کہ اقبال کی طرف سے انھیں ملنے والے صالحیت کے سرٹیفکیٹ کے اخفا سے چودھری محمد حسین نے شیخ اعجاز سے کوئی سیاست کی بھی، ناقابل فہم ہے اس لیے کہ صالحیت کے سرٹیفکیٹ کو چھپانے کا چودھری صاحب کو کوئی فائدہ نہ تھا اس لیے کہ صالحیت کے سرٹیفکیٹ سے زیادہ خطرناک بات شیخ اعجاز کے قادیانی عقائد کے حوالے سے اس خط میں موجود تھی جو ان کی صالحیت کی خوشی سے زیادہ اذیت ناک ہے اور ان کی صالحیت ان کے عقیدے کے ظاہر ہونے کے بعد بے معنی ہو جاتی ہے۔ چودھری صاحب کو شیخ اعجاز کا عقیدہ، سیاست کرتے وقت ان کی صالحیت اور گارڈین شپ کے لیے زیادہ مہلک ہتھیار کے طور پر ہاتھ آسکتا تھا مگر انھوں نے ایسا نہ کیا۔ لہٰذا چودھری صاحب پر شیخ اعجاز کا یہ الزام ناروا ہے اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اس خط کے بارے میں یہ سند کافی ہے کہ یہ خط سر راس مسعود کو لکھا گیا جو بھوپال میں اس وقت وزیر تعلیم تھے اور ممنون حسن خان ان کے سیکرٹری تھے اس امر کا اعتراف خود مظلوم اقبال ص ۳۳۸ میں موجود ہے۔[۱] تاہم یہ سوال قارئین اقبال کے لیے حل طلب ہے کہ علامہ اقبال کے خطوط میں کتربیونت کا حق کیا اقبال نے ان کو دیا یا انھوں نے خود ہی اپنے مفادات یا اپنی صواب دید کے تحت کیا اور ان کی یہ مصلحتیں کیا تھیں خود شیخ اعجاز نے مظلوم اقبال میں

---

[۱] ایضاً، ص ۳۳۸۔

خاندانی اور ذاتی حوالے کے پردے میں خطوط، اقبال کی کتر بیونت کیوں کی ہے ہو سکتا ہے کہ ان خطوط میں بھی اقبال کی شخصیت کے نہایت اہم گوشے شیخ صاحب کی کرم فرمائی سے اوجھل رہ جائیں۔ چودھری صاحب نے شیخ اعجاز سے سیاست کی تھی تو شیخ اعجاز نے کیا اقبال سے سیاست کی ہے؟ لیجیے ہم اس موضوع پر کچھ کہنے سے پیشتر آپ کی خدمت میں ڈاکٹر محمد اقبال کا یہ خط عکسی نقل کے ساتھ پیش کرتے ہیں:



یہ خط ہم نے نیچے نقل کر دیا ہے تاکہ اس کا مفہوم سمجھنے اور عبارت پڑھنے میں کسی کو کوئی دقت نہ ہو۔

لاہور

۱۰ر جون ۱۹۳۷ء

ڈیر مسعود

پرسوں میں نے تمھیں ایک خط لکھا تھا۔ اُمید ہے کہ پہنچا ہوگا۔ اس خط میں ایک بات لکھنا بھول گیا جواب لکھتا ہوں۔

مَیں نے جاوید اور منیرہ کے چار گارڈین مقرر کیے تھے یہ گارڈین ازروئے وصیت مقرر کیے گئے تھے جو سب رجسٹرار [ذیلی محافظ حساب دفتر] لاہور کے دفتر میں محفوظ ہے نام ان کے حسب ذیل ہیں:

۱۔ شیخ طاہر الدین۔ یہ میرے کلارک [کلرک: منشی] ہیں جو قریباً بیس سال سے میرے ساتھ ہیں مجھ کو ان کے اخلاص پر کامل اعتماد ہے۔

۲۔ چودھری محمد حسین ایم اے، سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ سول سیکرٹریٹ [حضری دفتر معتمدی] لاہور۔ یہ بھی میرے قدیم دوست ہیں اور نہایت مخلص مسلمان۔

۳۔ شیخ اعجاز احمد بی اے ایل ایل بی سب جج دہلی۔

۴۔ عبدالغنی مرحوم۔ عبدالغنی بیچارے کی بابت میں تم کو اطلاع دے چکا ہوں۔ اس کی جگہ خان صاحب میاں امیر الدین سب رجسٹرار لاہور کو مقرر کرنے کا ارادہ ہے نمبر (۳) شیخ اعجاز احمد میرا بڑا بھتیجا ہے نہایت صالح آدمی ہے مگر افسوس کہ دینی عقاید کی روح سے قادیانی ہے ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ قادیانیوں کے مطابق تمام مسلمان کافر ہیں اس واسطے یہ امر شرعاً مشتبہ ہے کہ آیا ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی مسلمان بچوں کا گارڈین ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ خود بہت عیال دار ہے اور عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو گارڈین مقرر کروں۔ مجھے اُمید ہے کہ تمھیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ یہ درست ہے کہ تم

لاہور سے بہت دور ہو لیکن اگر کوئی معاملہ ایسا ہوا تو لاہور میں رہنے والے گارڈین تمہارے ساتھ خط و کتابت کر سکتے ہیں۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے لاہور کا درجہ حرارت کسی قدر کم ہو گیا ہے۔ لیڈی مسعود سلام قبول کرے نادرہ کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ تم کو اب نقرس سے آرام ہو گا کہتے ہیں کہ آیوڈیکس [ایک انگریزی دوا] اس کے لیے بہت مفید ہے یہ ایک تو مرہم کی صورت میں ہوتی ہے۔ دوسری سیال صورت میں۔ مؤخر الذکر کے استعمال میں سہولت ہے۔

والسلام

محمد اقبال

اب اس خط کا قصہ سنیے کہ تمام جگہ دوسرے سارے مضامین میں اس کی اشاعت میں سر مو فرق نہیں مگر ہر کہیں فرق ہے تو شیخ اعجاز احمد اور قادیانیت کے بارے میں علامہ اقبال کے ریمارکس [تبصرے] میں۔ شیخ اعجاز احمد کہتے ہیں کہ گارڈین شپ میں ان کے حریف چودھری محمد حسین نے سیاست کرتے ہوئے علامہ اقبال کی طرف سے ان کی صالحیت کے سرٹیفکیٹ کو دبانے کے لیے یہ تحریف کی حالانکہ شواہد یہ ہیں کہ چودھری محمد حسین نے اس تحریف کے ذریعے شیخ اعجاز احمد کی گارڈین شپ کو محفوظ کر دیا اور عبدالغنی مرحوم کی جگہ سر راس مسعود کو گارڈین شپ دینے کی اقبال کی خواہش ظاہر کی۔ ہم اقبال نامے کی دونوں عبارتوں کا عکس دے کر اس صورت حال کی وضاحت کرتے ہیں۔

اقبال نامہ ۳۸۶ حصہ اول

(۲۲۹) ——— (۲۴۴)

خط نمبر ۲

لاہور
۱۰ جولائی ۱۹۳۶ء

ڈیر مسعود

پرسوں میں نے ایک خط لکھا تھا۔ امید ہے کہ پہنچا ہوگا۔ اس خط میں ایک بات لکھنا بھول گیا۔ جو اب لکھتا ہوں۔ میں نے جاوید اور منیرہ کے چار guardian مقرر کئے تھے۔ یہ guardians ازروئے وصیت مقرر کئے گئے تھے جو سب رجسٹرار لاہور کے دفتر میں محفوظ ہے۔ نام ان کے حسب ذیل ہیں۔

(۱) شیخ طاہر الدین۔ یہ میرے کلارک ہیں۔ جو قریباً بیس سال سے میرے ساتھ ہیں۔ مجھ کو ان کے اخلاص پر کامل اعتماد ہے (۲) چودھری محمد حسین ایم اے سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ سول سکریٹریٹ یہ بھی میرے قدیم دوست ہیں۔ اور نہایت مخلص مسلمان (۳) شیخ اعجاز احمد بی اے۔ ایل ایل بی۔ سب جج دہلی۔ (۴) عبدالغنی مرحوم

اقبال نامہ ۳۸۷ حصہ اول

عبدالغنی بیچارے کی بابت تم کو اطلاع دے چکا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو guardian مقرر کردوں۔ مجھے امید ہے کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ یہ درست ہے کہ تم لاہور سے بہت دور ہو۔ لیکن اگر کوئی معاملہ ایسا ہوا تو لاہور میں رہنے والے guardians تمہارے ساتھ خط و کتابت کرسکتے ہیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ لاہور کا درجہ حرارت کسی قدر کم ہوگیا ہے۔ لیڈی مسعود سلام قبول کریں۔ نادرہ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ امید کہ تم کو اب نقرس سے آرام ہوگا۔ کہتے ہیں کہ IODEX اس کے لئے بہت مفید ہے۔ ایک تو مرہم کی صورت میں ہوتی ہے۔ دوسری سیال صورت میں۔ موخرالذکر کے استعمال میں سہولت ہے

والسلام

محمد اقبال

اقبال نامہ ۳۸۶ حصہ اول

(۲۲۹) ——— (۲۴۴)

خط نمبر ۱

لاہور
۱۰ جولائی ۱۹۳۶ء

ڈیر مسعود

پرسوں میں نے ایک خط لکھا تھا۔ امید ہے کہ پہنچا ہوگا۔ اس خط میں ایک بات لکھنا بھول گیا۔ جواب لکھتا ہوں۔ میں نے جاوید اور منیرہ کے چار guardian مقرر کئے تھے۔ یہ guardians ازروئے وصیت مقرر کئے گئے تھے۔ جو سب رجسٹرار لاہور کے دفتر میں محفوظ ہے۔ نام ان کے حسب ذیل ہیں۔

(۱) شیخ طاہر الدین۔ یہ میرے کلارک ہیں۔ جو قریباً بیس سال سے میرے ساتھ ہیں۔ مجھ کو ان کے اخلاص پر کامل اعتماد ہے (۲) چودھری محمد حسین ایم اے سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ سول سکریٹریٹ یہ بھی میرے قدیم دوست ہیں۔ اور نہایت مخلص مسلمان (۳) شیخ اعجاز احمد بی اے۔ ایل ایل بی۔ سب جج دہلی۔ (۴) عبدالغنی مرحوم

اقبال نامہ ۳۸۷ حصہ اول

عبدالغنی بیچارے کی بابت میں تم کو اطلاع دے چکا ہوں۔ اس کی جگہ خان صاحب میاں امیر الدین سب رجسٹرار لاہور کو مقرر کرنے کا ارادہ ہے۔ نمبر ۳ شیخ اعجاز احمد میرا بھتیجا ہے۔ نہایت صالح آدمی ہے۔ لیکن وہ خود بہت عیالدار ہے اور عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو guardian مقرر کردوں۔ مجھے امید ہے کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ یہ درست ہے کہ تم لاہور سے بہت دور ہو۔ لیکن اگر کوئی معاملہ ایسا ہوا تو لاہور میں رہنے والے guardians تمہارے ساتھ خط و کتابت کر سکتے ہیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ لاہور کا درجہ حرارت کسی قدر کم ہوگیا ہے۔ لیڈی مسعود سلام قبول کریں۔ نادرہ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ امید کہ تم کو اب نقرس سے آرام ہوگا۔ کہتے ہیں کہ Iodex اس کے لئے بہت مفید ہے۔ ایک تو مرہم کی صورت میں ہوتی ہے۔ دوسری سیال صورت میں۔ موخرالذکر کے استعمال میں سہولت ہے۔ والسلام

محمد اقبال

خط نمبرا۔ اقبال نامہ کا وہ خط ہے جو چودھری محمد حسین کی قطع و برید سے قبل شایع ہوا۔ اس میں لکیر زدہ عبارت ملاحظہ ہو اس میں مندرجہ ذیل باتیں واضح ہیں:

۱۔ عبدالغنی مرحوم کی جگہ میاں امیر الدین سب رجسٹرار کو مقرر کرنے کا علامہ نے ارادہ ظاہر کیا۔

۲۔ شیخ اعجاز کی جگہ سر راس مسعود کو گارڈین مقرر کرنا چاہا۔

جب کہ تحریف کردہ خط نمبر ۲

۱۔ عبدالغنی مرحوم کی جگہ میاں امیر الدین کے تقرر کا کوئی ذکر نہیں۔

۲۔ عبدالغنی کی جگہ سر راس مسعود کے تقرر کا مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔

۳۔ یوں شیخ اعجاز کی گارڈین شپ کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔

یعنی چودھری محمد حسین نے تو شیخ اعجاز سے سیاست نہیں کی بلکہ شیخ اعجاز کی گارڈین شپ محفوظ کرنے کے لیے اقبال کے خط کی عبارت کو بدل دیا اور شیخ اعجاز کے عقائد اور ان کی گارڈین شپ سے محرومی کی وجہ کو چھپا دیا ہے اور انھیں خط سے نکال کر شیخ اعجاز کی خدمت انجام دی۔ اس لیے شیخ اعجاز کو تو چودھری محمد حسین کا احسان مند ہونا چاہیے حالانکہ وہ اُلٹا گلہ کر رہے ہیں کہ چودھری صاحب نے شیخ اعجاز کی متنازعہ شخصیت کو غیر متنازعہ بنا دیا۔ اس کی وجہ بچوں کی گارڈین شپ میں شیخ اعجاز کو شریک رکھنا بھی مطلوب ہو سکتا ہے کہ خاندانِ اقبال کے اس فرد کو کسی نہ کسی طرح گارڈین شپ میں باقی رکھا جائے۔ تاہم نیک نیتی سے بھی کی گئی اس کتر بیونت کے اخلاقی جواز کی تفہیم نہیں ہوتی۔ کہ جس چیز کو علامہ شرعاً مشتبہ سمجھتے تھے اس کو اس عبارت سے حذف کرکے مباح کرنے کی سعی کیوں کی گئی۔ اور شیخ اعجاز کے لیے یہ "نرم گوشہ" کیونکر پیدا کیا گیا۔ ذیل میں ہم اقبال اور بھوپال از صہبا لکھنوی میں شایع کیے گئے اس خط کا عکس شایع کر رہے ہیں:

[1] لاہور ــــ ۱۰؍جون ۱۹۳۶ء

ڈیر مسعود ــــ پرسوں میں نے ایک خط لکھا تھا۔ امید ہے کہ پہنچا ہوگا۔ اس خط میں ایک بات لکھنا بھول گیا۔ جواب لکھتا ہوں۔

میں نے جاوید اور منیرہ کے چار Guardians مقرر کیے تھے۔ یہ ازروئے وصیت مقرر کیے گئے تھے۔ جو سب رجسٹرار لاہور کے دفتر میں محفوظ ہے۔ نام ان کے حسب ذیل ہیں۔ (۱) شیخ طاہرالدین یہ میرے کلارک ہیں جو قریباً بیس سال سے میرے ساتھ ہیں۔ مجھ کو ان کے اخلاص پر کامل اعتماد ہے۔

(۲) چودھری محمد حسین، ایم اے۔ سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ سول سکریٹریٹ لاہور یہ بھی میرے قدیم دوست ہیں۔ اور نہایت مخلص مسلمان۔

(۳) شیخ اعجاز احمد بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی سب جج دہلی [2]

(۴) عبدالغنی مرحوم [3] عبدالغنی بیچارے کی بابت میں تم کو اطلاع دے چکا ہوں۔ اس کی جگہ خاں صاحب میاں امیرالدین سب رجسٹرار لاہور کو مقرر کرنے کا ارادہ ہے۔ نمبر ۳ شیخ اعجاز احمد میرا بھتیجا ہے نہایت صالح آدمی ہے لیکن وہ خود بہت عیالدار ہے اور عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو ــــ Guardians مقرر کردوں۔ مجھے امید ہے کہ تمھیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ یہ درست ہے کہ تم لاہور سے بہت دور ہو۔ لیکن اگر کوئی معاملہ ایسا ہوا تو لاہور میں رہنے والے Guardians تمھارے ساتھ خط و کتابت کر سکتے ہیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ لاہور کا درجۂ حرارت کسی قدر کم ہوگیا ہے۔ لیڈی مسعود سلام قبول کریں۔ نادرہ کے لیے دعا کرتا ہوں۔ امید کہ تم کو اب نقرس سے آرام ہوگا۔ کہتے ہیں کہ iodex اس کے لیے بہت مفید ہے۔ ایک تو مرہم کی صورت میں ہوتی ہے، دوسری سیّال صورت میں۔ موخرالذکر کے استعمال میں سہولت ہے۔

والسلام۔ محمد اقبال [4]

---

۱ اخلاق اثر، اقبال اور ممنون حسن، بھوپال، دار الاقبال، [۱۹۹۱ء]، ص ۱۵۔

۲ شیخ عطاء اللہ (مرتبہ)، اقبال نامہ، لاہور، شیخ محمد اشرف، ص ۳۸۷،۳۸۶۔

۳ صہبا لکھنوی، اقبال اور بھوپال، کراچی، اقبال اکادمی، ص ۲۴۵۔

۴ ایضاً، ص ۲۴۵۔

راس مسعود نے اس خط کا فوراً جواب دیا۔ اُن کا یادگار اور تاریخی خط ملاحظہ ہو:

"بھوپال ۔۔۔ ۱۴ / جون ۱۹۳۶ء

نہایت پیارے اقبال ۔ تمہارا خط مورخہ ۱۰ / جون ابھی ۳ بجے میں نے بغور پڑھا۔ جو تم نے جاوید کی بابت میری رائے پوچھی ہے یہ ہے کہ چونکہ میں نہ لاہور میں رہتا ہوں اور نہ کوئی امید ایسی ہو سکے قریب رہنے کی ہے۔ تو مجھے مقرر نہ کرو۔ بلکہ کسی ایسے دوست کو جو کم سے کم پنجاب ہی میں مقیم ہوں۔ البتہ اپنی وصیت میں یہ ضرور لکھو کہ اگر گارڈین کو کسی معاملہ میں جہاں تک کہ منیرہ سلمہا اور جاوید سلمہ کی تعلیم کا تعلق ہے کوئی مالی دقت پیش آئے تو پہلے میں مطلع کیا جاؤں کیونکہ جب تک کہ ان دونوں کی انشاء اللہ بائیس برس کی عمر نہ ہو جائے میں ہر ممکن طریقہ سے مدد دینے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ میں زندہ رہا۔ یہ خود ایک بڑی ذمہ داری میں اپنے اوپر اس عشق کے ثبوت میں لے رہا ہوں جو مجھے تم سے ہے۔ یہ ضرور کرنا کہ میرے متعلق اس سلسلے میں جو الفاظ اپنے وصیت نامہ میں درج کرو جو کہ رجسٹرار کے پاس محفوظ کر رہے ہو، ان کی ایک نقل میرے پاس ضرور بھیج دینا۔ اگر خدانخواستہ ضرورت پیش آئی تو یقین رکھو کہ تمہارے ان دونوں بچوں کے لیے ان کی تعلیم کے مسئلے میں میں وہی کروں گا جو اپنی اولاد کے لیے۔ یہ ضرور صلاح دیتا ہوں کہ جہاں تک جائداد وغیرہ کا تعلق ہے اس کا انتظام اپنے سامنے ہی ایسا کر دو کہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔ شکر ہے خدا کا گلا اب ذرا بہتر ہے۔

میں ہوں تمہارا چاہنے والا ۔۔۔۔ راس مسعود"

اقبال اور بھوپال میں علامہ کے اس خط کی اشاعت کا عکس اور سر راس مسعود کی طرف سے اس کے جواب کی اشاعت کا عکس اس بات کو تو ظاہر کرتا ہے کہ یہ خط ہر لحاظ سے درست اور صحیح ہے کیونکہ ۱۰ / جون کو علامہ نے خط لکھا اور ۱۴ / جون ۱۹۳۶ء کو راس مسعود نے خط کا جواب دیا اور لکھا کہ ۱۰ / جون کا خط میں نے بغور پڑھا اب خط پر اعتراض بے معنی ہے تاہم اقبال اور بھوپال کے اس خط میں بھی شیخ اعجاز کے عقاید اور قادیانیت کے بارے میں علامہ

اقبال کے ریمارکس حذف کر دیے گئے ہیں۔ اب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے زندہ رود جلد سوم میں جو اقتباس دیا ہے اس کے بارے میں اقبال نامے کے مرتب ڈاکٹر اخلاق اثر نے ہمارے نام ایک خط میں وضاحت کی کہ وہ بھی مکمل نہیں ہے کیونکہ خود اقبال نامے کی کتابت میں سے یہ عبارت رہ گئی:

> کہ قادیانیوں کے عقیدے کے مطابق تمام مسلمان کافر ہیں اس واسطے یہ امر شرعاً مشتبہ ہے۔

ڈاکٹر اخلاق اثر نے اس میں بتایا ہے کہ اصل میں اقبال نامے کا جو نسخہ ڈاکٹر جاوید اقبال کو دیا گیا اس میں یہ عبارت موجود نہ تھی۔ ملاحظہ کیجیے ڈاکٹر اخلاق اثر کے خط کا عکس:[1]

Dr. AKHLAQ ASAR
M.A. (URDU), M.A. (ENGLISH), Ph.D
Vice President
All India Urdu Writers & Journalist Forum
For National Integration (Registered)

SADIQ MANZIL
Chowki Imambara,
BHOPAL - 462 001

Dated 7-1-86

محترم وحید عشرت صاحب! وعلیکم السلام

زندہ رود (تین جلدیں) لندن اقبال اور حیدرآباد موصول ہوئیں۔ بہت بہت شکریہ۔ آپ کی حسب فرمائش اپنی تالیفات "اقبال اور شیش محل" "اقبال نامے" اور تصنیف "اقبال اور مجنون" رجسٹری سے روانہ کر رہا ہوں۔ "اقبال نامے" کا دوسرا ایڈیشن اور "اقبال کا وظیفہ" اپریل تک مکمل ہونے کی امید ہے۔ "معلوم اقبال" اور دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ اقبال کے اقتصادی اور معاشی حالات پر معلومات مکمل ہو جائیں۔ اگر ممکن ہو تو بہ زحمت اور برداشت فرمائیں۔ میری تالیفات کے بارے میں آپ کی نیک خواہشات میرے لیے اہمیت رکھتی ہیں۔

---

[1] ڈاکٹر اخلاق اثر کا ڈاکٹر وحید عشرت کے نام خط۔

"مطالعۂ اقبال" پر آپ کا تبصرہ پڑھوایا تھا۔ اُس میں اقبال کے ۱۰ر جون ۳۷ء
کے مکتوب کا حوالہ تھا جو آپ نے "زندہ رود" سے لیا تھا۔ اس وقت تک میں نے "زندہ
رود" نہیں دیکھی تھی اور یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اقتباس "اقبال نامہ" سے لیا گیا ہے۔
اس مکتوب کا مکمل متن "اقبال اور قرآن" صفحہ ۱۵ پر فوٹو کاپی کی شکل میں دیا گیا ہے۔
"زندہ رود" میں اس مکتوب کا اہم حصہ رہ گیا جو بعد کے نسخوں میں ہاتھ سے بڑھا دیا گیا تھا اور
یہ تحریر اس نسخہ میں بڑھائی نہ جا سکی تھی جو جناب جاوید اقبال صاحب کی خدمت میں پیش کی
گئی تھی۔ کتابت کی غلطی بہت بعد میں نظر آئی۔ وہ اہم حصہ یہ ہے:

"کیونکہ قادیانیوں کے عقیدے کے مطابق تمام مسلمان کافر ہیں۔
اس واسطے یہ امر مشتبہ ہے"

امید ہے کہ ۱۰ر جون ۳۷ء کے مکتوب کی فوٹو کاپی سے آپ کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔
دیگر مکاتیب کے علاوہ یہ مکتوب بھی مجھے جناب ممنون حسن خاں صاحب سے موصول
ہوا تھا۔ جن کی تفصیل "اقبال نامے" میں دی ہوئی ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے جناب رفیع الدین
ہاشمی صاحب اس مکتوب اقبال کی فوٹو کاپی شیخ اعجاز احمد صاحب کو ارسال کر چکے ہیں۔

میری کامل تصانیف یا تالیفات کے حقوق اشاعت کی ضرورت سمجھیں تو تحریر فرمائیں
اور رائلٹی کی شرائط کی تفصیلات بھی لکھیں تاکہ میں اپنے گھر والوں سے اجازت لے کر کوئی
کارروائی کروں۔ امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔ تعاون کے لیے ایک بار پھر شکریہ۔ آپکا

اخلاق اثر

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب سے ہم نے استفسار کیا تو انھوں نے کہا کہ مجھے اس مکتوب کی فوٹو کاپی نہیں ملی اور نہ میں نے شیخ اعجاز کو کوئی کاپی ارسال کی ہے۔ ڈاکٹر اخلاق اثر نے اپنے اس خط میں ان حوال کی وضاحت کر دی ہے کہ کیونکہ یہ عبارت مکمل طور پر زندہ رود جلد سوم میں نہیں آسکی۔

اب ایک اور محکم شہادت جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال اور منیرہ بیگم کی آیا محترمہ ڈورس احمد نے اپنی حالیہ انگریزی کتاب اقبال ایز آئی نیو ھِم [اقبال جیسا کہ میں جانتی ہوں] میں فراہم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علامہ اقبال شیخ اعجاز احمد کو بہت عزیز رکھتے تھے مگر علامہ ان کے قادیانی ہو جانے کی وجہ سے ان سے سخت نالاں تھے اور وہ اپنے بچوں کے سرپرستوں میں سے بھی انھیں نکال کر کسی اور متبادل کی تلاش میں تھے، چنانچہ علامہ نے ان سے متعدد بار اپنے اس کرب کا اظہار کیا اور شیخ اعجاز کے قادیانی ہو جانے کے عمل کو ہمیشہ اور مکمل طور پر ناپسند کیا۔[1]

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اس خط میں تحریف کوئی نادانستہ طور پر کسی ایک فرد نے نہیں بلکہ کسی خاص فرد اور جماعت کی طرف سے ایک خاص منصوبہ بندی اور کوشش سے مختلف اشخاص سے اپنے اثر و نفوذ کی بنیاد پر تحریف کروائی گئی ہے اور اس کا مقصد شیخ اعجاز، ان کے عقیدے اور قادیانیوں کے بارے میں علامہ اقبال کے واضح اور صریح اظہار و موقف کو چھپانے کی سعی نامسعود کی گئی ہے۔ تاہم مختلف خطوط میں مختلف عبارات نے اس سراسر جھوٹ کو بے نقاب کر دیا ہے۔ ہماری طرف سے اس تازہ خط اور اس کی عکسی نقل کی اشاعت کے بعد چند باتیں واضح طور پر سامنے آئی ہیں:

۱۔ علامہ اقبال کے جملہ خطوط کی چھان بین کی جائے۔

۲۔ تحریفات اور خطوں کی عبارت کی قطع و برید کو ختم کیا جائے اور علامہ کے خط ان کی اصل حالت میں شایع کیے جائیں۔

۳۔ ذاتی اور خانگی حالات کی آڑ میں علامہ کے خطوط کی تصحیح یا قطع و برید نہ کی جائے اس لیے کہ علامہ کے خانگی حالات پر بہت کچھ سامنے آچکا ہے۔ موجودہ صورت میں قطع و برید غلط فہمیوں کو جنم دے گی۔

۴۔ علامہ کے خطوط کی عکسی نقول بھی شایع کی جائیں۔

۵۔ علامہ کے اصل خطوط اقبال میوزیم میں یا کسی اور محفوظ مقام پر اپنی اصل حالت میں محفوظ رکھنے کا بندوبست کیا جائے۔

---

[1] ڈورس احمد، اقبال ایز آئی نیو ھِم [اقبال جیسا کہ میں جانتی ہوں] (انگریزی)، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء، ص ۴۳۔

۶۔ تمام اُردو اور انگریزی خطوط کو ایک کلیات مکاتیب اقبال میں عکسی نقول کے ساتھ شایع کر دیا جائے۔

۷۔ خطوط کے بارے میں معلومات، مکتوب الیہ، خطوط کا زمانۂ تحریر، وجۂ تحریر مقامِ تحریر وغیرہ واضح طور پر دی جائیں۔

۸۔ مختلف خطوط کے مجموعوں کے تقابلی مطالعہ سے خطوط کی اصل عبارت کا تعین کیا جائے۔

۹۔ تمام مکتوبات کی مائیکرو فلمیں بنائی جائیں۔

اس طریق کار سے علامہ اقبال کے خطوط محفوظ ہو سکیں گے اور تحقیق کاروں کو اصل متن اور ان کے مفہوم تک پہنچنے میں سہولت ہو گی۔ اور بہت سے سیاسی، اخلاقی، ادبی، علمی اور تاریخی حقائق تک اقبال کی اپروچ [رسائی] سے آگاہی ہو سکے گی۔

مکتوبِ اقبال بنام جناح*

صابر کلوروی

مکاتیب اقبال کے تمام ذخیرے میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کے نام خطوط کو خصوصیت اہمیت حاصل رہی ہے، اس لیے کہ ان خطوط میں ایک الگ اسلامی مملکت کے قیام کی آرزوئیں مچلتی نظر آتی ہیں۔ ان خطوط نے قائدِ اعظم کو اپنے مقصد اور منزل کا تعین کرنے میں بڑی مدد دی۔ ویسے تو علامہ اقبال ۱۹۰۹ء ہی سے جداگانہ قومی تشخص پر زور دیتے آرہے تھے[۱] لیکن ہندوستان کے مخصوص سیاسی حالات کے پیش نظر اس تجویز کو کچھ زیادہ پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی تھی... ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں علامہ نے اس نظریے کو پہلی بار مسلم لیگ کے سیاسی پلیٹ فارم [چبوترہ] سے پیش کیا۔ اُس وقت مسلم لیگ کی پالیسی اس سے مختلف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خطبہ پیش کرتے وقت علامہ کو اس امر کی وضاحت کرنی پڑی کہ یہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ لیکن ۱۹۴۰ء میں جب قراردادِ لاہور میں قائدِ اعظم نے ایک جداگانہ اسلامی ریاست کی تجویز پیش کی تو ان پر یہ بات اچھی طرح واضح تھی کہ اس مقام تک پہنچنے میں علامہ کی مساعی کا خاصا عمل دخل رہا ہے، چنانچہ قراردادِ لاہور منظور ہونے کے بعد قائدِ اعظم نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری [ذاتی معتمد] مطلوب الحسن سید سے کہا: "اگرچہ اقبال آج ہم میں نہیں ہیں، لیکن وہ زندہ ہوتے تو یہ دیکھ کر کتنے خوش ہوتے کہ ہم نے بعینہٖ وہی کیا جو اُن (اقبال) کی خواہش تھی۔"[۲] قرارداد کی منظوری کے بعد ایک اور موقع پر قائدِ اعظم نے فرمایا:

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۲۸، جنوری ۱۹۸۸ء۔

۱ ملاحظہ کیجیے: غلام قادر فرخ امرتسری، سفینۂ حیات۔

۲ مطلوب الحسن سید، محمد علی جناح... ایک سیاسی مطالعہ (انگریزی)، ص ۲۳۱۔

کارلائل نے شیکسپیئر کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز کا ذکر کیا کہ اُسے جب شیکسپیئر اور دولت برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تو اُس نے کہا کہ میں شیکسپیئر کو کسی قیمت پر نہ دوں گا۔ گو میرے پاس سلطنت نہیں ہے، لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی نوبت آئے تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔[1]

۲/ مارچ ۱۹۴۱ء کو یوم اقبال کی ایک مجلس میں قائداعظم نے اپنے صدارتی خطبے میں فرمایا:

مجھے اس پر فخر ہے کہ ان (اقبال) کی قیادت میں بحیثیت ایک سپاہی کے کام کیا ہے۔ میں نے ان سے زیادہ وفادار رفیق اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔ جس بات کو وہ صحیح خیال کرتے، وہ یقینا صحیح ہوتی اور وہ اس پر مضبوط چٹان کی طرح قائم رہتے۔[2]

۱۹۴۳ء میں قائداعظم نے علامہ کے خطوط کو مدون کرکے اپنے دیباچے کے ساتھ شایع کر دیا۔ اُس وقت تک صرف تیرہ (۱۳) خطوط دریافت ہوئے تھے۔ عبدالرحمٰن سعید نے ان خطوط کا اُردو ترجمہ کیا۔ محمد جہانگیر عالم نے قائداعظم کے نام علامہ اقبال کے دو مزید خطوط ڈھونڈ نکالے۔ یہ خطوط ۸/ دسمبر ۱۹۳۶ء اور ۳/ اگست ۱۹۳۷ء کو لکھے گئے تھے۔ علامہ آخری زمانے میں خط لکھنے اور ان پر دستخط کرنے سے معذور ہو گئے تھے، چنانچہ پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری غلام رسول خان، علامہ کی ہدایت پر جواب تحریر کرتے اور ان خطوط کو جن کی تعداد تین (۳) ہے، علامہ کے مکاتیب میں شمار کیا جاتا ہے، چنانچہ اب تک علامہ کے اٹھارہ (۱۸) خطوط دریافت ہو چکے ہیں۔ پیش نظر خط قائداعظم کے نام علامہ کا انیسواں (۱۹) خط ہے۔ اس خط کی دریافت کی کہانی بہت دلچسپ ہے۔

۱۷/ اگست ۱۹۸۳ء کو مجی پروفیسر محمد جہانگیر عالم نے اپنی تازہ کتاب اقبال کے خطوط... جناح کے نام[3] مجھے عنایت کی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس میں علامہ کے تمام

---

[1] انقلاب، لاہور، ۲۹/ مارچ ۱۹۴۰ء، ص ۳۔

[2] ہفتہ وار، حمایت اسلام، لاہور، ۲۶/ مارچ ۱۹۴۱ء، ص ۳۔

[3] محمد جہانگیر عالم، اقبال کے خطوط... جناح کے نام، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۳ء۔

۱۸ر خطوط کو زمانی ترتیب سے شایع کیا گیا تھا۔ عام طور پر جب دو افراد کے درمیان خط وکتابت ہوتی ہے تو گزشتہ خط کا حوالہ ضرور شامل ہوتا ہے، چنانچہ مَیں نے ان خطوط کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے شروع کیا کہ خطوط میں کہیں خلا تو موجود نہیں ہے، کیا علامہ کے کسی ایسے خط کی نشان دہی کی جا سکتی ہے جو اٹھارہ خطوط کے اس مجموعے میں شامل نہ ہو۔ دو خطوط میں بعض اشاروں نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کی: ایک اشارہ علامہ کے ۸ر دسمبر ۱۹۳۶ء کے محررہ خط میں موجود تھا۔ اس خط سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ غلام رسول نے قائدا عظم کو مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ کے ضمن میں ایک تفصیلی خط لکھا تھا۔ خط کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام رسول کا لکھا ہوا یہ خط علامہ کے ایماء پر لکھا گیا تھا، کیونکہ علامہ پنجاب مسلم کے پارلیمانی بورڈ کے صدر تھے۔ اگر یہ خط مل سکتا تو اقبال کی طرف سے قائدا عظم کو لکھے گئے غلام رسول کے خطوط کی تعداد چار ہو جاتی، لیکن افسوس ہے اس خط کا تاحال سراغ نہیں مل سکا۔

دوسرا اشارہ بہت اہم تھا، اور یہ علامہ کے ۲۸ر مئی ۱۹۳۷ء کے خط میں موجود ہے۔ علامہ اس خط کی ابتدا میں لکھتے ہیں:

> آپ کے نوازش نامہ کا شکریہ جو مجھے اس اثنا میں ملا۔ مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ مسلم لیگ کے دستور اور پروگرام میں جن تبدیلیوں کے متعلق مَیں نے تحریر کیا تھا، وہ آپ کے پیشِ نظر رہیں گی...

اٹھارہ خطوط میں ۲۸ر مئی ۱۹۳۷ء سے پہلے ہمیں جو خط ملتا ہے، وہ ۲۲ر اپریل ۱۹۳۷ء کو لکھا گیا تھا۔ اس خط میں مسلم لیگ کے دستور اور پروگرام کی تبدیلی کی کوئی تجویز پیش نہیں کی گئی۔ یہ صورتِ حال اس امر پر دلالت کرتی تھی کہ ۲۲ر اپریل ۱۹۳۷ء اور ۲۸ر مئی ۱۹۳۶ء کے درمیان علامہ نے ضرور کوئی ایسا خط لکھا تھا جس میں انھوں نے مسلم لیگ کے دستور اور پروگرام میں تبدیلیوں کی تجویز پیش کی گئی۔

میں ان گم شدہ خطوط کی تلاش میں ۱۹۸۵ء میں کراچی گیا اور نیشنل میوزیم اور قائدا عظم اکیڈمی میں تلاش شروع کی لیکن مجھے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس خط کی تلاش میں مجھے 'قومی دستاویزات کے تحفظ کے ادارے' واقع اسلام آباد کے شیخ اکرام صاحب کی وساطت سے قائدا عظم کے ذاتی کاغذات تک رسائی حاصل ہوئی۔ ان کاغذات کا بغور جائزہ لینا شروع کیا۔

بالآخر میری سعی بار آور ہوئی اور مجھے قائدِ اعظم کے نام علامہ اقبال کا ۱۰ر مئی ۱۹۳۷ء کا لکھا ہوا مطلوبہ خط دستیاب ہو گیا۔ ادارے کے ایک کارکن ریاض صاحب نے مجھے بتایا کہ یہ خط ان کے علم میں تھا، لیکن ان کے خیال میں یہ علامہ اقبال کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر جو دستخط موجود ہیں، وہ علامہ اقبال کے نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس خط پر جو دستخط کیے گئے ہیں، وہ علامہ کے نہیں ہیں اور مزید برآں خط کا اندازِ تحریر بھی علامہ کے مخصوص اندازِ تحریر سے قدرے مختلف ہے، لیکن مجھے اس خط کے علامہ اقبال کا خط ہونے پر یقین کامل ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس خط کی موجودگی کی پیش گوئی میں نے اس کی دریافت سے دو سال قبل کر دی تھی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ قائدِ اعظم کے ذاتی کاغذات سے دستیاب ہوا ہے اور میرے علم کی حد تک پنجاب میں 'اقبال' نام کے کسی اور صاحب کی قائدِ اعظم سے خط و کتابت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس ضمن میں چند اور دلائل بھی پیش کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ اس خط کے مندرجات (ا) مسلم لیگ کے دستور میں ترمیم اور اسے عوامی جماعت بنانے کی خواہش (ب) جمہور مسلمانوں کا مسلم لیگ میں دلچسپی نہ لینے کا شکوہ (ج) اعلیٰ ملازمتوں میں متوسط بالائی طبقے کے افراد کی دھاندلی کا ذکر اس سے اگلے خط محررہ ۱۸ر مئی ۱۹۳۷ء میں بھی موجود ہے اور یہ دونوں خطوط ایک ہی سلسلۂ خیال کی کڑی معلوم ہوتے ہیں۔

۲۔ خط پر علامہ کے دستخط نہ ہونے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خط علامہ کا نہیں ہے۔ مکاتیبِ اقبال کے ذخیرے میں متعدد خطوط ایسے بھی ہیں جو علامہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ جب انھیں ہم اقبال کے خطوط تسلیم کرتے ہیں تو اس خط کے ضمن میں ہمارے انکار کا کیا جواز ہو سکتا ہے! ۱۹۳۷ء کے اوائل میں علامہ کی بیماری شدت اختیار کر چکی تھی اور ڈاکٹروں نے انھیں لکھنے پڑھنے سے سختی سے منع کر دیا گیا۔ اس کا ذکر علامہ کے اس دور کے بیشتر خطوط میں موجود ہے:

مجھے نہایت ہی تاسف سے آپ کو اطلاع دینا پڑتی ہے کہ آپ کے مرسلہ کاغذات کا مطالعہ میرے لیے ناممکن ہے۔ میری آنکھوں کی تکلیف بڑھ رہی ہے اور میرے معالجین نے مجھے لکھنے پڑھنے کی قطعاً ممانعت کر دی ہے۔[1]

علامہ موصول ہونے والے ہر خط کو پڑھوا کر اس کا جواب ارشاد کر دیا کرتے اور کاتب اپنی طرف سے علامہ کے دستخط کر دیتا تھا یا اپنا نام لکھ دیتا تھا، چنانچہ شیخ اعجاز احمد کے نام ۲۳/اپریل ۱۹۳۷ء کے خط کی ابتدا میں علامہ تحریر کرتے ہیں:

(i) یہ خط میں نے ایک دوست سے لکھوایا ہے کیونکہ ڈاکٹر نے مجھ کو آنکھ کے دوسرے معائنہ تک لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔[2]

(ii) جناب من ضعف بصارت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے اس واسطے وہ اپنے دستخط سے آپ کو خط نہیں لکھ سکتے۔[3]

علامہ کی طرف سے جو حضرات اس کام پر مامور تھے، ان میں نذیر نیازی، محمد شفیع (م-ش)، منشی طاہر الدین، جاوید اقبال اور غلام رسول کے بارے میں دستاویزی ثبوت مل جاتے ہیں۔ ممکن ہے راجا حسن اختر، عبداللہ چغتائی اور چودھری محمد حسین بھی اس ضمن میں علامہ کی معاونت کرتے ہوں۔ ۱۲/مئی ۱۹۳۷ء کو قاضی نذیر احمد کو جو خط لکھا گیا تھا، اس پر علامہ کے بجائے محمد شفیع کے دستخط ہیں:

جنابِ من! ڈاکٹر صاحب کو آپ کا خط مل گیا ہے۔ وہ خود علیل ہیں، اس واسطے آپ کے سوالات کا مندرجہ ذیل جواب لکھوایا ہے...[4]

نور حسین کے نام خط محررہ ۱۷/مارچ ۱۹۳۷ء کے خط کا یہ ابتدائی فقرہ بھی قابل غور ہے:

---

1. خط بنام شولال شوری محررہ ۲/مئی ۱۹۳۷ء مشمولہ [شیخ عطاء اللہ] اقبال نامہ، جلد دوم، ص ۲۶۰۔
2. [شیخ اعجاز احمد]، مظلوم اقبال، [کراچی، ۱۹۸۵ء]، ص ۳۶۷۔
3. بنام عباس علی خان لمعہ حیدر آبادی مشمولہ [شیخ عطاء اللہ، مرتبہ]، اقبال نامہ، جلد اول، ص ۲۹۸۔ واضح ہو کہ یہ خط محمد شفیع کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔
4. [شیخ عطاء اللہ، مرتبہ]، اقبال نامہ، جلد دوم، ص ۲۳۸۔

میں خرابی صحت اور کمزوریِ بصارت کی وجہ سے خود خط نہیں لکھ سکتا۔[1]

اسی طرح شیخ اعجاز کے نام یکم دسمبر ۱۹۳۷ء کا لکھا ہوا خط بھی علامہ کی تحریر میں نہیں۔ اس خط میں 'فی الفور' کو 'فعل فور' لکھا ہوا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ لکھنے والا سُن کر لکھ رہا ہے۔[2]

مارچ ۱۹۳۷ء اور اپریل ۱۹۳۸ء کے درمیانی تیرہ ماہ کے عرصے میں صرف ایک خط علامہ کے ہاتھ کا تحریر کردہ ہے۔ یہ خط ۲۰/مئی ۱۹۳۷ء کو لکھا گیا۔ شیخ اعجاز احمد کے بقول مظلوم اقبال کے ۱۰۳ خطوط میں سب سے پہلا خط جو علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے، وہ ۳/اپریل ۱۹۳۷ء کا ہے، تاہم اس پر علامہ کے دستخط موجود ہیں۔[3]

مولانا راغب احسن کو جو خط ۱۲/جون ۱۹۳۷ء کو تحریر کیا گیا تھا، وہ بھی علامہ کے ہاتھ کا نہیں ہے بلکہ نیازی صاحب نے علامہ کی طرف سے اس خط کا جواب دیا تھا۔[4] اس ضمن میں ایک اور ناقابل تردید شہادت خود قائداعظم کے نام ایک خط محررہ ۲۰/مارچ ۱۹۳۷ء کے اختتامی جملے سے بھی مل جاتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

> مکرر آنکہ... معاف فرمایئے، مَیں نے یہ خط آشوبِ چشم کی وجہ سے ایک دوست سے لکھوایا ہے۔[5]

چنانچہ ان شواہد کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی خط کا علامہ کی تحریر میں نہ ہونا اور اس پر ان کے صحیح دستخط نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ خط علامہ اقبال کا نہیں ہے یا کسی نے ان سے غلط طور پر منسوب کر دیا ہے۔

زیرِ بحث خط کی تحریر پر ہم نے غور کیا ہے اور اس تحریر کا علامہ کے انگریزی خطوط کے دستیاب تمام عکسی نقول سے موازنہ کیا ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس خط کا اندازِ تحریر

---

[1] [بشیر احمد ڈار، مرتبہ]، انوارِ اقبال، [کراچی، اقبال اکادمی، ۱۹۶۷ء]، ص ۲۱۵۔

[2] [شیخ اعجاز احمد]، مظلوم اقبال، [کراچی، ۱۹۸۵ء]، ص ۳۷۴۔

[3] ایضاً، ص ۳۶۷۔

[4] فرید الحق (مرتبہ)، جہانِ دیگر، ص ۱۰۲۔

[5] محمد جہانگیر عالم (مرتبہ)، اقبال کے خطوط جناح کے نام، ص ۴۶۔

ڈاکٹر عبداللطیف کے نام علامہ کے لکھے ہوئے خط سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ یہ خط ہنوز غیر مدون ہے اور عجائب گھر لاہور میں محفوظ ہے۔ اس خط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر عبداللطیف کا خط علامہ خود نہیں پڑھ سکے بلکہ علامہ کے بچوں کی گورنس ڈورس احمد نے یہ خط پڑھ کر علامہ کو سُنایا تھا۔ اس خط کا جواب اسی جرمن خاتون کے قلم سے لکھا گیا تھا۔ ڈاکٹر عبداللطیف اور جناحؒ کے نام علامہ کے دونوں خطوط کا زمانہ اور اندازِ تحریر صاف چغلی کھا رہا ہے کہ اسے ڈورس احمد ہی نے تحریر کیا تھا۔ جناحؒ کے نام خط میں اس دلیل کو مزید پختہ بنانے والا ایک اور اشارہ بھی موجود ہے، اور وہ یہ کہ خط میں لفظ Muslim [مسلم] کو Moslim [موسلم] لکھا گیا ہے۔ ایک غیر مسلم ہی ایسا کر سکتا ہے۔ ڈورس احمد اس لفظ کو اسی طرح لکھتی تھیں، چنانچہ ان شواہد کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس خط کا ایک ایک لفظ علامہ کا ہے۔

اس خط کا عکس، انگریزی متن اور اُردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

Lahore
10th May, 37.
My dear Mr. Jinnah

Thank you for your letter which reached me in due course. I am glad to tell you that the Pro-League feeling is rapidly progressing in the Punjab and that the Punjab Moslims [Muslims] including the Unionists will give you their full support. I should like to know whether it would be possible for you to tour through N[orthern]. India and to spend a few days in each province visiting important towns before the All India Moslim [Muslim] League session at Meerut. I think it is necessary to make suitable changes in the constitution of

---

My eye sight is falling bad & the doctors have told me not to do any reading or writing. My children's Governess has read your address to me.........

the League with a view to bring the league in closer touch with the masses which have so far taken no interest in the political activities of the upper - middle class of the Moslims.

It is the complaint of the average moslim that our leaders think in terms of office only, and the vacancies in the various Govt [Government] Departments generally go to the relations or friends of the Unionists, that is why the average Moslim takes little interest in our political affairs. I personally believe this complaint to be genuine and hope that you will think out some suitable changes in the constitution of the League, which will make the masses more hopeful of the League & its activities.

Please drop a line in reply.

Your sincerely,
Mohammad Iqbal.

اردو ترجمہ

لاہور

۱۰ر مئی ۱۹۳۷ء

محترم جناح صاحب!

آپ کے خط کا بہت شکریہ جو مجھے دریں اثنا موصول ہوا۔ مجھے آپ کو یہ بتانے میں بہت خوشی محسوس ہوتی ہے کہ پنجاب میں [آل انڈیا مسلم] لیگ کی نسبت ہمدردانہ جذبات میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور یہ کہ یونینسٹوں سمیت پنجاب کے مسلمان آپ کی پوری پشت پناہی کریں گے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ آپ شمالی ہند کا ایک دورہ کریں اور میرٹھ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس سے پہلے، ہر صوبے میں، اہم شہروں میں جائیں۔ میرا

خیال ہے کہ مسلم لیگ کے آئین میں مناسب تبدیلیاں کرنا ضروری ہیں تاکہ مسلم لیگ کو عوام الناس کے قریب تر لایا جائے جنھوں نے اَب تک مسلمانوں کے بالائی متوسط طبقے کی سیاسی سرگرمیوں میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ متوسط مسلمان طبقے کو شکایت ہے کہ ہمارے لیڈروں کو صرف اپنے عہدوں سے دلچسپی ہے، اور یہ کہ حکومت کے مختلف محکموں میں خالی اسامیاں یونینسٹوں کے رشتہ داروں یا دوستوں کے لیے مخصوص کر دی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا متوسط طبقہ سیاسی معاملات میں کم دلچسپی لیتا ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ان کی شکایت بجا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ لیگ کے دستور میں چند مناسب ترمیمات کے بارے میں ضرور غور کریں گے جس سے عوام الناس میں، لیگ اور اس کی سرگرمیوں کے ضمن میں، بہتر توقعات پیدا ہوں گی۔

براہِ کرم اپنے جواب سے سرفراز فرمائیں!

آپ کا مخلص

محمد اقبال

اس خط میں درج ذیل اُمور کی جانب اشارہ کیا گیا ہے:

(ا) پنجاب میں مسلم لیگ کی روز افزوں مقبولیت۔

(ب) مسلم لیگ کے متعلق پنجاب کی یونینسٹ پارٹی کے ہمدردانہ رویے کا ذکر۔

(ج) قائداعظم کو شمالی ہند کے اہم قصبوں کا دورہ کرنے کی دعوت۔

(د) مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنانے کے لیے اس کے دستور میں ترمیم۔

(ہ) متوسط طبقے کی یہ شکایت کہ ان کے لیڈر ذاتی مفادات کے لیے کام کرتے ہیں۔

ان اُمور میں آخری دو اُمور کے متعلق علامہ کے ایک اور خط ۲۸ رمئی ۱۹۳۷ء میں بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس خط میں علامہ، جواہر لال نہرو کی، بے دین اشتراکیت کے مقابلے میں، مسلمانوں کے معاشی مسائل کا حل اسلامی نظام کے نفاذ میں بتاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ اس امر پر زور دیتے ہیں کہ ہندوستان کو ایک یا ایک سے زیادہ مسلم ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ زیرِ نظر خط میں جن مسائل پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے، ان میں پنڈت جواہر لال نہرو کے

اس بیان کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے جو انھوں نے مسلم لیگ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہوئے دیا تھا۔ نہرو نے کہا تھا:

"مسلم لیگ، مسلمانوں کے صرف اس گروہ کی نمایندگی کرتی ہے جو متوسط طبقے کے بالائی حصے سے تعلق رکھتا تھا... مسلمان عوام کے افلاس، مصائب اور فاقہ کشی کا علم جس قدر مجھے ہے، اتنا علم ان لیگی لیڈروں کو ہرگز نہیں جو اسمبلی کی سیٹوں اور ملازمتوں کے بٹوارے کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔"[۱]

علامہ کو اس بیان کا جواب سول اینڈ ملٹری گزٹ میں ایک طویل بیان کی صورت میں دینا پڑا تھا۔ اس خط میں مسلم لیگ کے میرٹھ کے اجلاس کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اجلاس لکھنؤ میں ۷راکتوبر کو ہوا تھا۔ مزید برآں یونینسٹ پارٹی کے اربابِ اقتدار کی مسلم لیگ میں دلچسپی کا جہاں تک ذکر ہے، یہ دلچسپی بالآخر سر سکندر حیات کی مسلم لیگ کے لکھنؤ کے اجلاس میں شرکت اور سکندر جناح پیکٹ [معاہدہ] کا موجب بنی۔ علامہ اس امر پر ہمیشہ زور دیتے رہے کہ مسلم لیگ کا اجلاس کسی اقلیتی صوبے کے بجائے مسلمانوں کے اکثریتی صوبے کے مرکز، لاہور میں ہو۔ علامہ کی یہ خواہش ان کی وفات کے بعد ۱۹۴۰ء میں پوری ہوئی۔ اس اجلاس سے علامہ کی توقع کے عین مطابق زبردست سیاسی فوائد حاصل ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلم لیگ نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان کی سیاست پر چھا گئی۔

---

۱ حمید رضا صدیقی، اقبال اور جدوجہد آزادی، ص ۱۱۹۔

پس تحریر: ابتدا میں غلام رسول کے جس موعودہ خط کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ دستیاب ہو گیا ہے لیکن اس خط پر علامہ کے نہیں غلام رسول کے اپنے دستخط ہیں لہٰذا اسے علامہ کا خط قرار نہیں دیا جا سکتا۔

Lahore
10th May '37

My dear Mr Jinnah,

Thank you for your letter which reached me in due course. I am glad to tell you that the proleague feeling is rapidly progressing in the Punjab and that the Punjabi Moslems including the Unionists will give you their full support. I should like to know whether it would be possible for you to tour through N. India and to spend a few days in each province visiting important towns before the All-India Moslem League session at Meerut. I think it is necessary to make suitable changes in the constitution of the League with a view to bring the League in closer touch with the masses which have so far taken no interest in the political activities of the upper-middle class of the Moslems. It is the complaint of the average

Moslem that our leaders think in terms of office only, and that the vacancies in the various Govt. departments generally go

to the relations or friends of the Ministers. That is why the average Muslim takes little interest in our political affairs. I personally believe this complaint to be genuine and hope that you will think out some suitable changes in the constitution of the League which will make the masses more hopeful of the League and its activities. Please send a line in reply.

Yours sincerely

Mohammad Iqbal

اقبال کی چند نایاب تحریریں*

ڈاکٹر تحسین فراقی

یوں تو اب تک اقبال کی نثری تحریروں اور خطوں کے متعدد مجموعے شایع ہو چکے ہیں لیکن ان میں کوئی مجموعہ بھی ان اس طرح کی تحریروں کے باب میں حرفِ آخر نہیں کہلا سکتا کیونکہ کبھی نہ کبھی اور کہیں نہ کہیں ان کا کوئی غیر مطبوعہ یا غیر مدون خط یا تقریر یا تقریظ اس کا ملخص یا غیر مدون بیان وغیرہ ضرور منصہ ظہور پر آتے رہتے ہیں اور اقبالی ادب میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ چند ماہ پہلے مجھے بعض رسائل و کتب کی ورق گردانی کے دوران اور بعض احباب کی کرم فرمائی سے اقبال کی ایسی چار تحریریں دستیاب ہوئیں جو نایاب اور نادر ہیں۔ ان کی تفصیل تاریخ وار درج ہے:

(ا) "مولانا عبدالحکیم"... محمد دین فوق کی کتاب ملک العلما علامہ عبدالحکیم مع تاریخ سیالکوٹ و مشاہیر سیالکوٹ (۱۹۲۴ء) پر اقبال کی تقریظ۔

(ب) ہیر رانجھا کشتہ پر علامہ کا مختصر تاثر یا تقریظ (تاریخ ندارد)۔

(ج) نظامِ عمل محمد عبدالحامد قادری بدایونی کی کتاب میں شامل اقبال کا ایک مختصر خط (۱۹۳۶ء)۔

(د) آل انڈیا مسلم لیگ مینی فسٹو [منشور کل ہند مسلم لیگ] (پمفلٹ [کتابچہ]) میں شامل اقبال کا ایک غیر مدون اور بہت اہم مکتوب (۱۹۳۶ء)

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۲۸، جنوری ۱۹۸۸ء۔

ذیل میں ان نادر اور نایاب تحریروں کا مختصر تعارف مع متن پیش کیا جاتا ہے:

(۱) فوق (۱۸۷۶ء - ۱۹۴۵ء) علامہ اقبال کے معاصر اور دوست تھے۔ سیالکوٹ کے موضع گھڑتل کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۹۶ء میں لاہور آکر پیسہ اخبار میں ملازم ہوئے۔ ان کی تصانیف کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔ علامہ نے وقتاً فوقتاً اپنے خطوط میں فوق کی بعض کتب مثلاً یادِ رفتگاں، حریت اسلام، شباب کشمیر، رہنمائے کشمیر اور وجدانی نشتر وغیرہ پر اظہار خیال کیا ہے۔ انھی کتب میں فوق کی ایک اہم کتاب ملک العلماء علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی... بھی ہے جس کے شروع میں اقبال کی ایک تقریظ بھی شامل ہے۔ فوق نے یہ کتاب ۱۹۲۴ء میں لاہور سے شایع کی۔ ایک سو چھبیس صفحات کی اس کتاب میں تقریباً نصف صفحات اس "فاضل سیالکوٹی" کے لیے واقف کیے گئے اور باقی نصف تاریخ و مشاہیر سیالکوٹ کے لیے۔

فوق کی محررہ اس مختصر سی سوانح عمری سے علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے باب میں جو معلومات ملتی ہیں، ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک ممتاز اور نادرۂ روزگار معقولی اور عالم دین تھے۔ علامہ عبدالحکیم عہد اکبری میں خاکِ پاکِ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ یہیں پرورش پائی۔ یہیں اپنے علمی و معقولی کارناموں کی جوت جگائی اور بالآخر یہیں انتقال کیا۔ ان کی تصانیف کے ذکر میں فوق لکھتے ہیں:

> مولوی عبدالحکیم کی تصانیف کی صحیح اور مکمل تعداد کسی تاریخ سے معلوم نہیں ہو سکی۔ انھوں نے زیادہ تر منطق و فلسفہ کی ادق ترین عربی کتابوں کے حاشیے اور ان کی شرحیں لکھی ہیں۔ صرف ایک غنیۃ الطالبین ایسی بتائی جاتی ہے جس کو آپ نے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔[۲]

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی کتب صرف ہندوستان تک محدود نہ رہیں بلکہ صاحب مآثر الکرام کے بقول بلادِ عرب و عجم میں بھی سائر و دائرہ [جاری اور معروف] ہوئیں۔ فوق نے ان کی کتب کی تعداد بائیس بیان کی ہے۔ چند کتب کے نام یہ ہیں:

تفصیل کے لیے دیکھیے [بشیر احمد ڈار (مرتبہ)]، انوارِ اقبال، [کراچی، اقبال اکادمی، ۱۹۶۹ء]، ص ۷۷-۵۱۔

[۲] [محمد دین فوق]۔ملک العلماء علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، [لاہور، ۱۹۲۴ء] ص ۵۰۔

حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیۂ شرحِ مواقف، درۂ ثمینیہ در اثباتِ واجب الوجود حواشی در کنارِ شرح حکمۃ العین، شرح التہذیب، دلائل التجدید (حضرتِ مجدد صاحب کے دعوے کی تائید میں) سیلکوتی التصورات (علم منطق میں)۔

اپنے عہد میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی "فاضل سیالکوٹی" اور "فاضل لاہوری" (جیسے اقبال سیالکوٹی ہونے کے باوجود "اقبالِ لاہوری" کے نام سے بھی معروف ہوئے) کے نام سے بھی متعارف تھے۔ بعض اہم کتابوں مثلاً روضۃ الادبا، حدائقِ حنفیہ، تاریخ کبیر کشمیر فارسی، روضۃ القیومیہ، مآثر الکرام اور سبحتہ المرجان وغیرہ میں آپ کا ذکر ملتا ہے۔ ذیل میں علامہ کی تقریظ کا صحیح متن[1] درج کیا جاتا ہے جو دراصل ایک فلسفی (شاعر) کا ایک فلسفی کو یادگار خراج ہے:

> مولوی عبدالحکیم علیہ الرحمۃ سیالکوٹ کی سرزمین میں پیدا ہوئے جو شاہانِ مغلیہ کے زمانہ میں اسلامی علوم کی ایک مشہور درس گاہ تھی۔ ان کی عالمگیر شہرت آخر شاہجہان تک پہنچی جس نے ان کی قدر افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ دربارِ دہلی میں بادشاہ کے اشارہ سے بڑے بڑے معرکۃ الآرا مذہبی و فلسفیانہ مباحث ہوا کرتے تھے جن میں سیالکوٹی فلسفی کی نکتہ آفرینیاں اور موشگافیاں وسطِ ایشیا اور ایران کے حکماء کو محوِ حیرت کیا کرتی تھیں۔
>
> ان کی فلسفیانہ تصانیف میں سیلکوتی علی التصورات ایک مشہور رسالہ ہے جو کچھ مدت ہوئی مصر میں شایع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی اور بھی کتابیں ہیں جو اسلامی ممالک میں بہت مقبول اور ہر دلعزیز ہیں۔ توحید باری تعالیٰ پر بھی ان کا ایک خاصہ رسالہ[2] جو شاہجہان کی فرمایش سے لکھا گیا تھا میری نظر سے گزرا ہے مگر غالباً آج تک شایع نہیں ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ان کے خیالات کا بیشتر حصہ اب تقویم پارینہ ہے لیکن اسلامی فلسفے کا مؤرخ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

---

[1] قبل ازیں اس تقریظ کا متن [عبدالواحد معینی، مرتبہ]، مقالاتِ اقبال [کراچی، اقبال اکادمی]، ۱۹۶۳ء میں شایع ہو چکا ہے۔ لیکن یہ بہت حد تک صحت سے عاری ہے۔

[2] اقبال کا اشارہ غالباً درۂ ثمینیہ در اثبات واجب الوجود کی جانب ہے۔

سیالکوٹ میں ان کی مسجد اور تالاب اب تک ان کی یادگار ہیں مگر افسوس ہے کہ ان کا مزار جو تالاب کے قریب ہی واقع ہے نہایت کسمپرسی کی حالت میں اہلِ سیالکوٹ کی بے حسی اور مردہ دلی کا گلہ گزار ہے۔

منشی محمد الدین صاحب فوق نے جن کی تاریخی کرید مشہور ہے۔ مولانا مرحوم کے حالاتِ زندگی لکھ کر ملک اور قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ان کی یہ تصنیف نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی۔

اس رسالہ میں ضمناً سیالکوٹ شہر کے تاریخی حالات بھی ہیں جو نہایت تجسس اور تلاش سے فراہم کیے گئے ہیں۔ اہلِ سیالکوٹ کو ان حالات سے بالخصوص دلچسپی ہوگی۔

۳/دسمبر ۱۹۲۴ء محمد اقبال

(ب) تقریظ یا تاثر کے ذیل میں علامہ کی دوسری مختصر تحریر ہیر رانجھا کشتہ پر ہے مولانا بخش کشتہ (۱۸۷۶ء - ۱۹۵۵ء) پنجابی کے ممتاز شاعر تھے۔ ان کی تصنیفات میں دیوانِ کشتہ، پنجابی شاعراں دا تذکرہ اور ہیر رانجھا کشتہ شامل ہیں۔ دیوانِ کشتہ کو کشتہ صاحب نے ردیف وار مرتب کیا اور فارسی اور کلاسیکی اُردو غزل کے اسالیب کو پنجابی غزلوں میں دل کھول کر برتا۔ ہیر رانجھا انھوں نے ۱۹۱۱ء میں تصنیف کی۔ اس کا پہلا اڈیشن امرتسر میں اسی سال شائع ہوا۔ اس کے تقریظ نگاروں میں عبدالحکیم شرر جیسے ممتاز ادیب بھی شامل تھے لیکن اس پہلے اڈیشن میں علامہ کی تقریظ شامل نہیں۔ قیاس ہے کہ ہیر رانجھا کشتہ شائع ہونے کے بعد علامہ کی خدمت میں روانہ کی گئی اور علامہ نے اس پر ذیل کا تاثر رقم کیا:

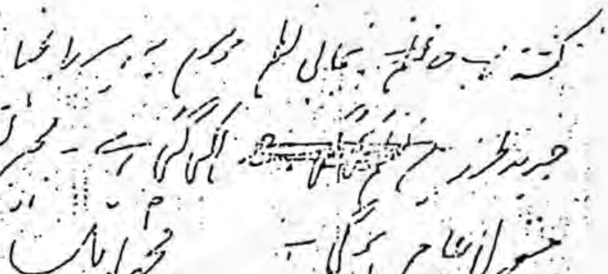
کشتہ صاحب کی پنجابی نظم موسوم بہ ہیر رانجھا بڑی خوبی سے جدید طرز پر لکھی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مقبولِ عام ہوگی۔

محمد اقبال لاہور

یہ بات اقبال شناسوں کے علم میں ہے کہ اقبال کا پنجابی ادب کا مطالعہ خاصہ وسیع تھا۔ ان سے چند پنجابی شعر بھی یادگار ہیں۔ اپنے عہد کے پنجابی شعرا مثلاً استاد عشق لہر، مولا بخش کشتہ، اور سر شہاب الدین (مسدس حالی کے ممتاز پنجابی مترجم) سے ان کے خصوصی تعلقات تھے۔

تقریظ نگاری میں اقبال عموماً فیاض واقع ہوئے تھے۔ شاید اسی باعث انھوں نے ہیر رانجھا کشتہ کے باب میں مندرجہ بالا تاثر رقم کرکے اس کی ممکنہ مقبولیت کی پیش گوئی کی۔ ہیر رانجھا کشتہ (کل صفحات ۱۵۴) بلاشبہ رواں، صاف اور جدید اسلوب میں لکھی گئی ہے لیکن جو معارف و بصائر اور زبان و بیان پر حاکمانہ عبور کے جو شواہد قدم قدم پر ہیر وارث شاہ میں ملتے ہیں وہ نہ مقبل کی ہیر میں ہیں نہ فضل شاہ کی ہیر میں اور نہ ہی ہیر رانجھا کشتہ میں۔

علامہ اقبال کی مندرجہ بالا تحریر ان کے اپنے سوادِ خط میں اقبال اکادمی (لاہور) کے نوادرات میں محفوظ ہے۔ مَیں نے اس کا عکس اکادمی کی لائبریری سے حاصل کیا ہے جو ان اوراق میں پیش ہے۔ ویسے پنجدریا (لاہور) کے "کشتہ نمبر" (۱۹۶۸ء) میں بھی اسی تحریر کا عکس شامل کیا گیا ہے۔



"ہیر رانجھا کشتہ" پر اقبال کے مختصر تاثر کا عکس

(ج) محمد عبدالحامد بدایونی (۱۸۹۸ء - ۱۹۷۰ء) علامہ کے جونیئر [چھوٹے] معاصرین میں تھے۔ ان کا خاندان صدیوں سے علمی اور مذہبی خدمات کے باب میں مشہور و ممتاز تھا۔ خود مولانا عبدالحامد بدایونی کی سیاسی اور مذہبی خدمات لائق تعریف ہیں۔ عبدالحامد مولانا عبدالماجد بدایونی کے برادرِ خورد تھے۔ ان سے کئی کتب یادگار ہیں جن میں اسلام اور سائنس، فلسفہ عباداتِ اسلامی، تصحیح العقائد، الجواب المشکور (عربی) اور نظام عمل لائق ذکر

ہیں۔ مولانا بدایونی تخلیق پاکستان کے بعد پاکستان چلے آئے تھے۔ تحریک پاکستان میں ان کی خدمات مسلم ہیں۔ وفات کراچی میں ہوئی۔

نظام عمل (کل ص ۲۲۴) ۱۹۳۶ء میں شایع ہوئی۔ اس کتاب میں توحید، رسالت، صلوٰۃ و متعلقاتِ صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، حکومت و سلطنت کا اسلامی نظام عمل، اسلام کا نظامِ تجارت، اسلام کا نظامِ وراثت، بحث ملائکہ واجنّہ وغیرہ کا قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں صاف، رواں اور عام فہم اسلوب میں جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں جن مشاہیر کی تقاریظ شامل ہیں ان میں حسین احمد مدنی، سید سلیمان ندوی، راغب بدایونی، سر راس مسعود، علامہ عبداللہ یوسف علی، عبدالماجد دریاآبادی اور اقبال قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں بدایونی صاحب کے نام اقبال کا خط درج کیا جاتا ہے جو کتاب میں تقریظ کے طور پر شامل کیا گیا ہے:

جناب مولانا السلام علیکم

آپ کی کتاب نظامِ عمل مَیں نے دیکھی۔ اس زمانہ میں جب کہ احکامِ دین سے بے خبری عام ہو گئی ہے، آپ کی کتاب عام مسلمانوں کے لیے ہدایت کا مرقع ثابت ہوگی۔ جزاک اللہ احسن الجزاء [اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا کرے]

محمد اقبال

۵/نومبر ۳۶ء

(د) علامہ اقبال کا تنہا یہی کارنامہ نہیں کہ انھوں نے برعظیم کے مسلمانوں میں ایک فکری انقلاب برپا کیا بلکہ عملاً بھی انھوں نے ان کی اصلاح اور بہتری کے لیے سرتوڑ جدوجہد کی۔ مسلمانوں کے الگ قومی تشخص کے اُبھارنے میں ان کی کوشش آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں انھوں نے عملاً سیاست میں حصہ لینے کا آغاز کیا۔ پنجاب [لیجسلیٹو] کونسل [مجلس قانون ساز] کے لیے الیکشن لڑا اور اپنے حریف ملک محمد دین کو شکست دے کر تین ہزار ووٹوں کی اکثریت سے مقابلہ جیتا۔ ۱۹۳۰ء میں انھوں نے اپنا شہرۂ آفاق خطبۂ الٰہ آباد دیا اور برعظیم میں مسلم تشخص کا ایک اور سنگ بنیاد رکھا۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء تک وہ پنجاب کونسل

کے رکن رہے۔ اس دوران انھوں نے لیجسلیٹو کونسل میں شہری و دیہاتی چپقلش کا بغور جائزہ لیا جو دراصل یونینسٹ پارٹی کی پیدا کردہ تھی۔

۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد کا تکملہ قائداعظم کے نام اقبال کے ان دو خطوط سے ہوتا ہے جو انھوں نے قائداعظم کو ۲۸ر مئی ۱۹۳۷ء اور ۲۱ر جون ۱۹۳۷ء کو لکھے۔ اس سے ایک سال قبل اپنی شدید علالت کے باوجود انھوں نے قائداعظم کی جانب سے [آل انڈیا] مسلم لیگ مرکزی پارلیمانی بورڈ [مجلس] کا رکن بننے کی دعوت منظور کرلی تھی۔ ۱۸ر جون ۱۹۳۶ء کو مسلم لیگ کونسل اور مرکزی پارلیمانی بورڈ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے قائداعظم نے مسلم لیگ کا انتخابی منشور منظور کرایا۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ [مسلم] لیگ کے مرکزی پارلیمانی بورڈ کو اس لیے تشکیل دیا گیا تھا تاکہ حکومت برطانیہ کی جانب سے ۱۹۳۷ء میں منعقد ہونے والے انتخابات میں حصہ لیا جاسکے۔ اسی مرکزی پالیمانی بورڈ کے تحت صوبائی بورڈ تشکیل دیے گئے اور اقبال کو پنجاب پراونشل [صوبائی] پارلیمانی بورڈ کا صدر نامزد کیا گیا تھا۔[1] ۸ر مئی ۱۹۳۶ء کو مسلم لیگ اور قائداعظم کی حمایت میں اور مؤخرالذکر کی خدمات کو شاندار خراج پیش کرتے ہوئے ایک اپیل مسلمانانِ پنجاب کے نام ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کی گئی تھی۔ اس اپیل کا متن گفتارِ اقبال (مرتبہ رفیق افضل) کے ص۲۰۳-۲۰۵ پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اس اپیل پر ۱۵ر حضرات کے دستخط تھے جن میں سرفہرست اقبال کے دستخط تھے۔ اس مشترکہ اپیل کے علاوہ اقبال نے پراونشل پارلیمانی بورڈ کے صدر کی حیثیت سے اپنے انفرادی حوالے سے ایک الگ اپیل بھی مسلمانانِ پنجاب کے نام کی تھی۔ یہ اپیل خط کی صورت میں آل انڈیا مسلم لیگ مینی فسٹو [منشور] کے آغاز میں شائع ہوئی جو ایک پمفلٹ کی صورت میں میکلیگن پریس لاہور نے شائع کیا تھا۔ یہ پمفلٹ مجھے ممتاز محقق جناب خلیل الرحمٰن داؤدی نے مرحمت کیا۔ ان کے تشکر کے ساتھ ذیل میں علامہ کی اپیل مؤرخہ ۸ر جولائی ۱۹۳۶ء کا متن مع عنوان درج کیا جاتا ہے:

---

[1] یہ معلومات بیشتر جاوید اقبال کی زندہ‌رود (جلد سوم) [لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء] سے ماخوذ ہیں۔

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا خط مسلمانانِ پنجاب کے نام

جنابِ مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ یکم اپریل ۱۹۳۷ء سے نئی اصلاحات ملک میں نافذ ہوں گی اور پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی [مجلس قانون ساز] کے لیے انتخابات تاریخ مذکور سے پہلے عمل میں آجائیں گے۔ اگر مسلمانانِ ہند نے ملک و قوم کے موجودہ حالات کا جائزہ لے کر ایک صحیح اور واضح حکمت عملی اختیار نہ کی تو ان کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا قوی احتمال ہے۔ گزشتہ پندرہ سالہ سیاسی دور کی تاریخ جس میں دو عملی یا نیم جمہوری اصلاحات پر عمل درآمد رہا اس حقیقت کی شاہد ہے کہ مسلمانوں نے بحیثیت قوم ان ابتدائی اصلاحات سے وہ فائدہ نہیں اُٹھایا جو انھیں اُٹھانا چاہیے تھا۔ اس کوتاہی کے ذمہ دار کون لوگ ہیں اور کیوں؟ اس امر کو زیر بحث لانے کا یہ مقام نہیں۔ ان شاء اللہ عنقریب پنجاب کے اس سیاسی دور پر تبصرہ کیا جائے گا۔ آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے اپنے منشور عام میں بعض ایسے حقائق و واقعات کی طرف قوم کی توجہ مبذول کر دی ہے اور آیندہ کا پروگرام [لائحہ عمل] بھی آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ ان واقعات کی تفصیلات سے بے خبری اور قوم کا باہمی تفرقہ کہیں پھر وہ صورت نہ پیدا کر جائے کہ آنے والی اصلاحات سے بھی ہم بحیثیت قوم پورا فائدہ اُٹھانے سے محروم رہ جائیں اور جو قومی ترقی فرقہ وار فیصلہ نے ان اصلاحات کے ماتحت ہمارے لیے ممکن الحصول کر دی ہے، اس کا حاصل کرنا ہم سے بعید ہو جائے۔ یہی خدشہ ہے جسے مدنظر رکھ کر مسلم لیگ نے صوبہ جاتی انتخابات میں قوم کی رہنمائی کو اپنا فرض سمجھا ہے۔ لیگ کی یہ فرض شناسی اس صورت میں بارآور ہو سکتی ہے جب قوم بھی فرض شناسی سے کام لے اور اس مسئلہ میں لیگ کی ہدایات اور اس کے پروگرام سے تمسق[*] کرے۔ مسلم لیگ اور صرف مسلم کے ٹکٹ پر صوبہ جاتی اسمبلی میں جانے والے افراد سے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کے محافظ

---

* مراد "تمسک" ہے۔

ہوں گے اور ملک کی آئینی ترقی کے لیے سعی بلیغ کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔ جو لوگ اپنے مخصوص سیاسی نظریے کی وجہ سے مسلمانانِ ہند کی مرکزی پالیسی پر کاربند ہونے کا اقرار نہیں کر سکتے۔ ان سے اس قسم کی توقعات رکھنا مشکل ہے۔ مَیں آپ کو اسلام اور ملک کے اندر اس کے صحیح سیاسی مفاد کا سچا خیر خواہ سمجھتے ہوئے مستدعی ہوں کہ آپ مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ کی ہر ممکن امداد کریں اور اس کے نامزد کردہ اُمیدوارانِ اسمبلی کے لیے اپنا اثر اور رسوخ صرف کر کے انھیں کامیاب کرائیں۔ اس نازک دور میں اس خدمت سے بڑھ کر اور کوئی اسلامی اور ملکی خدمت نہیں ہو سکتی۔

والسلام

(جاوید منزل میورروڈ، ۸/جولائی ۱۹۳۶ء) (سر) محمد اقبال

واضح رہے کہ اپنی شدید علالت کے باعث بالآخر اقبال نے ۱۳/اگست ۱۹۳۶ء کو مذکورہ صوبائی پارلیمانی بورڈ سے استعفیٰ دے دیا اگرچہ صوبائی لیگ سے ان کا تعلق بحیثیت صدر بہرحال رہا۔

علامہ اقبال کی ایک نادر تحریر*

پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی**

علامہ اقبال کی جس نادر تحریر کا اس مضمون کے ذریعے تعارف کرایا جا رہا ہے وہ ان کی ایک درخواست ہے جو انھوں نے کیمبرج یونی ورسٹی کے ٹرن نیٹی کالج میں داخلے کے لیے وہاں کے سینئر ٹیوٹر [بزرگ اتالیق] کے نام لکھی۔ اگرچہ قطعی شواہد موجود نہیں جن کی روشنی میں اس تحریر کو نادر قرار دیا جا سکے پھر بھی یہ تحریر علامہ اقبال کی مختلف تحریروں کے اب تک شایع ہونے والے کسی مجموعے میں شامل نہیں۔ اگر یہ اس سے پہلے کہیں شایع ہو بھی چکی ہے تو اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی کیونکہ اس درخواست میں ایک دو توجہ طلب باتیں ضرور ہیں جن کا ذکر علامہ اقبال کی کسی سوانح عمری یا ان پر لکھے گئے کسی مضمون میں نہیں ملتا۔

علامہ اقبال ستمبر ۱۹۰۵ء سے لے کر جولائی ۱۹۰۸ء تک اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں یورپ میں قیام پذیر رہے۔ ان کے اس قیام کے بارے میں ساری معلومات کا ریکارڈ ابھی تک جمع نہیں کیا جا سکا۔ اس ضمن میں علامہ کے ایک ارادت مند ڈاکٹر سعید اختر درانی صاحب[1] کی کاوشیں قابل داد ہیں۔ ڈاکٹر درانی نے اپنی پیشہ ورانہ مصروفیتوں کے باوجود کیمبرج اور میونخ کی

---

* سہ ماہی اقبال شمارہ نمبر ۲، جلد نمبر ۳۷، جنوری-اپریل ۱۹۹۰ء۔

** مرتب کو جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ میرے ایم۔ فل اقبالیات اور پی ایچ ڈی اقبالیات کے مقالات کے نگران رہے اور اُن کی صدارتِ شعبہ اقبالیات کے دوران ہی میں نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی اقبالیات کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو صحت و زندگی سے نوازے۔ آمین

[1] سعید اختر درانی، اقبال یورپ میں، لاہور، ۱۹۸۵ء، مضامین ۳ تا ۱۱۔

لائبریریوں اور ریکارڈ [محافظہ] خانوں سے اقبال کے بارے میں بے حد مفید اور قیمتی معلومات کا سراغ لگایا ہے جن سے حیاتِ اقبال کے کئی گوشے جو اس سے پہلے تاریکی میں تھے، روشن ہو گئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر جاوید اقبال کا یہ کہنا بجا ہے کہ "اقبال کے قیامِ یورپ کے دوران ان کی تعلیمی سرگرمیوں کے بارے میں تاریخوں کا تعین قدرے مشکل ہے۔"[۱] اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ علامہ اقبال سے متعلق یورپ میں موجود ریکارڈ حاصل کرنے کے لیے کسی باضابطہ منصوبے کے تحت کام نہیں کیا گیا۔ علامہ اقبال کی زیر تبصرہ تحریر بھی اتفاق ہی سے مل گئی ہے۔

علامہ کی یہ درخواست فل سکیپ [بڑی تقطیع] سائز [ناپ] کے کاغذ پر لکھی گئی ہے۔ یہ درخواست اوپر سے نیچے کی طرف نہیں آتی بلکہ لمبائی کے رخ کاغذ کو تین متوازی کالموں میں تقسیم کر کے لکھی گئی ہے۔ کاغذ سادہ ہے لکیر دار نہیں۔ درخواست لکھنے میں کوئی خاص اہتمام روا نہیں رکھا گیا۔ کئی جگہ لفظ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں پھر بھی ہاتھ سے لکھی ہوئی اس تحریر کو پڑھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ علامہ کی یہ درخواست کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری کے ریکارڈ آفس [دفترِ حفاظت] میں موجود ہے اور راقم کو اس کی نقل معاون ریکارڈ کیپر [حفاظت کار] ڈاکٹر مس ای ایس ایل گرین کی مہربانی سے میسر آئی۔

اس درخواست کی اولین اہمیت تو یہی ہے کہ علامہ اقبال کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ حق شناسی کا تقاضا ہے کہ ہم ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک ایک سطر کو محفوظ کر لیں۔ ہماری یہ کاوش جہاں ہماری ارادت کا ثبوت فراہم کرے گی وہیں اس سرمائے سے ہمیں اور بھی بہت کچھ حاصل ہوگا۔ زیر نظر درخواست سے بھی ہمیں اقبال کے بارے میں بعض نئی لیکن مفید معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ ٹری نیٹی کالج میں داخلے کے لیے یہ درخواست علامہ اقبال نے ۲۹ر ستمبر ۱۹۰۵ء کو تحریر کی اور اس پر انھوں نے اپنا پتا لندن ہی کا لکھا۔ بقول ڈاکٹر جاوید اقبال "اقبال ۲۴ر ستمبر ۱۹۰۵ء کو لندن پہنچے اور ایک رات شیخ عبدالقادر کے ساتھ گزارنے کے بعد ۲۵ر ستمبر کو کیمبرج روانہ ہو گئے۔"[۲] اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب علامہ کی اپنی ایک تحریر

---

[۱] جاوید اقبال، زندہ رود (حیاتِ اقبال کا تشکیلی دور)، لاہور، [شیخ غلام علی اینڈ سنز]، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۲۔
[۲] ایضاً، ص ۱۱۱۔

دستیاب ہو گئی ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ ۲۹؍ستمبر تک علامہ لندن ہی میں مقیم رہے۔ وہیں سے انھوں نے اپنی درخواست کیمبرج بھجوائی اور اس پر لندن ہی کا پتا تحریر کیا اگر وہ لندن میں مقیم نہ ہوتے تو یہ پتا تحریر نہ کرتے۔ علامہ اقبال انگلستان میں جہاں جہاں قیام پذیر رہے، ان میں سے بیشتر مقامات کا پتا چلایا جا چکا ہے۔ لیکن اس درخواست میں لندن کا جو ایڈریس [پتہ] دیا گیا ہے اس کی نشان دہی اب تک کسی نے نہیں کی۔ اس تحریر سے لندن میں علامہ کی ایک اور جائے قیام کا پتا ملا ہے خواہ یہ قیام کتنا ہی مختصر سہی لیکن اس مقام کو علامہ کی میزبانی کا شرف تو حاصل رہا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے شہر لوکارنو کی ایک گلی میں گوئٹے کی ایک یادگار قائم کی گئی ہے کیونکہ اس گلی کے ایک مکان میں گوئٹے نے ایک رات قیام کیا تھا۔ پیرس شہر کی سڑکیں اور گلیاں مشاہیر کے ناموں کی یادگاری تختیوں سے بھری پڑی ہیں۔ ۶۹ شپ بریڈیش روڈ پر علامہ کے نام کی تختی لگے یا نہ لگے یہ جگہ اہل پاکستان کے لیے اہمیت کی حامل ضرور ہو گئی ہے۔

یہ درخواست ٹری نیٹی کالج، کیمبرج یونی ورسٹی کے سینئر ٹیوٹر کے نام لکھی گئی ہے اس میں اقبال نے عربی و فارسی اور مغربی فلسفے کے بارے میں اپنے علم کی بنا پر ریسرچ سٹوڈنٹ [طالبِ تحقیق] کی حیثیت سے داخلہ لینے کی خواہش کا اظہار کیا ہے اور پہلی بار اپنے موضوعِ تحقیق کا بھی ذکر کیا ہے۔ اقبال نے جو مقالہ کیمبرج یونی ورسٹی کے لیے لکھا اور جس پر بعد میں انھیں جرمنی کی میونخ یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری [سند] بھی ملی اس کا عنوان دی ڈویلپمنٹ آف میٹا فزکس اِن پرشیا ہے۔ یعنی ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقا لیکن اس درخواست میں علامہ نے اپنے موضوع کو ان الفاظ میں لکھا ہے:

دِی جینیسس اینڈ ڈویلپمنٹ آف میٹا فزیکل کانسیپٹس اِن پرشیا یعنی ایران میں مابعد الطبیعیاتی تصورات کا آغاز و ارتقا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعد میں شاید اپنے اساتذہ کے مشورے پر اس عنوان کو مختصر کر کے انھوں نے دِی ڈویلپمنٹ آف میٹا فزکس اِن پرشیا کر لیا۔ اس درخواست کی بدولت یہ دلچسپ حقیقت بھی سامنے آئی کہ علامہ اپنا تحقیقی مقالہ پہلے کس عنوان سے لکھنا چاہتے تھے اور انھوں نے اسے کیسے سوچا تھا۔ مقالے کے بارے میں ان کی سوچ کے نقشِ اولین کا ان کی اس تحریر سے پتا چلا، کسی اور جگہ اس کا ذکر نہیں ملتا۔

علامہ نے اس تحریر میں بعض دوسرے اُمور بھی درج کیے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ میں نے ایم اے فلسفہ ۱۸۹۹ء میں پاس کیا اور اس سے اگلے سال میکلوڈ عربک ریڈر [عربی ناظر] بنا اور اورینٹل کالج سے منسلک ہوا۔ ایم اے پاس کرنے کا سال تو درست ہے لیکن میکلوڈ عربک ریڈر اور اورینٹل کالج کے سٹاف [عملے] میں وہ اسی سال شامل ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار[1] کی تحقیق کے مطابق اقبال کا تقرر بطور میکلوڈ عربک ریڈر ۱۳؍ مئی ۱۸۹۹ء کو ہوا گویا وہ اسی سال میکلوڈ عربک ریڈر بنے جس سال انھوں نے فلسفے میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ اس کے علاوہ اقبال نے گورنمنٹ کالج لاہور کے اسسٹنٹ پروفیسر، عبدالکریم الجیلی پر اپنے ایک مضمون کا بھی ذکر کیا ہے اس درخواست میں بعض نام بھی قابل توجہ ہیں۔ عبدالکریم الجیلی کو عبدالکریم الجیلانی لکھا ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور اورینٹل کالج لاہور کو علی الترتیب لاہور گورنمنٹ کالج اور لاہور اورینٹل کالج تحریر کیا ہے۔

درخواست کا عکس ملاحظہ فرمائیں:

درخواست کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے

بخدمت

جناب سینئر ٹیوٹر

ٹری نیٹی کالج، کیمبرج

جناب عالی!

میں کیمبرج یونی ورسٹی میں ریسرچ سٹوڈنٹ کی حیثیت سے داخلہ لینا چاہتا ہوں میں نے پنجاب یونی ورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے ۱۸۹۹ء میں پاس کیا۔ اس سے اگلے سال مجھے اس یونی ورسٹی کی طرف سے میکلوڈ عربک ریڈر مقرر کیا گیا اور لاہور اورینٹل کالج کے سٹاف کے ساتھ منسلک کیا گیا اور ۱۹۰۳ء میں میرا تقرر لاہور گورنمنٹ کالج میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر فلسفہ ہوا۔ اپنے سابقہ مطالعے اور

---

[1] غلام حسین ذوالفقار، اقبال ایک مطالعہ، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۴۔

تحصیلات کے اظہار کے لیے میں نے "نظریہ توحید مطلق... عبدالکریم الجیلانی کی تعریف و تشریح کی روشنی میں" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا۔ جو انڈین انٹی کیوری کی جلد بست و نہم [انتیس] سال ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۳۰ تا آخر میں شایع ہوا۔ جس کا ایک نسخہ ایک دو دن میں آپ کو ارسال کیا جائے گا۔

فارسی و عربی میں اپنے علم اور یورپی فلسفہ (جس کا مطالعہ میں نے اب سے بارہ برس قبل شروع کیا تھا) سے اپنی شناسائی کے پیش نظر مجھے خیال آتا ہے کہ میں اسلامی فلسفہ کے کسی شعبے میں مغربی کے علم میں شاید کوئی اضافہ کر سکوں۔ اس لیے میں "ایران میں مابعد الطبیعیاتی تصورات کا آغاز و ارتقا" کو اپنے موضوع تحقیق کے طور پر تجویز کرتا ہوں یا پھر عربی فلسفے سے متعلق کوئی علمی کام جس کی یونی ورسٹی منظوری دے۔

مزید استدعا کرتا ہوں کہ میری عمر اکیس سال ہو چکی ہے مطلوبہ سرٹیفکیٹ درخواست کے ساتھ منسلک ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری درخواست متعلقہ حکام کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔

آپ کا فرمانبردار خادم
محمد اقبال ایم اے
۶۹/رشپ ہرڈ بش روڈ، لندن
مؤرخہ ۲۹/ستمبر ۱۹۰۵ء

علامہ اقبال کا ایک مکتوب مطبوعہ آگرہ اخبار*

ڈاکٹر رحیم بخش شاہین

۱۹۱۵ء میں علامہ اقبال کی اولین شعری تصنیف مثنوی اسرار خودی (فارسی) منصہ شہود پر آئی، اس میں انھوں نے فلسفۂ خودی کی تشریح و توضیح کی۔ مثنوی کے شروع میں علامہ اقبال کے قلم سے ایک مفصل دیباچہ بھی شامل تھا، جس میں خودی کے لغوی معنی اور مرادی مفہوم کے علاوہ، مشرق و مغرب میں اس کے فلسفیانہ ارتقا پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ مثنوی کی ایک فصل بعنوان "در بیان اینکہ افلاطون یونان و حافظ شیرازی کہ تصوف و ادبیات اقوام اسلامیہ از تخیلات ایشاں اثر عظیم پذیرفتہ بر مسلک گوسفندی رفتہ اند و از ایشاں احتراز واجب است"[1] میں افلاطون (م ۳۴۷ ق م) کے فلسفہ کے منفی اثرات، عجمی تصوف کی خصوصیات اور حافظ شیرازی کے فراری رجحانات کو بڑی شدت سے ہدف تنقید بنایا گیا تھا۔ مثنوی کے شائع ہوتے ہی حامیاں تصوف پر اقبال کی تنقید کو اسلامی تصوف پر حملہ تصور کیا اور خواجہ حافظ کی مخصوص تعلیمات پر اقبال کی نکتہ چینی کو ناقابل معافی جرم قرار دیا، حامیان تصوف میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ کے سجادہ نشیں خواجہ حسن نظامی پیش پیش تھے۔ ان کے ایما پر ان کے رفقا بھی مخالفانہ مضامین لکھنے لگے۔ خواجہ حسن نظامی نے بعض مشاہیر مثلاً اکبر الہ آبادی اور شاہ سلیمان پھلواروی کو بھی اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ بنابریں اقبال کو بھی خط و کتابت اور مضامین کے

---

* سہ ماہی اقبال شمارہ نمبر ۲، اجلد نمبر ۳۸، جنوری-اپریل ۱۹۹۱ء۔

[1] ترجمہ:

یہ بیان کہ افلاطون یونانی اور حافظ شیرازی، جن کے خیالات سے تصوف اور اسلامی اقوام کا ادب بہت متاثر ہوا ہے، مسلک گوسفندی پر گامزن تھے اور ان سے بچ کر رہنا چاہیے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

ذریعے اپنا نقطۂ نظر واضح کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں ان کے بعض ہم خیال اہل علم نے بھی ان کا دفاع کیا۔ علامہ اقبال نے اپنے موقف کی وضاحت کے لیے جو تحریریں اخبارات و رسائل میں شایع کروائیں ان میں سے اہم ترین حسب ذیل ہے:

۱۔ اسرار خودی اور تصوف،	وکیل امرتسر،	۱۵ر جنوری ۱۹۱۶ء
۲۔ سر اسرار خودی	//	۹ر فروری ۱۹۱۶ء
۳۔ علم ظاہر و باطن	//	۲۸ر جون ۱۹۱۶ء
۴۔ تصوف وجودیہ	//	۱۲ر دسمبر ۱۹۱۶ء

یہ تمام تحریریں مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی و محمد عبداللہ قریشی میں مضامین کی صورت میں شامل ہیں۔ ان کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نقل وکتابت کی متعدد اغلاط ہیں لیکن وکیل امرتسر کے متعلقہ شمارے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ان اغلاط کا تعین اور درستی بہت مشکل ہے۔ حال ہی میں جب میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے گوشۂ اقبال میں محفوظ بعض دستاویزات کا جائزہ لے رہا تھا مجھے اقبال کی ایک تحریر کی فوٹو [عکس] دستیاب ہوئی جو دراصل مذکورہ عنوان بالا (سر اسرار خودی) کے تحت آگرہ اخبار ۷ر مارچ ۱۹۱۶ء میں طبع ہوئی۔ مقالات اقبال اور آگرہ اخبار میں مطبوعہ متن میں موازنہ کے نتیجے میں متعدد اختلافات مشاہدے میں آئے، اس لیے مناسب نظر آیا کہ یہ متن بھی منظر عام پر لایا جائے اور حواشی کی صورت میں اختلافات واضح کر دیے جائیں اور ان مقامات کی نشان دہی کر دی جائے جو مقالات اقبال کے مرتبین سے سہواً چھوٹ گئے اور ساتھ ہی ساتھ ضروری مقامات کی توضیح بھی کر دی جائے۔

سر اسرار خودی[1]

۳۰ر جنوری ۱۹۱۶ء کے خطیب میں خواجہ سید حسن نظامی صاحب کا وہ مضمون شایع ہوا ہے جس کا مجھے عرصے سے انتظار تھا۔ اس مضمون کا عنوان سر اسرار خودی اور اس کے تحت میں[2]

---

[1] [سید عبدالواحد معینی و محمد عبداللہ قریشی، مرتب] مقالات [اقبال]. ص ۲۲۲-۲۱۱ میں یہ خط ایک مضمون کی صورت میں شائع ہوا ہے لیکن آگرہ اخبار ج ۴، نمبر [شمار]۱، بابت ۷ مارچ ۱۹۱۶ء میں "مراسلات" کے زیر عنوان بطور مکتوب شامل ہوا ہے۔ اگرچہ ابتدا میں مقام و تاریخ تحریر اور مکتوب الیہ کا نام اور القاب و آداب مفقود ہیں لیکن خاتمہ پر "خاکسار محمد اقبال لاہور" کے الفاظ اس تحریر کے مکتوب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

[2] مقالات: محذوف۔

خواجہ صاحب موصوف نے مثنوی کے اصول پر مفصل بحث کی ہے۔ مضمون ہنوز ختم نہیں ہوا کیونکہ خطیب کے آیندہ نمبر میں بھی لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ مجھے امید تھی کہ خواجہ صاحب موصوف علمی اعتبار سے اصول مثنوی پر بحث فرمائیں گے مگر افسوس کہ یہ توقع اس مضمون سے پوری نہ ہوئی۔ ممکن ہے کہ خطیب کے آیندہ نمبر میں اس مبحث پر کچھ[1] ہو۔ بہر حال مندرجہ ذیل سطور میں میرا مقصد اصولی بحث کرنے کا نہیں ہے[2] کیونکہ میں تصوف اسلامیہ کی تاریخ پر ایک مفصل مضمون لکھ رہا ہوں[3] جو عنقریب علامہ ابن جوزی[4] کی کتاب تلبیس[5] کے اس حصہ کے ساتھ شایع ہوگا جو انھوں نے رد وحدت الوجود[6] میں لکھا ہے۔ اس مضمون سے

---

[1] مقالات: پر کچھ بحث۔

[2] مقالات: محذوف۔

[3] اسرار خودی کی اشاعت پر بعض اہل تصوف کی طرف سے جو قلمی بحث شروع ہوئی اس کے جواب میں اقبال نے بھی چند مضامین شائع کرائے اور اپنے موقف کی وضاحت کے لیے تصوف پر ایک مفصل مضمون لکھنے کا ارادہ کیا۔ اس کا ذکر ان کے مکاتیب اور زیر نظر مضمون میں ملتا ہے۔ آہستہ آہستہ اقبال نے تصوف کے آغاز وارتقا پر تفصیل سے بحث کرنے کا منصوبہ بنایا جس میں تلبیس ابلیس (دیکھیے حاشیہ ۹) کے ایک باب یا اس کے کچھ حصہ کے علاوہ ابن حلاج کے افکار پر بحث بھی شامل کرنا چاہتے تھے۔ اس کتاب کے دو باب لکھے جا چکے تھے، تیسرے باب کا مواد جمع کر لیا گیا تھا اس کے علاوہ باقی ابواب کے لیے متفرق اشارات بھی تحریر کیے جا چکے تھے لیکن اس دوران اقبال کی توجہ رموزِ بے خودی کی طرف مبذول ہو گئی۔ اسرارِ خودی کا قلمی ہنگامہ فرو ہو گیا، اور موضوع پر زیادہ مواد میسر نہ آسکا اس لیے یہ تصنیف تشنۂ تکمیل رہی اور منصہ شہود پر نہ آسکی۔ پروفیسر صابر کلوروی نے اس کتاب کو مرتب کرکے تاریخ تصوف کے نام سے مارچ ۱۹۸۵ء میں شائع کرا دیا ہے۔

[4] امام حافظ جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزی (م ۷ رمضان ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) تقریباً تین سو کتابوں کے مصنف جن میں سے صرف ۲۶۳ کتابوں کے نام ملتے ہیں (تلبیس ابلیس، ص ۱۳-۹)۔

[5] مقالات: تلبیس ابلیس:
علامہ ابن جوزی کی تصنیف جس کے ۱۳ ابواب ہیں انھوں نے ہر طبقے اور جماعت کو معیارِ شریعت پر پرکھا ہے اور اس کی فکری و عملی گمراہیوں کی نشان دہی کی ہے۔ چونکہ کتاب کا مقصد لوگوں کو ابلیس کے فتنوں سے ہوشیار کرنا اور اس کی خفیہ چالوں کو ظاہر کرنا ہے اس لیے کتاب کا نام تلبیس ابلیس رکھا گیا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ علامہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڑھی نے کیا ہے۔

[6] مقالات: وحدت الوجود کے رد میں۔
علامہ ابن جوزی نے تلبیس ابلیس کے باب دہم میں ان روایات کو درج کیا ہے جن سے بعض صوفیہ کے سوء اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے، ان میں خالق اور بندہ کے اتحاد کے عقیدے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ وحدت الوجود کیا چیز ہے، اسلام میں یہ تحریک کس طرح پیدا ہوئی اور جن لوگوں کو صوفیہ کا امام سمجھا جاتا ہے انھوں نے اسلامی تاریخ اور تفسیر قرآن مجید میں کس قدر بے پروائی سے کام لیا ہے۔ میرا مذہب یہ ہے کہ اسلام نے دین و دنیا کے فرائض کو یکجا کیا ہے اور اس طرح بنی نوع انسان کے لیے ایک معتدل راہ قایم کی ہے، جہاں یہ سکھایا ہے کہ تمہارا مقصود اعلیٰ[1] اعلائے کلمتہ اللہ ہے وہاں یہ بھی تعلیم دی ہے کہ ﴿لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾[2] (القصص: ۷۷) "اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول" (دنیا میں اپنا حصہ فراموش نہ کر) "دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ" [دنیا اور کاروبار دنیا کچھ نہیں][3] اسلام کی تعلیم نہیں بلکہ صحیح اسلامی تعلیم یہ ہے جو شرح عقائد نسفی[4] میں چند الفاظ میں نہایت خوبی کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ ترک الاسباب جہالۃ و الاعتماد علیہا شرک[5] یعنی اسباب دنیا کا ترک کرنا جہالت ہے اور ان پر اعتماد کرنا شرک ہے۔[6] پس جب میں رسول اللہ ﷺ کی نعت میں یہ کہتا ہوں کہ[7]

---

[1] معالات: اصلی۔

[2] قرآن مجید، سورۂ القصص: آیت ۷۷۔

[3] یہ کس کا مقولہ ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا۔

[4] مشہور اصولی، متکلم، فقیہ، مفسر، محدث، نحوی، ادیب ابو حفص نجم الدین النسفی (م ۵۳۷ھ) کی تصنیف العقائد النسفیہ جو علم الکلام کی عمدہ کتاب تصوف ہوتی ہے اور درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے، اس کی متعدد شروح اور حواشی لکھے گئے ہیں جن میں علامہ سعید الدین بن عمر تفتازانی (م ۷۹۲ھ) کی شرح العقائد بہت مقبول ہے۔ (ظفر المحصلین، ص ۲۳۰-۲۲۶)۔

[5] مقالات میں یہ جملہ دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر حصہ کا ترجمہ اس کے ساتھ دیا گیا ہے۔ شرح عقائد نفسی کا جو نسخہ مجھے ملا اس میں یہ جملہ نہیں ملا۔

[6] ترجمہ:

ذل [جھیل] کا نظارہ کر کہ شام کے وقت پانی تنے شعلوں کا گھونسلہ بنا دیتی ہے۔
بدن سے سفر کی گرد دھونے کے لیے سورج ذل جھیل کے پانی میں غوطہ لگا دیتا ہے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

[7] مقالات: رفعت۔

از کلید دیں درِ دنیا کشاد[1]

تو میرا مطلب اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دین کی وساطت سے دنیا میں حصہ لینا سکھایا۔ خدا تعالیٰ[2] نے مسلم کو ہدایت کی ﴿لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾[3] یعنی دنیا میں اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ پھر اس حصے کو حاصل کرنے کا طریق بھی بتایا اور اس کا نام شریعت اسلامیہ کا وہ حصہ ہے جو معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔ جس طرح خواجہ صاحب اسلام کی تعبیر فرماتے ہیں اس طرح تو اسلام اور رہبانیت میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ لا رہبانیۃ فی الاسلام[4]۔ جو مضمون میں لکھ رہا ہوں اس سے ناظرین کو یہ سب باتیں معلوم ہوں گی اور اس کے علاوہ اور کئی باتیں جو اسلامی پبلک [عوام] کے سامنے آج تک نہیں آئیں اور مجھے یقین ہے کہ خود خواجہ صاحب کو بھی اپنے اس تصوف پر نظر ثانی کرنی پڑے گی اور ان کو یہ معلوم ہوگا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ فلسفہ حقہ اسلامیہ ہے یا فلسفہ مغربی۔[5]

خواجہ صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یورپ کا علمی مذہب تو وحدت الوجود[6] ہے جس کے وہ حامی ہیں۔ میں تو اس مذہب سے، جو میرے نزدیک ایک قسم کی زندیقیت[1] ہے سے تائب ہو کر

---

[1] شعر یوں ہے:

از کلید دیں در دنیا کشاد
ہمچو او بطن ام گیتی نزاد

(اسرارِ خودی، اول، ص ۳۷)

[ترجمہ:

ایک کلیدِ دیں سے وا اس نے درِ دنیا کیا
بطنِ گیتی نے کوئی ایسا نہیں پیدا کیا

صدیقی، ص ۲۶۲]

[2] مقالات: خدائے تعالیٰ۔

[3] ترجمہ گزشتہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیے۔

[4] مسند احمد ج ۶، ص ۲۲۶ ترجمہ: اسلام میں ترک دنیا نہیں۔

[5] مقالات: فلسفہ مغرب۔

[6] علامہ اقبال نے یورپ کا علمی مذہب اس بنا پر وحدت الوجود قرار دیا ہے کہ مغربی مفکرین کی کثیر تعداد صرف مادہ کو موجود جانتی ہے یعنی ان کے نزدیک موجود صرف ایک ہے اور وہ مادہ ہے اور ایسے فلسفی بھی ہیں جو فلاطین کی پیروی میں وحدت الوجود کے قائل ہیں۔

خداوند کے فضل و کرم سے مسلمان ہو چکا ہوں۔ ان سطور میں صرف چند غلط فہمیاں رفع کرنا چاہتا ہوں جو خواجہ صاحب کے مضمون سے پیدا ہوئی ہیں۔ خواجہ صاحب کو چاہیے کہ تنقید کے لیے معنف کی اصل عبارت یا اشعار لکھتے۔ اپنی زبان میں ترجمہ کرنا ٹھیک نہ تھا مثلاً خواجہ صاحب کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا[2] ہے اس کا ترجمہ خواجہ صاحب کے الفاظ میں یہ ہے:

حافظ شیرازی سے ہشیار[3] رہنا اس کے جام میں موت کا زہر ملا ہوا ہے... آہوں کے درخت جنگل میں ہوتا تھا اس میں بادشاہوں سے لڑنے کی طاقت نہ تھی...

یہ تو ممکن نہیں کہ خواجہ صاحب فارسی نہ سمجھتے ہوں، پھر سوائے اس کے[5] میں اور کیا نتیجہ نکالوں کہ اس ترجمہ سے خواجہ صاحب موصوف حکام کو اس مثنوی سے بدظن کرنا چاہتے ہیں اور عوام کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں اور عوام کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ ایسی باتوں سے ان کا تقدس بلند تر ہونا چاہیے۔ فارسی اشعار جن کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے مندرجہ ذیل ہیں:

در محبت پیرو فرہاد بود
بر لب او شعلۂ فریاد بود

---

[1] وحدت الوجود مذہب نہیں روحانی ارتقا کا ایک مقام ہے لہٰذا اس کو زندیقیت سے تعبیر کرنا مناسب نہیں۔

[2] مقالات: چاہیے تھا۔

[3] لسان الغیب خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی (م ۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء) سبک عراقی کے عظیم شاعر۔ اقبال بھی ان کی شاعرانہ عظمت کے معترف رہے لیکن انھیں حافظ کے نقطۂ نظر سے شدید اختلاف رہا۔ اس کا اظہار انھوں نے اسرارِ خودی کے پہلے ایڈیشن [اشاعت] کی مفصل "در بیان اینکہ افلاطون یونانی و حافظ شیرازی کہ تصوف و ادبیات اقوام اسلامیہ از تخیلات ایشاں اثر عظیم پذیرفتہ...الخ" میں کیا۔ اقبال نے خواجہ حافظ کے خیالات کے اثرات پر تنقید پر مشتمل جو ۳۵ اشعار لکھے ان کو پڑھ کر بعض صوفیہ اور ان کے متقدمین نے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ اقبال نے آخرکار دوسرے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۱۸ء سے وہ اشعار نکال دیے لیکن اپنے نصب العین کی وضاحت کے لیے "در حقیقت شعر و اصلاح ادبیاتِ اسلامیہ" کے زیرِ عنوان نئی فصل شامل کر دی۔

[4] مقالات: ہوشیار۔

[5] مقالات: اس کے سوا۔

تخم نخل آہ در کہسار کاشت
طاقت پیکار با خسرو نداشت"[1]

مجھے اس پر مزید لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ناظرین پر انصاف چھوڑتا ہوں۔ باقی حافظ کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی شاعری نے مسلمانوں کے انحطاط میں بطور ایک عنصر کے کام کیا ہے۔ اس پر مفصل بحث ان شاء اللہ اس مضمون میں کروں گا جس کا ذکر اوپر کے[2] سطور میں کر چکا ہوں۔ منصور حلاج[3] کے مذہب حلول[4] کی پابندی سے جو بحیثیت وحدت الوجودی ہونے

---

[1] اسرارِ خودی، اول، ص ۶۸۔

ترجمہ:

عشق میں پیر اور فرہاد تھا
اس کے ہونٹوں پر فریاد کا شعلہ تھا
پہاڑوں میں آہ کا پودا کاشت کیا
خسرو سے جنگ کرنے کی طاقت نہ تھی

[مترجم: محمد سہیل عمر]

[2] مقالات: کی۔

[3] ابو المغیث حسین ابن منصور الحلاج المصلوب ۳۰۹ھ/۹۲۲ء، تصوف کی ایک پُر اسرار اور متنازعہ شخصیت، ایک گروہ ابن منصور کو مومن کامل اور خدا است سمجھتا ہے جب کہ دوسرا اس کے الحاد اور زندیقیت کا قائل ہے، تیسرا گروہ اس کے بارے میں خاموش رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ کسی کے نزدیک وہ عالم بے بدل اور فاضل عصر تھا جب کہ کسی کے خیال میں وہ محض جاہل شخص تھا بہر حال کتاب الطواسین اس کی مشہور تصنیف ہے جو اس کی گفتار کا مجموعہ ہے۔ کتاب عربی و فارسی زبانوں میں ہے۔ عربی متن مجہول المولف [مصنف کا علم نہیں] ہے جب کہ فارسی متن شطاح شیراز شیخ روز بہان بقلی شیرازی (۶۰۶ھ/۱۲۰۹ھ) کے قلم سے ہے۔ کتاب الطواسین کو فرانسیسی مستشرق لوئی ماسیون نے مرتب کر کے ۱۹۱۳ء میں شائع کرایا۔

[4] حلول کا مطلب ہے خدا کا کسی انسان کے جسم عنصری یا جسد مادی میں میں داخل ہو جانا۔ انگریزی میں اس کے لیے اِن کار نیشن [دوسرا جنم] کی اصطلاح مستعمل ہے۔ عیسائی عموماً حلول کے قائل ہیں۔ اتحاد سے مراد ہے خدا اور بندے کا متحد فی الذات [ایک ذات میں اکٹھا ہو جانا] ہو جانا۔ انگریزی میں اس کو فیوژن [پگھلاہٹ] کہتے ہیں۔ حلول میں خدا اور انسان دونوں مل کر ایک شے ہو جاتے ہیں جب کہ اتحاد میں دونوں اپنی اپنی ذاتی حالت پر برقرار رہتے ہیں۔ اسلام کی رو سے حلول اور اتحاد دونوں کفر ہیں۔ بعض صوفیہ اور علما نے حسین بن منصور کو اصحاب حلول میں شمار کیا ہے اور بعض نے اس پر اتحاد کا الزام عائد کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب [اللہ بہتر جانتا ہے] (دیکھیے تاریخ تصوف، ص ۲۵۷) شیخ محمود شبستری کہتے ہیں:

کی[1] ان پر لازم ہے۔ اگر انا لحافظ[2] کا نعرہ لگا کر میرے اشعار کو اپنی طرف منسوب سمجھے[3] تو ان کا اختیار ہے۔

ایک اور جگہ خواجہ صاحب نے غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "میں دیباچہ[4] کی اس صلاح کو اصولاً غلط کہتا ہوں کہ اہل مشرق اور مسلمان یورپ کے فلاسفروں کی پیروی کریں اور اپنے قدیمی عقائد کو بدل دیں اور یہ اصولی غلطی میرے اختلاف کی بڑی وجہ ہے۔"

مضمون کے کسی حصے میں فرماتے ہیں "اور اہل مغرب خصوصاً جرمنی اور انگلستان کے فلاسفروں کی قصیدہ خوانی کرکے مشرق والوں علی الخصوص مسلمانوں کو ہدایت ہوئی ہے کہ اپنی قدیمی روایات کی نظر ثانی کریں اور ان یورپین رہنماؤں کی تعلیم سے اپنے دل و دماغ کو روشنی پہنچائیں۔"

حلول و اتحاد ایں جا محال است
کہ در وحدت دوئی عین ضلال است

[ترجمہ:
حلول اور ایک ہو جانا اس جگہ ناممکن ہے
کہ وحدت میں دوئی کی بات نری گمراہی ہے

مترجم: محمد سہیل عمر]
(گلشن راز، ص ۲۷)

[1] مقالات: کے۔
[2] انا الحافظ ہونا چاہیے۔
[3] مقالات: سمجھیں۔
[4] مثنوی اسرار خودی کے طبع اول میں شامل دیباچہ مراد ہے جس میں اقبال نے خودی کے مفہوم، اس کی ماہیت، مسئلہ خودی کے ارتقا وغیرہ پر جامع بحث کی تھی۔ اقبال نے اہل مغرب کے میلان عمل و حرکت کو اُجاگر کرتے ہوئے اہل مشرق کو صلاح دی کہ وہ حکمائے یورپ کی کاوشوں کا مطالعہ کریں اور اپنی قدیم فلسفیانہ روایات پر نظر ثانی کریں تاکہ اہل مشرق بھی ترک عمل اور ترک دنیا کی بجائے جدوجہد اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوں۔ چونکہ اسرار خودی کے معترضین نے دیباچہ کو بھی ہدف تنقید بنایا تھا اس لیے اقبال نے مثنوی کے دوسرے ایڈیشن سے یہ مفصل دیباچہ حذف کر دیا اور اس کی جگہ ایک مختصر دیباچہ شامل کر دیا۔ بعد میں یہ دیباچہ بھی حذف کر دیا تھا۔ اب یہ دونوں دیباچے مقالات (ص ۱۹۹۔ ۱۹۴، ۲۳۵) میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

دیباچہ مثنوی کے جس حصہ کی طرف ان سطور میں اشارہ ہے، مندرجہ ذیل ہے:

پس حکمائے انگلستان کی تحریریں ادبیات عالم میں ایک خاصہ[1] پایہ رکھتی ہیں اور اس قابل ہیں کہ مشرقی دل و دماغ ان سے مستفید ہو کر اپنی قدیم فلسفیانہ روایات پر نظر ثانی کریں۔[2]

ناظرین اس فقرے سے خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ کہاں میں نے مسلمانوں کو یہ صلاح دی ہے کہ وہ اپنے عقائد[3] کو بدل دیں۔ میں تو ان کو یہ صلاح دیتا ہوں کہ وہ اپنی فلسفیانہ روایات پر نظر ثانی کریں۔ افلاطونیت جدید[4] کا فلسفہ جو مسلمانوں میں مروج ہے وہ ان[5] کو سخت پست کرنے والا اور اخلاق نقطۂ خیال[6] سے نہایت مضر ہے۔ حکمائے انگلستان کا فلسفہ عملی رنگ میں رنگین ہے اور عمل ہی وہ چیز ہے جس کا پیغام لے کر اسلام آیا تھا، پھر اگر مسلمان اور اہل مشرق جن کے فلسفے کا دار و مدار مراقبے اور حجرہ نشینی پر ہے انگریزی فلسفے کی روشنی میں اپنی فلسفیانہ روایات پر نظر ثانی کریں تو کیا برا ہے اور فلسفیانہ روایات پر نظر ثانی کرنا تبدیلی عقائد کا مستلزم [لازم] نہیں۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ یورپ کا فلسفہ جدید اس صداقت کا ثبوت ہے کہ کس

---

[1] مقالات: خاص۔

[2] اسرارِ خودی، اول، ص ی، ک۔

[3] مقالات: محذوف۔

[4] مقالات: افلاطونیت جدیدہ۔

افلاطونیت جدیدہ یا نو فلاطونیت کی فکری تحریک کا آغاز فلاطینس (پلاٹی نس) (۲۰۵ء-۲۷۰ء) سے منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ مصر میں پیدا ہوا۔ اس نے سکندریہ میں تعلیم حاصل کی جہاں اس نے فلسفہ افلاطون کے ایک ماہر اَمے سکاس سے استفادہ کیا، فلاطینس نے ساری عمر فلسفہ افلاطون کی تشریح و تفسیر میں گزار دی۔ اس کی تصانیف کی تعداد ۵۴ ہے جن کو اس کے نامور شاگرد فرفریوس نے موضوع وار چھ کتابوں میں مرتب کیا، ہر کتاب ۹ تصانیف کا مجموعہ ہے۔ ان کتابوں کے مجموعہ کا نام التسع یا التسعات (دی اینیڈز) رکھا۔ فلاطینس کے فلسفہ کی بنیاد وحدت الوجود پر ہے اور مشرق و مغرب کے متعدد صوفی، شاعر اور فلسفی اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ مسلمانوں میں شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول کی شہرۂ آفاق تصنیف حکمۃ الاشراق پر بھی فلاطینس کے فکری اثرات نمایاں ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے تاریخ تصوف، ص ۹۸-۶۳)

[5] مقالات: دلوں۔

[6] مقالات: نقطۂ نظر۔

طرح انسان عقلی اور مذہبی بیہودگیوں کو چھوڑ کر آخرکار فطرت اللہ کے قریب جا پہنچا[1] ہے جس پر مذہب اسلام مبنی ہے اور میرے نزدیک یورپ کی یہی[2] تاریخ اسلام کی صداقت کا ایک قطعی ثبوت ہے۔ مسلمانوں کو تو یہ حکم ہے کہ علم اگر چین میں بھی ملے تو اس کو حاصل کرو۔[3] پھر مفید اور کام کی بات مغربی ادبیات میں ہم کو ملتی ہے تو اس سے فائدہ نہ اٹھانا سخت نادانی ہے۔ وحدت الوجودیوں نے تو اپنے نظام تصوف کی تدوین میں قریباً تمام مشرک قوموں[4] کے افکار خوشہ چینی کی ہے۔ پھر یہ بات ایک وحدت الوجودی کو زیب نہیں دیتی کہ وہ اس قسم کا الزام ایک مسلمان پر قائم کرے۔ خواجہ صاحب کو اختیار ہے کہ مثنوی کی تنقید میں جو پہلو وہ چاہیں اختیار کریں مگر خدا کے واسطے دیانت کو ہاتھ نہ دیں۔

اصول مثنوی پر بحث کرتے ہوئے خواجہ صاحب نے یہ پانچ وجوہ اس مثنوی کی نامعقولیت کے بیان کیے ہیں:[5]

۱۔ انھوں نے (یعنی اقبال نے) اس مثنوی میں خودی کی حفاظت پر جو کچھ لکھا ہے وہ کچھ انوکھا اور نرالا نہیں ہے بلکہ قرآن شریف کی تعلیم سے بہت ہی کم ہے۔۔ لہٰذا میں بمقابلہ قرآن اس کی ضرورت نہیں رکھتا اور جس کی ضرورت نہ ہو اس سے اتفاق کیوں کروں۔

---

[1] مقالات: پہنچتا۔

[2] مقالات: ذہنی۔

[3] حدیث نبوی: اطلبو العلم ولو کان بالصین۔

اقبال نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے تعلیمی عزائم پر اظہار خیال کرتے ہوئے بھی اس کا حوالہ دیا ہے۔ (مقالات، ص ۲۵۶)

امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں فضیلۃ التعلیم [علم کی فضیلت] کے ضمن میں یہ حدیث درج کی ہے۔ ابن عدی نے مدخل میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت انس اس کی تخریج کی ہے۔ اس کا متن مشہور ہے اور اسانید ضعیف ہیں (احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۹) تاہم اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وہ بحث بھی مد نظر رہنی چاہیے جو انھوں نے اس حدیث کے پس منظر کی وضاحت کی خاطر کی ہے۔ (خطبات بہاولپور، ص ۲۹۵-۲۹۷)

[4] مقالات: اقوام۔

[5] مقالات: مثنوی اسرار خودی کی نامعقولیت کی پانچ وجوہ بیان کی ہیں۔

مجھے خواجہ صاحب سے پورا اتفاق ہے کہ قرآن شریف میں کہیں زیادہ تعلیم خودی کی ہے اور اگر یہ تعلیم انوکھی اور نرالی ہوتی تو میں ہرگز مسلمانوں کے سامنے اسے پیش کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ یاد رہے کہ یہ مثنوی کسی زمانہ حال کے منصور[1] کی لکھی ہوئی نہیں جو اپنی نادانی سے یہ سمجھتا تھا کہ میں قرآن جیسی عبارت لکھ سکتا ہوں[2] بلکہ ایک مسلمان کی لکھی ہوئی ہے جس نے قرآن سے فائدہ اُٹھایا ہے اور اس کی تعبیر کو بنی نوع انسان کی نجات کا باعث تصور کرتا ہے مگر خواجہ صاحب کی یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آئی[3] کہ میں بمقابلہ قرآن اس کی ضرورت نہیں رکھتا اور جس کی ضرورت نہ ہو اس سے تعلق[4] کیوں؟ گویا خواجہ صاحب نے اس کی[5] نامعقولیت کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ چونکہ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں اس واسطے[6] مثنوی نامعقول ہے۔ سبحان اللہ۔

۲۔ دوسری وجہ نامعقولیت یہ بتائی ہے کہ دیباچہ میں مسئلہ وحدت الوجود اور صوفیوں کو ملزم قرار دیا گیا ہے کہ ترکِ خودی کا جذبہ اس مسئلہ اور وحدت الوجود کے مقلدین صوفیہ کے سبب قوم میں پیدا ہوا، گو مثنوی میں اس خاص امر کے متعلق کچھ نہیں تاہم دیباچہ میں مَیں نے[7] جو کچھ لکھا ہے اس کا مفہوم یہی ہے اور یہی میرا عقیدہ ہے۔[8] گو خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں اس کے متعلق کچھ بحث نہیں کی کہ آیا[9] کہ جو الزام میں نے

---

[1] دیکھیے حاشیہ ۳۰۔

[2] علامہ ابن جوزی نے عمرو بن مکی کی روایت بیان کی ہے کہ میں حسین بن منصور کے ہمراہ مکہ کی ایک گلی میں جا رہا تھا اور قرآن شریف پڑھتا تھا۔ میری قرات سن کر حسین بولے کہ ایسا کلام میں بھی کہہ سکتا ہوں۔ یہ بات سنتے ہی میں نے ان کو چھوڑ دیا۔ اس کے علاوہ ابن جوزی نے دو ایک مزید روایتیں بھی اسی طرح کی نقل کی ہیں۔ (تلبیس ابلیس، ص ۲۳۶)

[3] مقالات: نہیں آتی۔

[4] مقالات: اتفاق کیوں کروں۔

[5] مقالات: اس مثنوی۔

[6] مقالات: یہ۔

[7] مقالات: میں نے دیباچے میں۔

[8] مقالات: مگر۔

[9] مقالات: محذوف۔

اس قسم کے صوفیہ پر لگایا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے۔ اگر وہ دلائل سے اس الزام کو بے بنیاد ثابت کرتے تو ایک بات تھی۔[1] اسی ضمن میں خواجہ صاحب فرماتے ہیں:

> پرائیویٹ خط و کتابت میں بھی [2]حضرت اقبال نے اس پر بہت زور دیا ہے اور ان کے احباب بھی صاف صاف کہتے ہیں کہ اس مثنوی کا اصل مقصد صوفی تحریک کا دنیا سے مٹانا ہے۔ پس چونکہ ان کا ارادہ بے بنیاد ہے اور وہ قیامت تک اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا میں اس مثنوی کو بے نتیجہ اور لغو تصور کرتا ہوں اور لغویت سے اختلاف ضروری ہے۔

خواجہ صاحب کی دلیل یہ ہے کہ صوفی تحریک کو مٹانے کا ارادہ بے بنیاد ہے اور اس میں کامیابی ناممکن ہے، اس واسطے یہ مثنوی لغو ہے اور چونکہ لغو ہے اس واسطے اس سے اختلاف ضروری ہے۔ سبحان اللہ! کیا خوب منطق ہے۔ اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ میرا ارادہ صوفی تحریک کو دنیا سے مٹانے کا ہے اور یہ بھی [3]فرض کرلیا جائے کہ اس میں کامیابی ناممکن ہے تو اس مثنوی کا لغو ہونا تو اس سے ثابت نہیں ہوتا اور اگر لغو ہونا بھی ثابت ہو جائے تو ایک عامل قرآن کے لیے اس سے اختلاف کرنا ضروری نہیں۔ قرآن میں تو یہ ارشاد ہے: ﴿إِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا۝﴾[5] (الفرقان: ۷۲) "جب بیہودہ پر گذرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں" مگر خواجہ صاحب کی خدمت میں مودبانہ عرض ہے کہ صوفی تحریک کو مٹانا میرا مقصد نہیں ہے۔ میرا مقصد محض حفاظت اسلام ہے۔ میں صرف یہ بات مسلمانوں پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ عجمی تصوف) عجمی اس واسطے کہ اس [6]تدوین کرنے والوں میں بیشتر عجمی

---

[1] مقالات: محذوف۔

[2] مقالات: اس۔

[3] مقالات: محذوف۔

[4] مقالات: عبارت "اگر... اور یہ بھی" تک محذوف ہے۔

[5] آیت یوں ہے: اِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا کِرَامًا ۷۲ ○○ (سورۃالفرقان: آیت ۷۲)
ترجمہ: اور جب انھیں بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

[6] مقالات: کی۔

تحریک کو دنیا سے مٹانے کا ہے اور یہ بھی [1] فرض کر لیا جائے کہ اس میں کامیابی ناممکن ہے تو اس مثنوی کا لغو ہونا تو اس سے ثابت نہیں ہوتا اور اگر لغو ہونا بھی ثابت ہو جائے تو ایک عامل قرآن کے لیے اس سے اختلاف کرنا ضروری نہیں۔ قرآن میں تو یہ ارشاد ہے: ﴿اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۝﴾ [2] (الفرقان: ۷۲) "جب بیہودہ پر گذرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں" مگر خواجہ صاحب کی خدمت میں مودبانہ عرض ہے کہ صوفی تحریک کو مٹانا میرا مقصد نہیں ہے۔ میرا مقصد محض حفاظت اسلام ہے۔ میں صرف یہ بات مسلمانوں پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ [3] عجمی تصوف) عجمی اس واسطے کہ اس تدوین کرنے والوں میں بیشتر عجمی تھے) جزو اسلام نہیں ہے۔ یہ ایک قسم کی رہبانیت ہے جس سے اسلام کو قطعاً تعلق نہیں ہے اور جس کے اثر سے اسلامی اقوام میں سے قوت عمل مفقود ہو گئی ہے۔ تصوف کا تو لفظ بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود نہ تھا۔ [4] ۱۵۰ ہجری میں یہ لفظ پہلے پہل استعمال میں آیا اور رفتہ رفتہ تصوف کے عجمی حامیوں نے ایک ایسا اخلاقی اور معاشرتی نصب العین پیدا کر دیا جو آخر کار مسلمانوں کی بربادی کا باعث ہوا یا کم از کم اور بواعث میں ایک باعث یہ بھی تھا۔ علمائے اسلام نے ابتدا ہی سے اس کی مخالفت کی اور مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق تو علمائے اُمت کا اجماع ہے کہ یہ قطعاً غیر اسلامی تعلیم ہے۔ میں یہ سب باتیں ان شاء اللہ ثابت کروں گا۔

رہبانیت دنیا کی ہر مستعد قوم میں اس کے عملی زوال کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مٹانا ناممکن ہے کہ بعض رہبانیت پسند طبائع ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ صرف

---

[1] مقالات: عبارت "اگر... اور یہ بھی" تک محذوف ہے۔

[2] آیت یوں ہے: اِذَامَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۷۲ ۰۰ (سورۂ الفرقان: آیت ۷۲)

ترجمہ: اور جب انھیں بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

[3] مقالات: کی۔

[4] تصوف کی وجہ تسمیہ میں اہل علم کی آرا میں خاصا اختلاف ہے۔ البتہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ اس کا باقاعدہ استعمال دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا۔ قرآن و حدیث، عہد صحابہ و تابعین میں اس لفظ کا ذکر نہیں ملتا۔ محققین کہتے ہیں کہ اس زمانے میں قرآن میں "تزکیہ" اور حدیث میں "احسان" کے الفاظ ان معنوں میں استعمال ہوتے ہیں جن کی تفصیل کے لیے تصوف وجود میں آیا۔

۳۔ تیسری وجہ نامعقولیت یہ بتائی ہے کہ مصنف نے دیباچہ میں مسلمانوں کو بہ پیروی حکمائے یورپ اپنے عقائد بدل دینے کی صلاح دی ہے۔ اس کا جواب اوپر عرض کر چکا ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر آپ کی یہ وجہ صحیح ہوتی تو اس مثنوی کو نامعقول قرار دینے کے لیے یہی ایک وجہ کافی تھی۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ مثنوی خودداری سکھاتی ہے مگر ساتھ ہی اس کے، مغربی خود غرضی بھی سکھاتی ہے جو اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ یہ بھی محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اس کی تائید میں ایک شعر بھی مثنوی کا پیش نہیں کیا گیا جس سے معلوم ہو کہ اقبال خود غرضی کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ خواجہ صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ مثنوی کے تیسرے حصہ میں مصنف نے مسلم کی خودی کا مطلوب و معشوق اس ذاتِ عالی صفات کو گردانا ہے جو باعث پیدائش تمام کون و مکان اور ساری خدائی کی ہے[4] یعنی حضور سرور کائنات [ﷺ][5] دعویٰ[6] بے دلیل قبولِ خرد نہیں۔

۵۔ پانچویں وجہ نامعقولیت یہ بتائی ہے کہ اس مثنوی نے میری خودی کی توہین کی ہے یعنی چونکہ خواجہ صاحب حافظ کے حلقہ بگوش ہیں اس واسطے یہ مثنوی بوجہ تنقید حافظ نامعقول ہے۔ اس کا جواب کسی حد تک اس مضمون میں عرض کر چکا ہوں[7] جو میں نے وکیل میں شائع کیا تھا اور مفصل تو اس مضمون میں عرض کروں گا جو زیر تصنیف ہے۔[8]

---

[1] ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۷ء)۔

[2] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء)۔

[3] مولانا شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء)۔

[4] مقالات: خلائق کا۔

[5] مقالات: صلی اللہ علیہ وسلم۔

[6] مقالات: ع۔

[7] مقالات: کروں گا۔

[8] مقالات: عبارت "جو میں نے... کروں گا" محذوف ہے۔

باقی مضمون میں صرف دو باتیں ہیں یعنی یہ کہ اقبال نے مثنوی کو سر علی امام[1] کے نام سے نامزد کرنے میں اپنی خودی پر چوٹ لگائی ہے اور اس طرح ایک دنیا دار کے سامنے سر جھکا کر اپنی مثنوی کی تعلیم کے خلاف کیا ہے۔ اس کے جواب میں صرف اسی قدر عرض ہے کہ خواجہ صاحب لفظ ڈیڈیکشین[2] کے معنی نہیں سمجھتے۔ شاید وہ ڈیڈیکشین کے معنی تذلّل تصور فرماتے ہیں۔ ان کے خیال میں تو بعض مرید جو پیروں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں وہ بھی شاید ڈیڈیکٹ [انتساب کرنا] ہی کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ جو مفہوم آپ نے لفظ ڈیڈیکشین [انتساب] کا سمجھا ہے وہ صحیح نہیں۔ اس سے مراد محض اظہارِ محبت و اخلاص ہے جو دو آدمیوں کے ذاتی تعلقات پر مبنی ہوتا ہے۔ میں نے ان اشعار میں ڈیڈیکشین کی وجہ صاف لکھ دی ہے۔ آپ ان اشعار کو غور سے پڑھتے تو خود بخود یہ بات معلوم ہو جاتی۔ دوسرا الزام جو خواجہ صاحب مجھ پر لگاتے ہیں یہ ہے کہ اقبال نے مولانا روم[3] کو خواب میں دیکھا ان کی مثنوی کو

---

[1] سر سید علی امام (م اکتوبر ۱۹۳۲ء)، اقبال نے اسرارِ خودی کی پیش کش ان کے نام کی تھی جس کا عنوان تھا "بحضور سر سید علی امام"۔ یہ پیش کش ۱۹ اشعار پر مشتمل تھی، دوسرے ایڈیشن میں گیارہ اشعار (۶ تا ۱۶) نظم میں سے خارج کر دیے گئے لیکن کتاب کے حصہ "تمہید" میں مناسب مقام پر شامل کر لیے گئے (اسرارِ خودی، دوم، ص ۱۶-۱۵) گویا طبع دوم میں پیش کش کے اشعار آٹھ رہ گئے اور طبع سوم میں اس پیش کش کو بھی حذف کر دیا گیا۔ خیال رہے کہ اسرارِ خودی کی طبع سوم رموزِ بے خودی کی طبع دوم کے ساتھ یکجا صورت میں ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

[2] ڈیڈی کیشن کے مختلف معانی ہیں کسی تصنیف کا کسی کے نام تعنون، انتساب یا پیش کش وغیرہ بھی شامل ہیں۔ یہی معنی عموماً مراد لیے جاتے ہیں۔

[3] مولانا جلال الدین بلخی رومی (م ۶۷۲ھ/ ۱۲۷۳ء)۔
خواجہ حسن نظامی نے جب اسرارِ خودی کے ۱۴۷ اشعار توحید میرٹھ یکم اگست ۱۹۱۳ء میں شائع کیے تو تو[...] لکھا "... ڈاکٹر صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا روم ارشاد فرماتے ہیں اقبال مثنوی لکھو۔ [...] مثنوی کا حق تو آپ ادا کر گئے۔ فرمایا نہیں، تم بھی لکھو۔ التماس کی آپ فرماتے ہیں خودی کو مٹاؤ اور مجھ کو [...] ہوتا ہے کہ خودی قائم کرنے کی چیز ہے۔ ارشاد ہوا نہیں ہمارا مطلب بھی یہی ہے جو تم سمجھتے ہو۔" ([...] بخش شاہین، مرتبہ]، اوراقِ گم گشتہ، [لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۵ء]، ص ۱۵)

بیداری میں پڑھا[1]... اگر وہ ایسا کرتے تو قرآن کے خلاف نہ چلتے بلکہ قرآن کے اصول کو مثنوی میں لکھتے۔

خواجہ صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن میں مثنوی کی تعلیم سے زیادہ خودی کی تعلیم ہے۔ اس میں کوئی انوکھی بات نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ ایک حد تک اس مثنوی کی تعلیم وہی ہے جو قرآن کی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ خود غرضی کی تعلیم بھی دیتی ہے اس کے ثبوت میں آپ نے کوئی شعر پیش نہیں کیا۔ پھر اس میں آپ کے خیال کے مطابق خلاف قرآن یہی بات رہ گئی کہ اس میں حافظ کی تنقید ہے۔ آیا دلیل یہ ہوئی کہ اس مثنوی میں حافظ کی تنقید ہے۔ اس واسطے یہ خلاف قرآن ہے... حضرت! میں نے مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ[2] کی مثنوی کو بیداری میں پڑھا ہے اور بار بار پڑھا ہے۔ آپ نے شاید اسے سکر[3] کی حالت میں پڑھا ہے کہ اس میں آپ کو وحدت الوجود نظر آتا ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی[4] سے پوچھیے وہ اس کی تفسیر کس طرح کرتے ہیں۔ میں اس بارے میں انھی کا مقلد ہوں۔ باقی رہی وحدت الوجودیوں[5] کی تفسیر قرآن سو اس کا نمونہ آپ کے مضمون میں بہت کچھ

---

[1] مقالات: محذوف۔

[2] مقالات: رحمۃ اللہ علیہ۔

[3] روحانی حال کے غلبہ کا نام سکر ہے اور تہذیب اقوال اور ترتیب افعال کی جانب واپس آجانے کا نام صحو ہے۔ (عوارف المعارف، ص ۶۹۸)

[4] مولوی اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء)۔ انھوں نے مثنوی مولانا روم کے دفتر اول کی شرح کلید مثنوی کے نام سے لکھی اور بعد ازاں ۱۹۰۹ء میں مسائل المثنوی کے نام سے ایک رسالہ تحریر کیا جس میں انھوں نے "تحقیق مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود" کے زیر عنوان اس امر کی تصریح کی ہے کہ مولانا جس وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اس کی رو سے وجود کے ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دوسرا کوئی ہے تو سہی مگر ایسا ہی ہے جیسا کہ نہیں ہے، یعنی سالک کو ایک ہی مشاہدہ ہوتا ہے اور اس کے علاوہ سب کالعدم معلوم ہوتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے التکشف، ص ۱۱۵-۱۱۲)

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے کلید مثنوی اور مسائل مثنوی کا مطالعہ کیا تھا اور وہ مولانا اشرف علی تھانوی کے نقطۂ نظر کی صحت کے قائل تھے۔

[5] مقالات: وحدت الوجود۔

ہے۔ میں ان شاء اللہ آپ کو بتاؤں گا کہ قرآن شریف کی تعلیم کیا ہے اور جن آیات سے آپ وحدت الوجود اور رہبانیت کو ثابت کرتے ہیں ان کا اصل مفہوم کیا ہے۔ زیر تصنیف مضمون میں ان شاء اللہ یہ سب باتیں ہوں گی۔

میں زمانہ کی گردش سے بدلا نہیں ممکن ہے کہ آپ بدل گئے ہوں۔ امیر خسرو[2] کی پیش گوئی[3] مجھ پر صادق نہیں آتی۔ حضرت سلطان الاولیا[4] کے مریدوں میں ایک میرے ہم نام بھی تھے[5] امیر خسرو کا شعر غالباً ان کے لیے کہا گیا ہوگا۔ مضمون کا خاتمہ آپ نے مولانا اکبر[6] کے ایک مصرعہ[7] پر کیا ہے یعنی:

خودی خدا سے جھکے بس یہی تصوف ہے[8]

---

[1] مقالات: محذوف۔

[2] ابوالحسین یمین الدین امیر خسرو (م۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء)۔

[3] خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں "اگر آپ گزشتہ زمانہ کی روش سے بدل گئے ہیں اور آپ کی قلب ماہیت ہو گئی ہے تو سن لیجیے حضرت امیر خسرو چھ سو برس پہلے ہم کو اس مصرعہ میں اس کا نتیجہ سنا گئے ہیں پھر ہمیں کیا غم اور وہ یہ ہے:

اقبال را چو قلب کنی لا بقا شود

ترجمہ

[اقبال کے لفظ کو الٹ کر دو تو لا بقا (بقا نہیں) بن جاتا ہے]

گویا حضرت امیر خسرو کا یہ الہامی مصرعہ اسی بقا و فنائے خودی کے واسطہ رکھا تھا۔

(خطیب دہلی، ج ۳، ش ۴، ۳۰ جنوری ۱۹۱۶ء، ص۶۹)

[4] حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (م۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء)۔

[5] اقبال حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے خادم خاص تھے جن کے ذمے دیگر اُمور کے علاوہ جملہ فتوحات کی تقسیم اور مہمانوں کی خاطر تواضع کا کام بھی تھا۔

[6] سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی (م۱۹۲۱ء)۔

[7] اقبال کبھی "مصرع" لکھتے ہیں اور کبھی "مصرعہ"۔

[8] شعر یوں ہے:

سخن میں یوں تو بہت موقع تکلف ہے

خودی خدا سے جھکے بس یہی تصوف ہے

(کلیاتِ اکبر، سوم، ص۳۲)

یہ میرا عین مذہب ہے اور میرے نزدیک میری مثنوی اسی مصرع کی ایک تفسیر ہے مگر آپ کو معلوم ہے کہ یہ مولانا اکبر جن کا یہ مصرع ہے کون ہیں؟ یہ وہی مولانا اکبر ہیں جن کا یہ شعر ہے:

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلام ربانی (کذا) نے ہم میں آکر
سرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر[1]

یہ وہی مولانا اکبر ہیں جن کا یہ شعر ہے:

ان میں باقی ہے کہاں خالد جانباز کا رنگ
دل یہ غالب ہے فقط حافظ شیراز کا رنگ[2]

یہ وہی مولانا اکبر ہیں جو اس مثنوی کے اشعار اور اس کے دینی مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے ایک پرائیویٹ [ذاتی] خط میں ارشاد فرماتے ہیں:

آپ کے مطمح نظر جو امر ہے اگر میں اس کی قدر نہ کروں تو مسلمان نہیں۔[3] میرے اور آپ کے لیے اسے[4] خضر ظلمات کا ارشاد کافی ہے۔

خاکسار

محمد اقبال، لاہور[5]

---

[1] مقالات: شعر محذوف ہے۔ کلیات میں یہ شعر یوں درج ہے:

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کمال باری نے ہم میں آکر
سرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر

(کلیاتِ اکبر، اول، ص ۷۷)

[2] اصل شعر یوں ہے:

ہم میں باقی نہیں اب خالد جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے فقط حافظ شیراز کا رنگ

(کلیاتِ اکبر، اول، ص ۶۴)

[3] اکبر الٰہ آبادی کا یہ خط دستیاب نہیں۔

[4] مقالات: اس۔

[5] مقالات: یہ الفاظ محذوف ہیں۔

اقبال کے ایک ناقص خط کی تکمیل*

شائستہ خان

ظفر احمد صدیقی جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ فلسفہ کے صدر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے، وہ اقبال کے زبردست معتقد اور مداح رہے ہیں اور ساری عمر اقبال کے خیالات و افکار کی حمایت اور ترجمانی میں اپنی صلاحیتوں کا بڑا حصہ وقف کیے رہے اور موقع موقع سے اقبال کے معترضین کے جوابات بھی دیتے رہے۔

اقبال کے بعد تو یہ لَے اور بھی بڑھ گئی لیکن خود ان کے عہد میں ہی ان کے تصورِ خودی کی ایک تجسیم "شاہین" پر اعتراضات شروع ہوگئے تھے جس کے کچھ جواب اقبال نے اپنے خطوط بنام سیدین و سرور میں دیے ہیں۔ ظفر احمد صدیقی کے نام بھی ایک خط اسی زمانے کا ہے یعنی وفات سے تقریباً دو سال قبل کا۔

ظفر احمد صدیقی نے لکھا ہے کہ انھوں نے یہ نظم اقبال کو بھیجی جسے پڑھنے کے بعد انھوں نے وہ خط لکھا جو عطاء اللہ کے مرتبہ اقبالنامہ ص ۲۰۱ پر موجود ہے۔ یہ خط قبلاً علی گڑھ میگزین کے اس اقبال نمبر میں چھپ چکا ہے جو ۱۹۳۸ء میں شایع ہوا تھا۔

ظفر احمد صدیقی نے اقبال کی یاد میں ماہنامہ اقبال سے علی گڑھ سے ۱۹۴۰ء میں نکالنا شروع کیا اس کے پہلے شمارے بابت اپریل ۱۹۴۰ء میں اقبال اپنے نام اقبال کے اس خط کا عکس بھی دیا اور وہ نظم بھی دی جسے پڑھ کر اقبال نے خط لکھا تھا۔ ساتھ ہی اس نظم کی شانِ ورود بھی دی۔

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ؟؟ جلد نمبر ؟؟، جولائی ۱۹۹۰۔ جنوری ۱۹۹۱ء۔

(۲)

اب اس خط کی دوبارہ پیش کش کی بظاہر کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، سوائے اس کے کہ اقبال کے اصل کے خط کے متلاشیوں کو عکسی شکل میں اس خط کو دیکھ کر خوشی ہوتی۔

لیکن اس سے بھی بڑھ کر محض اتفاق سے اقبال کے طالب علموں کے لیے خوشی کی ایک اور سبیل مہیا گئی ہے اور وہ اس طرح کہ یہ خطاب اب تک جہاں جہاں چھپا، عطاء اللہ کے اقبالنامہ میں، علی گڑھ میگزین میں، خود ظفر احمد صدیقی کے پرچے میں، ہر جگہ ناقص صورت میں چھپتا رہا۔ آج پہلی بار یہ ناقص خط اپنی مکمل شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

ہوا یوں کہ ظفر احمد صدیقی نے اپنے نام یہ خط ابو اللیث صدیقی کو، جو علی گڑھ میگزین کے اس سال کے اڈیٹر تھے (خود ظفر احمد صدیقی ۱۹۳۵ء میں علی گڑھ میگزین کے اڈیٹر رہ چکے تھے) علی گڑھ میگزین کے اقبال نمبر میں شایع کرنے کے لیے دے دیا۔ خط کا بلاک [تختہ] بننے کے بعد ایک مسئلہ سامنے آیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ اس زمانے میں قادیانی (احمدی) وغیر قادیانی کی آویزش عروج پر پہنچ رہی تھی۔ یہاں تک کہ جواہر لال نہرو اور اقبال کے تفصیلی بیانات بھی شایع ہو چکے تھے۔ پنجاب، جو قادیانی مسئلے کا مرکز تھا، اقبال کا وطن تھا اور علی گڑھ جو مسلم سیاست کا مرکز تھا اس خط کی اشاعت وہاں سے ہو رہی تھی۔

نتیجہ میں بلاک بننے کے بعد خط کے مشتملات سنسر کی نظر سے گزرے تو قابل اعتراض الفاظ اڑا دیے گئے۔ وہ الفاظ جو سنسر کی نذر ہوئے تھے، پہلی بار منظر عام پر لائے جارہے تھے اور اس کا کریڈٹ ہمیں نہیں ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کو پہنچتا ہے جنھوں نے سنسر شدہ فقرے اپنی اس خودنوشت میں نقل کیے ہیں جو پاکستان کے علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے آرگن تہذیب کراچی میں شایع ہوئی ہے۔ فروری ۱۹۸۹ء کے شمارے میں۔

ہماری حقیر پیش کش صرف اس قدر ہے کہ ہم نے:

۱- اقبال کے خط کا عکس مہیا کر دیا ہے جس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جائے گی سنسر کی قینچی کس طرح چلی تھی؟

ب۔ مکتوب الیہ نے خط کی شانِ نزول کی جو تفصیل دی تھی وہ ہمیں مل گئی ہے۔ یعنی ظفر احمد صدیقی کی وہ نظم جس کے جواب میں یہ خط آیا اور وہ نثری تمہید جس میں شانِ نزول کی مزید وضاحت ہے۔ اور

ج۔ ابواللیث صاحب کا وہ تازہ بیان جو اِن پچھلی لڑیوں میں پرونے کے لیے مل گیا ہے۔

معترض نے اقبال کو جو کچھ لکھا تھا، وہ اعتراضات احمد صدیقی نے اس نظم میں پیش کر دیے ہیں۔ اعتراضات یہ تھے کہ:

اقبال ایک ایسے فلسفی خانہ نشیں ہیں جن کو رفتارِ زمانہ کی کوئی خبر نہیں۔

اس ترقی کے دور میں بھی وہ جنگ کے حامی ہیں۔

وہ بڑ زور دیتے ہیں تعلیم خودی پر، تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہٹلر اور مسولینی ہی بن جایا جائے، حجاج بن یوسف بن جایا جائے۔ یہ تو سراسر اسلام پر تہمت ہے کیونکہ وہ خودی کے اس پردے میں خونریزی اور غارت گری سکھاتے ہیں۔

اگر اقبال کی تعلیم کو مانا جائے تو چنگیز و ہلاکو کو قطعی سیاہ کار نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ عتبہ وابوجہل کو شہداء کا رتبہ دینا پڑے گا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان لوگوں کی خودی بڑی اعلیٰ وارفع تھی۔ ساری دنیا کو تہ و بالا کر دیا، ان کے افکارِ خودی نے، لیکن کیا واقعی اسلام بھی ایسی خودی کا طرفدار ہے؟

اقبال کا خط انھی اعتراضات کا جواب ہے۔

تو ملاحظہ ہو، پہلے ظفر احمد صدیقی کی وہ نظم مع ان کی نثری تمہید کے، اس کے بعد اقبال کے خط کا عکس اور بعد ازاں وہ سنسر شدہ الفاظ جو اسی عکس میں پہلی سطر میں صاف اڑے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

نذرِ اقبال

ظفر احمد صدیقی

اس نظم کو ایک تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ فضا جب شاعرِ مشرق کے جبریئلی نغموں سے گونج رہی تھی، اس وقت بعض تیرہ بخت ایسے بھی تھے جنھوں نے مشرق کے

اس آفتاب پر خاک ڈالنے کی کوشش کی۔ یہ نظم ان جذبات کی آئینہ دار ہے جو ان اعتراضوں پر میرے دل میں موجزن ہوئے۔ اسی نذرِ عقیدت کو میں نے علامہ اقبال کی خدمت میں بھیجنے کی جرأت کی اور اس کے جواب میں وہ مکتوبِ گرامی آیا جو معترضین کا مسکت جواب اور اقبال کے سارے فلسفہ کی جامع تفسیر ہے۔ اس خط کا عکس آیندہ صفحات پر ملاحظہ فرمایئے۔ (ظفر)

اِک دوست کہ میخانۂ مغرب کے ہیں میخوار
کہنے لگے "اقبال کے ہو تم بھی پرستار!
اقبال کہ اک فلسفیِ خانہ نشیں ہیں
رفتارِ زمانہ سے خبردار نہیں ہیں
اشعار میں ہرچند کہ ہے جدتِ افکار
ہر لفظ ہے اک آئنۂ شوخیِ گفتار
ہر چند کہ ہے درد کہ لذت سے بھرا دل
لیکن میں نہیں ان کے خیالات کا قائل
اس دورِ ترقی میں بھی ہیں جنگ کے حامی
سچ پوچھو تو یہ ان کے تخیل کی ہے خامی
دیتے ہیں بہت زور وہ تعلیم خودی پر
مطلب یہ ہے بن جاؤ مسولینی و ہٹلر
لیکن ہے غضب رکھتے ہیں اسلام پہ تہمت
اس پردہ میں سکھلاتے ہیں خونریزی و غارت
لیکن اگر اقبال کی تعلیم کو مانو
چنگیز و ہلاکو کو سیہ کار نہ جانو
حجاج کو الزام نہ دو ظلم و جفا کا
دو عتبہ و بوجہل کو رتبہ شہدا کا
بے شک تھی خودی ان کی بہت ارفع و اعلیٰ

عالم کو کیا ان کی خودی نے تہ و بالا
اقبال تو خیر اپنے تعصب سے ہیں ناچار
اسلام بھی کیا ایسی خود کا ہے طرفدار؟"
تادیر رہی یونہی زبان ان کی گہر ریز
لیکن ہوئی جب ختم یہ تقریرِ دلآویز
میں نے کہا "گر خاطرِ نازک نہ ہو یہ بار
اک تلخ حقیقت کا مجھے کرنا ہے اظہار
سمجھا ہی نہیں آپ نے اقبال کی لَے کو
ہیں جام پہ نظریں، ابھی چکھا نہیں مَے کو
اقبال جو کہتے ہیں، خودی ہو تری عالی
مطلب یہ ہے تلوار نہ جوہر سے ہو خالی
اشعار میں آتی ہے جو شاہیں کی حکایت
ہے از رہِ تمثیل نہ ازراہِ حقیقت
مطلب یہ ہے، سرگرمِ عمل تیری خودی ہو
لیکن یہ ضروری نہیں، منزل بھی وہی ہو
چنگیز و ہلاکو میں بھی اک جوشِ خودی تھا
گم کردۂ منزل تھا مگر قافلہ ان کا

گرامی نامہ
علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال

لاہور ۱۰ اپریل ۳۶ء

جناب من

[illegible]

۲. [illegible]

۳. [illegible]

۴. [illegible]

[illegible]

محمد اقبال

معترض قادیانی معلوم ہوتا ہے۔
تو مکمل خط کا متن اب اس طرح ہوا:
جناب! من معترض قادیانی معلوم ہوتا ہے۔
قرآنِ کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اسلامی تصوف میں مسئلۂ خودی کی تاریخ اور نیز مری تحریروں سے ناواقفِ محض ہے۔ مؤخر الذکر صورت میں میں اسے معذور جانتا ہوں۔ آخر اس غلامی کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس کون سا ذریعہ ہے جس سے وہ اپنی آیندہ نسلوں کو اسلامی تصورات کے بننے اور بگڑنے کی تاریخ سے آگاہ کر سکیں۔ غلام قوم مادیات کو روحانیات پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور جب انسان میں خوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو ہر ایسی تعلیم سے بے زاری کے بہانے تلاش کرتا ہے جس کا مقصد قوتِ نفس اور روح انسانی کا ترفع ہو۔

(۲) اعتراض کا جواب آسان ہے۔ دین اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدہ کی رُو سے ہر شے پر مقدم ہے، نفسِ انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا بلکہ ان کے عمل کے لیے حدود متعین کرتا ہے۔ ان حدود کے معین کرنے کا نام اصلاح اسلام میں شریعت یا قانونِ الٰہی ہے۔ خودی مسولینی کی ہو خواہ ہٹلر کی، قانونِ الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔ مسولینی نے حبشہ کو محض جوع الارض کی تسکین کے لیے پامال کیا۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں حبشہ کی آزادی کو محفوظ رکھا۔ فرق اس قدر ہے کہ پہلی صورت میں خودی کسی قانون کی پابند نہیں۔ دوسری صورت میں قانونِ الٰہی اور اخلاق کی پابند ہے۔ بہرحال حدودِ خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکامِ الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال و عواطف [میلانات اور کشش] باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے۔ بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے لیکن ہندی اور ایرانی صوفیہ میں سے اکثر نے مسئلۂ فنا کی تفسیر فلسفۂ ویدانت اور بدھ مت کے زیر اثر کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اس وقت عملی اعتبار سے ناکارۂ محض ہے۔ میرے عقیدے کی رُو سے یہ تفسیر، بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک تھی اور ایک معنی میں میری تمام تحریریں اسی تفسیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہیں۔

(۳) معترض کا یہ کہنا کہ اقبال اس دورِ ترقی میں جنگ کا حامی ہے، غلط ہے۔ میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کے حدودِ معینہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں، محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جب کہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے، مسلمان کو تلوار اُٹھانے کی اجازت ہے (نہ حکم)۔ دوسری صورت جس میں جہاد کا حکم ہے ۴۹:۹ میں بیان ہوئیں آیات کو غور سے پڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ چیز جس کو سیموئیل ہور، جمعیت اقوام کے اجلاس میں کولیکٹو سیکورٹی [اجتماعی سلامتی] کہتا ہے، قرآن نے اس کا اُصول کس سادگی اور فصاحت سے بیان کیا ہے۔ اگر گزشتہ زمانے کے مسلمان مدبرین اور سیاسین قرآن پر تدبر کرتے تو اسلامی دنیا میں جمعیت اقوام کے بنے ہوئے آج صدیاں گزر گئی ہوتیں۔ جمعیت اقوام جو زمانۂ حال میں بنائی گئی ہے اس کی تاریخ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جب تک اقوام کی خودی قانونِ الٰہی کی پابند نہ ہو، امن عالم کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔ جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے سوائے میں اور کسی جنگ کو نہیں مانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لیے جنگ کرنا دین اسلام میں حرام ہے۔

علیٰ ہذا القیاس۔ دین کی اشاعت کے لیے تلوار اُٹھانا بھی حرام ہے۔

(۴) شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں۔ اس جانور میں اسلامی فقر کے تمام خصوصیات پائے جاتے ہیں:

۱۔ خوددار اور غیرت مند ہے کہ اور کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔

۲۔ بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا۔

۳۔ بلند پرواز ہے۔

۴۔ خلوت پسند ہے۔

۵۔ تیز نگاہ ہے۔

آپ کے خط کا جواب حقیقت میں طویل ہے لیکن افسوس کہ میں طویل خط لکھنا تو درکنار معمولی خط وکتابت سے بھی قاصر ہوں۔

محمد اقبال

لمعہ حیدرآبادی کے نام اقبال کا آخری مکتوب*

پروفیسر اکبر رحمانی

اصل خط کا متن

Dr. Sir Mohammad Iqbal　　Mayo Road
Bar-at-Law　　Lahore, 31.8.1934

[ترجمہ:

ڈاکٹر سر محمد اقبال　　میو روڈ

بار ایٹ لا　　لاہور، ۳۱/اگست ۱۹۳۴ء]

جناب من!

ضعف بصارت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ اس واسطے وہ اپنے دستخط سے آپ کو خط نہیں لکھ سکے۔ دیوانِ غالب کی ترسیل کے لیے آپ کے شکر گزار ہیں۔

والسلام

محمد شفیع ایم اے

اقبال نامہ حصہ اوّل میں (ص۲۹۸) لمعہ حیدرآبادی کے نام علامہ اقبال کا یہ آخری خط ہے۔ لمعہ حیدرآبادی کے نام علامہ کے ۲۹/خطوط میں سے یہ واحد خط ہے جس پر علامہ کے

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ؟؟ جلد نمبر ؟؟، جولائی ۱۹۹۰ء۔ جنوری ۱۹۹۱ء۔

دستخط نہیں ہیں۔ یہ خط علامہ نے میاں محمد شفیع (م۔ش) سے لکھوایا ہے بلکہ دستخط بھی انھیں نے کیے ہیں۔ اقبالیئین میں اس خط کی صداقت مسلم ہے۔ کسی نے اس پر شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا ہے۔

اس خط کے اصلی ہونے کا ایک اہم ثبوت یہ ہے کہ اصل خط لمعہ مرحوم کے ورثا سے دستیاب ہو چکا ہے اصل خط کے متن اور اقبال نامہ کے متن میں درج ذیل فرق ہے:

سطر	اصل خط کا متن	اقبال نامہ کا متن
۲	۳۱-۸-۱۹۳۷	۳۱/اگست ۱۹۳۷ء
۶	×	اور آپ سے ملاقات کی آرزو رکھتے ہیں

اس خط کی صداقت کا دوسرا اہم ثبوت یہ ہے کہ دیوانِ غالب کے جس نسخے کی ترسیل کا اس میں ذکر ہے وہ ایک عرصے تک علامہ اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کے پاس تھا لیکن اب وہ نیشنل میوزیم [قومی عجائب گھر] کراچی کی تحویل میں ہے۔ راقم الحروف کے حالیہ دورۂ پاکستان (مئی/جون ۸۹ء) کے وقت ایک ملاقات میں شیخ اعجاز احمد صاحب نے یہ بات بتائی اپنی کتاب مظلوم اقبال[1] میں بھی دیوانِ غالب کے میوزیم میں دینے کا ذکر ہے۔

صہبا لکھنوی (اڈیٹر ماہنامہ افکار، کراچی) کے ایک خط کے جواب میں شیخ اعجاز احمد نے لمعہ کے نام آخری مکتوبِ اقبال کی صداقت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں:

...آخری عمر میں آنکھوں میں موتیا اتر آنے کی وجہ سے (علامہ اقبال کو) ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ ان ایام میں خطوں کا جواب کسی اور سے لکھواتے۔ عام طور پر یہ کام مشہور صحافی "م۔ش" صاحب (جناب محمد شفیع صاحب ایم اے) کے سپرد تھا۔ بعض اوقات چچا جان کی ہدایت پر شفیع صاحب ہی جواب لکھ دیتے تھے۔ چنانچہ اقبال نامہ میں شایع ہونے والے خطوط بنام لمعہ صاحب کا آخری خط محررہ ۳۱/اگست ۱۹۳۷ء شفیع صاحب کی طرف سے ہے۔ اس میں دیوانِ

---

[1] [شیخ اعجاز احمد]، مظلوم اقبال، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۸۰۔

غالب کا ایک نسخہ چچا جان کی خدمت میں بھیجنے کا شکریہ ادا کیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ دیوانِ غالب کا ایک پاکٹ سائز نسخہ مطبوعہ آفتاب برلن... لمعہ صاحب کی طرف سے علامہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اس کی نہایت دیدہ زیب جلد بندی، دکن کی مشہور "محبوبیہ" بک بائنڈنگ فیکٹری [کارخانہ جلد سازی کتب] (جو اَب کراچی میں ہے) کی تیار کردہ ہے۔ لمعہ صاحب نے اس نسخہ پر حسب ذیل شعر تحریر کیا ہوا ہے:

اقبال تو سراپا اسرارِ ہے
افسوں ترا تکلم، تو شعر کا نبی ہے[1]

محمد عباس علی خاں لمعہ
۲۷؍اگست ۱۹۳۷ء

دیوانِ غالب کا یہ نسخہ علامہ اقبال نے اپنے بڑے بھائی یعنی میرے والد صاحب کو دے دیا تھا۔ چنانچہ والد صاحب کے دستخط اس پر موجود ہیں۔ والد صاحب سے دیوانِ غالب کا یہ نسخہ مجھے ملا اور اب میرے قبضے میں ہے۔[2]

اقبال نامہ میں لمعہ کے نام اقبال کے کسی مکتوب اور مذکورہ بالا آخری مکتوب کی صداقت پر ماہرین و محققین اقبالیات میں کامل اتفاق پایا جاتا ہے۔ اب تک کسی نے ان پر شک و شبہ نہیں کیا ہے لیکن اُردو کے ایک ناقد و محقق پروفیسر عبدالقوی دسنوی نے اپنے تئیں انھیں مشتبہ قرار دینے کی کوششیں کی ہیں۔ تاہم انھوں نے بحث کے دوران کئی اہم پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا ہے۔

کیا آپ یقین کریں گے کہ پروفیسر عبدالقوی دسنوی نے لمعہ کے نام آخری مکتوبِ اقبال پر بحث کرتے ہوئے صہبا لکھنوی کی کتاب اقبال اور بھوپال اور شیخ اعجاز احمد کی کتاب مظلوم اقبال

---

[1] لمعہ کے قلمی دیوان میں "شعر کا دھنی" درج ہے۔

[2] [صہبا لکھنوی]، اقبال اور بھوپال، [کراچی، اقبال اکادمی]، ص ۲۹-۲۸۔

کے مندرجہ بالا بیانات کو قطعی نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ ایک محقق کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے موضوع سے متعلق دستیاب مواد تک رسائی حاصل کر کے اس کا تنقیدی جائزہ لے۔

حیرت اس بات پر ہے کہ اتنی واضح شہادتوں کے باوجود جناب عبدالقوی دسنوی نے اس خط کی صداقت کو قبول نہیں کیا۔ ان کے اس رویے پر توقع کے خلاف ان کے ہمنوا ماسٹر اختر نے بھی سخت تعجب کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

> بڑے تعجب کی بات ہے کہ جناب عبدالقوی دسنوی صاحب نے ہماری زبان مؤرخہ ۸راپریل ۱۹۸۹ء میں اپنے مضمون "اقبال اور لمعہ حیدرآبادی" میں لمعہ کے نام کے صرف اسی خط کو جس کی صداقت مسلم ہے، جعلی ثابت کرنے کے لیے اپنا پورا زور صرف کیا ہے۔[1]

لمعہ کے نام آخری مکتوبِ اقبال کو مشتبہ اور جعلی ثابت کرنے کے لیے عبدالقوی دسنوی نے یہ دلیل دی ہے کہ مذکورہ خط ہی بخط اقبال نہیں ہے ورنہ اس خط کے ایک دن بعد ہی ۳ر ستمبر ۱۹۳۷ء کو خط بنام مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ، اقبال کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں ضعف بصارت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے بعد تقریباً پانچ درجن اقبال کے خطوط ملتے ہیں جو ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔[2]

اچانک ان کی نظر اقبال نامہ میں سر راس مسعود کے نام ایک خط پر جا پڑتی ہے تو لکھتے ہیں:

> البتہ ایک خط (لمعہ کے خط سے) تقریباً چار ماہ دس دن قبل کا یعنی، ۱۹راپریل ۱۹۳۷ء کا بنام سر راس مسعود ضرور ملتا ہے جس کے آخر میں اقبال نے لکھا یا ہے:
> میں نے یہ خط اپنے ایک دوست سے لکھوایا ہے، معاف رکھنا۔ آنکھ کا معاینہ کرایا ہے اور ڈاکٹر نے کہا ہے: دوسرے معاینے تک لکھنا پڑھنا بند۔[3]

اگر میں آپ سے یہ سوال کروں کہ جناب عبدالقوی دسنوی نے وہ کون سی ٹھوس، معقول اور مضبوط دلیل دی ہے جس کی بنیاد پر لمعہ کے نام آخری مکتوبِ اقبال کو جعلی یا مشتبہ

---

[1] اقبال کے کرم فرما، ص ۹۸۔

[2] "اقبال اور لمعہ حیدرآبادی"، ہماری زبان، دہلی، ۸راپریل ۱۹۸۹ء۔

[3] ایضاً۔

قرار دیا جاسکتا ہے؟ شاید آپ بھی اس کا جواب نہ دے پائیں۔ اگر دسنوی صاحب کا مذکورہ بیان آپ کی سمجھ میں آگیا تو ممکن ہے، آپ جواب دیں کہ لمعہ کے نام اقبال کا آخری مکتوب، اقبال کا تحریر کردہ نہیں ہے، محمد شفیع کا تحریر کردہ ہے لیکن یہ کوئی نئی دریافت نہ ہوئی۔ دراصل دسنوی صاحب اپنی بات واضح طور پر بیان نہیں کرسکے۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ خط اقبال کا نہیں، محمد شفیع کا ذاتی خط ہے، انھی کا لکھا ہوا اور دستخط کردہ ہے اس لیے اسے مکتوبِ اقبال نہیں کہا جاسکتا۔

دسنوی صاحب کا یہ بیان کہ لمعہ کے نام آخری مکتوبِ اقبال کے بعد تقریباً پانچ درجن یعنی ساٹھ خطوطِ اقبال ایسے ملتے ہیں کہ جو ان کے ہاتھ کے تحریر کردہ ہیں، محلِ نظر ہے۔ دسنوی صاحب کو ماسٹر اختر، زیرِ بحث خط کے حوالے سے پہلے ہی ہدفِ تنقید بنا چکے ہیں مگر یہاں وہ اُن سے بھی دو قدم آگے نکل جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

> اس حقیقت کو کیا کہیے کہ ۲۰/جون ۱۹۳۷ء سے ۱۸/اپریل ۱۹۳۸ء تک مختلف شخصیات کے نام اب تک دستیاب تقریباً ۱۰۰/خطوط میں صرف مکتوبِ بالا (بنام لمعہ) ہی بخط اقبال نہیں ہے۔ باقی تمام خطوط علامہ اقبال کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ اگر آپ اسے اتفاق کہیں گے تو پھر یہاں وہی سوال پیدا ہوگا کہ سارے اتفاقات بیچارے لمعہ صاحب کے ساتھ ہی کیوں پیش آتے رہے؟ اس کا جواب بھی بہت سیدھا سادہ ہے کہ اُس دورِ آلام میں بھی علامہ نے اہم شخصیات کو اپنے ہاتھ سے خط لکھنا نہ چھوڑا تھا۔ لمعہ کی شخصیت بھی علامہ کی نظر میں اہم ہوتی تو یہ خط بھی ضرور ان ہی کے ہاتھ کا تحریر کردہ ہوتا۔[1]

عبدالقوی دسنوی اور ماسٹر اختر دونوں کے بیانات گمراہ کن ہیں اور حقائق سے مطابقت نہیں رکھتے۔ تعجب ہے کہ اقبالیات پر گہری نظر رکھنے والے یہ دونوں عالم اس حقیقت سے کیسے بے خبر ہیں کہ آخری عمر میں مسلسل علالت اور ضعفِ بصارت کی وجہ سے علامہ اقبال نے خط لکھنا ترک کر دیا تھا۔ وہ دوسروں سے خط لکھوا کر دستخط کر دیتے تھے۔ اس اہم واقعہ کو اقبال کے تمام سوانح نگاروں اور نقادوں نے بیان کیا ہے۔

---

[1] اقبال کے کرم فرما، ص ۹۹۔

علامہ اقبال کے صاحبزادے ڈاکٹر جاوید اقبال فرماتے ہیں:

جنوری ۱۹۳۷ء کے اوائل میں... اقبال نے آنکھوں کا معاینہ کرایا اور چونکہ موتیا اترنے کے آثار تھے، اس لیے ڈاکٹر نے لکھنا پڑھنا بند کروادیا[۱] ...اقبال کی بصارت کی کمزوری کے سبب ان کے احباب یا عزیز و اقارب ہی انھیں روزانہ اخبار یا خطوط پڑھ کر سنایا کرتے اور انھی سے خطوط کے جوابات، اپنے اشعار یا دیگر نثری مضامین بھی لکھواتے تھے۔ میاں محمد شفیع اور سید نذیر نیازی کے سپرد یہی کام تھا لیکن ان کی عدم موجودگی میں بعض اوقات مسز ڈورس یا راقم بھی یہ خدمت انجام دینے کے لیے حاضر ہوتے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ جو کوئی پاس بیٹھا ہوتا اس سے پڑھوا، یا لکھوا لیتے۔[۲]

معروف اقبال شناس ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

۱۹۳۷ء میں آنکھوں میں موتیا بند اتر آیا۔ اس طویل اور مسلسل علالت نے علامہ مرحوم کے معمولات کو اتنا متاثر کیا کہ اس زمانے میں بالعموم خطوط بھی دوسروں سے املا کراتے۔[۳]

ایک اور جگہ انھوں نے لکھا ہے کہ:

آخری عمر میں بصارت کمزور ہو گئی تو دوسروں سے خط لکھوا کر خود دستخط کر دیتے۔ مکاتیب اقبال کے کاتبین میں منشی طاہر الدین، میاں محمد شفیع، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، سید نذیر نیازی اور جاوید اقبال وغیرہ شامل تھے۔[۴]

اقبال کے ایک قریبی دوست ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی فرماتے ہیں:

آخر عمر میں جب آپ کی بینائی جواب دے گئی تو معمول یہ ہو گیا کہ اپنے احباب اور نیاز مندوں سے خطوط سنتے تھے اور جواب بھی انھی کو املا کر دیتے تھے۔ مکتوب الیہ

---

۱ [جاوید اقبال]، زندہ رود، جلد ۳، [لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء] ص ۳۱۸۔

۲ ایضاً، ص ۳۳۵، ۳۳۴۔

۳ [رفیع الدین ہاشمی، مرتبہ]، خطوط اقبال، [لاہور، مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۶ء]، ص ۱۰۸ حاشیہ۔

۴ ایضاً، ص ۳۱۔

سے معذرت بھی کر دیتے تھے کہ چونکہ اپنے ہاتھ سے جواب لکھنے کے قابل نہیں رہ گیا، لہٰذا کسی دوست سے لکھوا کر بھیج رہا ہوں۔[1]

ان بیانات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آخری عمر میں (یعنی ۱۹۳۷ء۔ ۱۹۳۸ء) ضعف بصارت کی وجہ سے علامہ اقبال نے خط لکھنا ترک کر دیا تھا۔ وہ دوسروں سے لکھوا کر صرف دستخط کر دیتے۔ اس کا مطلب یہ کہ مارچ/اپریل ۳۷ء سے ۱۹/اپریل ۱۹۳۸ء تک کے مکاتیب اقبال، اقبال کے تحریر کردہ نہیں ہیں بلکہ دوسروں سے لکھوائے ہوئے ہیں۔

اس لیے ماسٹر اختر اور عبدالقوی دسنوی کا یہ بیان کہ ۲۰/جون/۳۱/اگست ۱۹۳۷ء کے بعد کے لکھے ہوئے تمام خطوط علامہ اقبال کے ہاتھ کے تحریر کردہ ہیں، درست نہیں ہے۔ مسلسل علالت اور ضعف بصارت کی وجہ سے انھوں نے اپنے قریبی دوستوں اور اہم شخصیتوں کو بھی اپنے ہاتھ سے خط لکھنا ترک کر دیا تھا۔ علامہ کے ایک قریبی دوست ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی فرماتے ہیں:

> خود راقم الحروف کو جو خط ۱۳/جون ۱۹۳۷ء کو پیرس کے پتے پر علامہ نے ارسال فرمایا تھا... اس کے آخری الفاظ یوں تھے: "یہ خط ایک دوست کے ہاتھ سے لکھوایا ہے کہ میں اب اپنے ہاتھ سے بہت کم لکھتا ہوں۔"[2]

اس ضمن میں ایک اور ناقابل تردید شہادت خود قائداعظم محمد علی جناح کے نام ایک خط محررہ ۲۰/مارچ ۱۹۳۷ء کے اختتامی جملے سے بھی مل جاتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

> مکرر آنکہ... معاف فرمایئے، میں نے یہ خط آشوبِ چشم کی وجہ سے ایک دوست سے لکھوایا ہے۔[3]

محمد شفیع (م۔ش) کے ہاتھ کا تحریر کردہ اور دستخط کردہ صرف لمعہ کے نام مذکورہ بالا خط ہی واحد خط نہیں ہے بلکہ اور بھی کئی خطوط انھوں نے اقبال کی طرف سے لکھ کر ان پر اپنے دستخط کیے ہیں۔ ۱۲/مئی ۱۹۳۷ء کو قاضی نذیر احمد کو جو خط لکھا گیا تھا، اس پر علامہ کے بجائے محمد شفیع کے دستخط ہیں۔ لکھتے ہیں:

---

[1] [محمد عبداللہ چغتائی]، اقبال کی صحبت میں، [لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء]، ص ۴۷۷، ۴۷۶۔

[2] ایضاً۔

[3] جہانگیر عالم (مرتبہ)، اقبال کے خطوط جناح کے نام، [لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۸۳ء]، ص ۳۶۔

جنابِ من!

ڈاکٹر صاحب کو آپ کا خط مل گیا ہے۔ وہ خود علیل ہیں اس واسطے آپ کے سوالات کا مندرجہ ذیل جواب لکھوایا ہے...[1]

حال ہی میں نامور محقق اور اقبال شناس ڈاکٹر اخلاق اثر نے یہ انکشاف کیا ہے کہ اقبال نامہ حصہ اول میں ممنون حسن خاں کے نام اقبال کے جو خطوط ہیں، وہ اقبال کے تحریر کردہ نہیں بلکہ محمد شفیع کے لکھے ہوئے ہیں:[2]

... تحقیقات و تاثرات کے مقدمے سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ ممنون صاحب... نے مجھے محمد شفیع کا مکتوب تلاش کرکے دیا جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ مکتوباتِ اقبال بنام ممنون کے وہی کاتب تھے جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اقبال نامہ میں ان مکاتیب کے عکس اس لیے شامل نہیں کیے گئے کہ وہ بخط اقبال نہیں تھے۔[3]

عبدالقوی دسنوی صاحب کا یہ بیان بھی حقائق پر مبنی نہیں ہے کہ لمعہ کے نام آخری مکتوبِ اقبال کے بعد مکاتیب اقبال میں ضعف بصارت کا ذکر نہیں ملتا ہے حالانکہ کئی خطوط میں ضعف بصارت کا ذکر موجود ہے۔

خواجہ غلام السیدین کے نام ۱۱ر ستمبر ۱۹۳۷ء کے خط میں علامہ تحریر کرتے ہیں:

میری صحت پہلے سے اچھی ہے مگر افسوس ہے کہ ضعف بصارت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا...[4]

پنڈت امر ناتھ ساحر دہلوی کے نام خط محررہ ۲۶ر ستمبر ۱۹۳۷ء میں لکھتے ہیں:

ضعف بصارت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے یہ خط اپنے لڑکے جاوید سے لکھوایا ہے۔ دیوان کے بہت سے اشعار ایک دوست نے پڑھ کر سنائے ہیں۔[1]

---

[1] [شیخ عطاء اللہ، مرتبہ]، اقبال نامہ، دوم، [لاہور، شیخ محمد اشرف]، ص ۲۳۸۔

[2] پروفیسر اکبر رحمانی کے مقالات کا مجموعہ جس کا مقدمہ ڈاکٹر اخلاق اثر نے تحریر کیا ہے۔

[3] مراسلہ بنام اکبر رحمانی اور ہماری زبان، دہلی ۱۵ر نومبر ۱۹۸۹ء۔

[4] [محمد عبداللہ قریشی]، روحِ مکاتیب اقبال، [لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۷۷ء]، ص ۶۶۰۔

عبد القوی دسنوی نے سر راس مسعود کے نام ۱۹ر اپریل ۱۹۳۷ء کا خط اس دعوے کے ساتھ پیش کیا کہ لمعہ کے نام آخری مکتوبِ اقبال سے چار ماہ دس دن پہلے ہی ایک خط ایسا ملتا ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

میں نے یہ خط ایک دوست سے لکھوایا ہے، معاف کر رکھنا، آنکھ کا معاینہ کرایا ہے اور ڈاکٹر نے کہا ہے دوسرے معاینے تک لکھنا پڑھنا بند۔

لیکن اس خط سے پہلے اور بعد میں بھی چند خطوط اس طرح کے ملتے ہیں:

۱۔ خط بنام محمد علی جناح مؤرخہ ۲۰ر مارچ ۱۹۳۷ء... اس خط کا پہلے ہی حوالہ دیا جاچکا ہے۔

۲۔ نور حسین کے نام خط محررہ ۱۷ر مارچ ۱۹۳۷ء میں علامہ تحریر کرتے ہیں: "میں خرابی صحت اور کمزوریِ بصارت کی وجہ سے خود خط نہیں لکھ سکتا۔"[۲]

۳۔ خط بنام قاضی نذیر احمد محررہ ۱۲ر مئی ۱۹۳۷ء۔ اس خط کا پہلے حوالہ دیا جاچکا ہے۔

۴۔ اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کے نام خط محررہ ۲۳ر اپریل ۱۹۳۷ء۔ اس خط کا حوالہ بھی پہلے دیا جاچکا ہے۔

۵۔ شولال شوری کے نام خط محررہ ۲ر مئی ۱۹۳۷ء میں علامہ تحریر کرتے ہیں:

مجھے نہایت ہی تاسف سے آپ کو اطلاع دینا پڑتی ہے کہ آپ کے مرسلہ کاغذات کا مطالعہ میرے لیے ناممکن ہے۔ میری آنکھوں کی تکلیف بڑھ رہی ہے اور میرے معالجین نے مجھے لکھنے پڑھنے کی قطعاً ممانعت کر دی ہے۔[۳]

۶۔ فضل کریم کے نام خط محررہ ۱۹۳۷ء میں علامہ لکھتے ہیں:

تین برس سے میں ایک معذور شخص کی سی زندگی گزار رہا ہوں اور حال ہی میں ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے بالکل منع کر دیا ہے...[۱]

---

۱ ایضاً، ص ۲۶۲۔

۲ [بشیر احمد ڈار، مرتبہ]، انوارِ اقبال، [کراچی، اقبال اکادمی، ۱۹۶۷ء]، ص ۲۱۵، بحوالہ اقبالیات، مارچ ۱۹۸۸ء۔

۳ [شیخ عطاء اللہ، مرتبہ]، اقبال نامہ، [لاہور، شیخ محمد اشرف]، جلد ۲، ص ۲۶۰۔

۷۔ خط بنام مولوی عبدالحق محررہ ۲۳؍اگست ۱۹۳۷ء میں علامہ لکھتے ہیں:

ضعف بصارت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے بالکل منع کر دیا۔[۲]

یہ تمام شواہد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مارچ؍اپریل ۱۹۳۷ء سے ۱۸؍اپریل ۱۹۳۸ء تک کے تمام خطوطِ اقبال، ضعف بصارت اور علالت کی وجہ سے اقبال کے ہاتھ کے تحریر کردہ نہیں ہیں، دوسروں سے لکھوائے گئے ہیں۔ اس لیے عبدالقوی دسنوی اور ماسٹر اختر کا یہ کہنا کہ صرف لمعہ ہی کے نام آخری مکتوبِ اقبال بخط اقبال نہیں ہے، باقی تمام خطوط ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، درست نہیں ہے اور تاریخی شواہد سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

دسنوی صاحب کے شک کی بنیاد اس نکتہ پر تھی کہ لمعہ کے نام آخری مکتوبِ اقبال پر علامہ کے دستخط نہیں ہیں اور اس کے بعد کئی خطوط پر علامہ کے دستخط ملتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط علامہ کا نہیں ہے۔ یہ محمد شفیع کا ذاتی خط ہے۔ پروفیسر صابر کلوروی جنھوں نے بڑی محنت سے اشاریہ مکاتیب اقبال مرتب کیا ہے، اسی طرح کے ایک خط کے بارے میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

خط پر علامہ کے دستخط نہ ہونے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خط علامہ کا نہیں ہے۔ مکاتیب اقبال کے ذخیرے میں متعدد خطوط ایسے ہیں جو علامہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ جب ہم انھیں اقبال کے خطوط تسلیم کرتے ہیں تو اس خط کے ضمن میں ہمارے انکار کا کیا جواز ہو سکتا ہے... ۱۹۳۷ء کے اوائل میں علامہ کی بیماری شدت اختیار کر چکی تھی اور ڈاکٹروں نے انھیں لکھنے پڑھنے سے سختی سے منع کر دیا تھا... علامہ موصول ہونے والے ہر خط کو پڑھوا کر اس کا جواب ارشاد کر دیا کرتے اور کاتب اپنی طرف سے علامہ کے دستخط کر دیتا تھا یا اپنا نام لکھ دیتا تھا...

---

۱ [رفیع الدین ہاشمی، مرتبہ]، خطوطِ اقبال، [لاہور، مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۶ء]، ص ۲۹۲۔ مرتب نے لکھا ہے کہ اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر پروفیسر اعجاز کا بیان ہے کہ جون، جولائی یا اگست ۱۹۳۷ء میں لکھا گیا۔

۲ [شیخ عطاء اللہ، مرتبہ]، اقبال نامہ، [لاہور، شیخ محمد اشرف]، جلد ۲، ص ۸۴۔

مارچ ۱۹۳۷ء اور اپریل ۱۹۳۸ء کے درمیانی تیرہ ماہ کے عرصے میں صرف ایک خط علامہ کے ہاتھ کا تحریر کردہ ہے۔ یہ خط ۲۰ رمئی[1] ۱۹۳۷ء کو لکھا گیا تھا...

> چنانچہ ان شواہد کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی خط کا علامہ کی تحریر میں نہ ہونا اور اس پر ان کے صحیح دستخط نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ خط علامہ اقبال کا نہیں ہے یا کسی نے ان سے غلط طور پر منسوب کردیا ہے۔[2]

اس خط کے مکتوبِ اقبال ہونے کا ایک اہم ثبوت یہ ہے کہ یہ علامہ اقبال کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے اور خط کے مضمون سے پتا چلتا ہے کہ اسے علامہ نے لکھوایا ہے۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ ضعف بصارت کی وجہ سے علامہ خود خط نہ لکھتے تھے، دوسروں سے لکھواتے تھے، ماسٹر اختر نے لمعہ کے خط سے اپنی "ذہنیت" کے مطابق یہ نکتہ پیدا کیا کہ:

> اس سے لمعہ کی علامہ سے قربت و محبت کے تمام دعووں کی تردید ہوتی ہے اور پتا چلتا ہے کہ علامہ کی نظر میں لمعہ کی کتنی عزت تھی اور کیا مقام تھا؟[3]

> لمعہ صاحب کی شخصیت علامہ کی نظر میں اہم ہوتی تو یہ خط بھی ضرور ان ہی کے ہاتھ کا تحریر کردہ ہوتا۔[4]

چلیے صاحب! ماسٹر اختر نے یہ فیصلہ سنادیا کہ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۸ء تک کے خطوط اگر اقبال کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں تو اس کی وجہ یہ کہ ان کے مکتوب الیہم علامہ کی نظر میں اہم نہیں تھے اور نہ عزت و وقعت کے لائق تھے۔ ان کے مکتوب الیہم میں سید راس مسعود، سید

---

[1] اشاریہ مکاتیبِ اقبال کے مطابق ۲۰ رمارچ ۱۹۳۷ء کو علامہ نے عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کو خط لکھا تھا۔ مرتب صابر کلوروی کا یہ بیان محل نظر ہے۔ انھوں نے اپنے بیان کی تائید میں کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ آیا انھوں نے لمعہ کے نام مذکورہ تاریخ کا اصل خط دیکھا یا اس کا عکس؟ جب تک یہ وضاحت نہ ہو ان کا یہ بیان قابل قبول نہیں۔

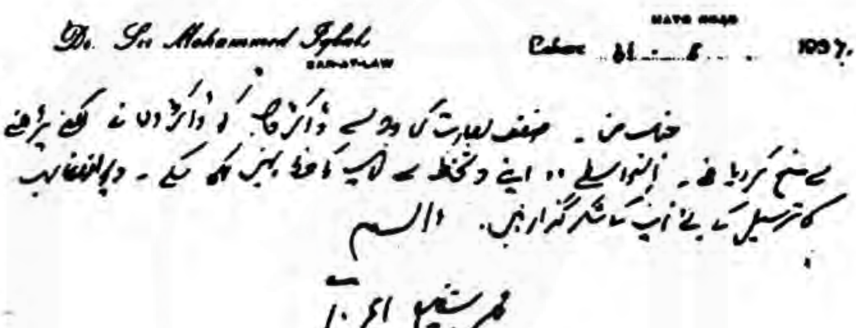
[2] "مکتوبِ اقبال بنام جناح"، اقبالیات، مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۱۳، ۱۴۔

[3] اقبال کے کرم فرما، ص ۹۹-۹۸۔

[4] ایضاً۔

نذیر نیازی، آل احمد سرور، قائد اعظم محمد علی جناح، مولوی عبدالحق، عبداللہ چغتائی، ممنون حسن خان، خواجہ غلام السیدین، شیخ اعجاز احمد اور کئی اور اہم شخصیتیں شامل ہیں تو کیا یہ سب ماسٹر اختر کے "فلسفے" کے مطابق علامہ کی نظر میں غیر اہم شخصیتیں ٹھہرتی ہیں؟

واللہ اعلم بالصواب



Dr. Sir Mohammad Iqbal
BAR-AT-LAW

MAYO ROAD
Lahore 21-6-1937.

جناب من۔ ضعف بصارت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ اس واسطے وہ اپنے دستخط سے آپ کا خط نہیں لکھ سکے۔ وہ الفاظ آپ کی ترسیل کے لئے آپ کا شکر گزار ہیں۔ والسلام

محمد شفیع ایم اے

اقبال کے دو غیر مدون خط*

ڈاکٹر معین الدین عقیل

اقبال کے نادر و غیر مطبوعہ مدون خطوط کی تلاش و تحقیق اور دستیابی ایک عرصہ سے اقبالیات کے متعدد نئے گوشے وا کر رہی ہے۔ پھر مکاتیب اقبال کی ترتیب و تدوین کی حالیہ کوششیں بھی عہد جدید کے تقاضوں کے مطابق اقبالیات کے معیار اور اس کے متعلقہ موضوعات کو ان کے بنیادی ماخذ ہونے کی حیثیت میں قابل استعمال بنانے کے لیے معاون ثابت ہوئی ہیں۔

ذیل میں اقبال کے دو غیر مدون خطوط کے اقتباس نقل کیے جارہے ہیں جو اقبال نے سجاد مرزا بیگ دہلوی کے نام تحریر کیے تھے۔ یہ خطوط اب مکمل طور پر تو دستیاب نہیں لیکن ان کا نفس مضمون چونکہ شایع ہوگیا تھا، اس لیے بس یہی دستیاب مطبوعہ متن اقبال کے گمشدہ آثار کی بازیافت کے طور پر اقبالیات کے ذیل میں ایک تبرک کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے متکوب الیہ محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے انجمن ترقی اردو کے زیر ہدایت مرتبہ اُردو مطبوعات کی اولین ضخیم فہرست الفہرست کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

محمد سجاد مرزا بیگ ۱۸۷۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اسلاف میں اہل سیف اور اہل قلم دونوں طرح کے بزرگ شامل تھے اور ۱۸۵۷ء کے بعد ان کے والد محمد مرزا بیگ نے انگریزی کی ملازمت اختیار کرلی تھی۔ والد کے انتقال کے بعد سجاد مرزا بیگ تلاشِ روزگار میں دہلی سے

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۳۳، جولائی ۱۹۹۳ء۔

حیدرآباد منتقل ہو گئے جہاں ۱۹۱۵ء میں "نظام کالج" میں اردو کے استاد کی حیثیت سے ان کا تقرر ہو گیا۔[۱]

اپنے اساتذہ کے زمرے میں سجاد مرزا بیگ نے حافظ اخوند محمد عمر[۲] اور نواب بشیر الدین احمد خاں[۳] کے نام تحریر کیے ہیں۔[۴] اور احباب میں متعدد اہم نام نظر آتے ہیں مثلاً مولوی سید احمد دہلوی (مرتب فرہنگ آصفیہ)[۵] اور مولانا محمد علی جوہر۔ علی برادران نے جب حرمت و حفاظت حرمین شریفین کے لیے "انجمن خدام کعبہ" قایم کی تو سجاد مرزا بیگ حیدرآباد میں اس کے قیام و فروغ کے لیے کوشاں ہوئے۔ ان کی تصنیف شمع راہ میں جو ان کے خطبات کا مجموعہ ہے، اولین خطبہ ان کے اسی تعلق اور جذبے کا مظہر ہے۔[۶] اداروں میں سے وہ "نظام کالج" کے علاوہ "جامعہ عثمانیہ" اور "انجمن ترقی اردو" کے رکن رہے۔[۷]

ان کی علمی و تصنیفی خدمات کے صلے میں نظام حیدرآباد نے ۱۹۱۸ء میں انھیں دو سو روپے ماہوار وظیفہ منظور کیا۔[۸] پھر اپنی تصانیف تسہیل البلاغت، الاستدلال اور الفہرست چونکہ انھوں نے نظام حیدرآباد کے نام معنون کی تھی، اس لیے نظام نے ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں

---

۱ سجاد مرزا بیگ، تسہیل البلاغت، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۹ھ، ص ۱۰۔

۲ مولانا فرید الدین شہید فرنگ کے فرزند ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء کو انتقال کیا۔ دہلی کی مقتدر ہستی سمجھے جاتے تھے۔ سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ ان کی ایک تصنیف الاستشفاع و التوسیل مشہور ہے۔ تفصیلات کے لیے امداد صابری دہلی کی یادگار ہستیاں، دہلی، ۱۹۷۲ء، ص ۳۳۵-۳۳۲۔

۳ دہلی میں ترابہ بہرام خان میں رہتے تھے۔ جنوری ۱۹۱۷ء تک حیات تھے۔ "انجمن خدام کعبہ" سے منسلک اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خاندانی ارادت مند تھے... نقوش (لاہور) خطوط نمبر، جلد دوم، ۱۹۶۸ء، ص ۲۱۰-۲۱۱۔

۴ سجاد مرزا بیگ شمع راہ (دہلی، ۱۹۳۶ء) ص ۶۳ جنھوں نے ان کے ایک خطبے پر، جو ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی تھا، اصلاح بھی دی تھی۔ مشمولہ، ایضاً، ص ۱۰۵-۶۱۔

۵ ایضاً، ص ۱۱۳-۱۰۹۔

۶ ایضاً، ۳۵-۱۴۔

۷ بحوالہ ایضاً، سرورق۔

۸ سجاد مرزا بیگ، کتاب مذکور، ص ۱۰۔

حیدرآباد منتقل ہو گئے جہاں ۱۹۱۵ء میں "نظام کالج" میں اردو کے استاد کی حیثیت سے ان کا تقرر ہو گیا۔[۱]

اپنے اساتذہ کے زمرے میں سجاد مرزا بیگ نے حافظ اخوند محمد عمر[۲] اور نواب بشیر الدین احمد خاں[۳] کے نام تحریر کیے ہیں۔[۴] اور احباب میں متعدد اہم نام نظر آتے ہیں مثلاً مولوی سید احمد دہلوی (مرتب فرہنگ آصفیہ)[۵] اور مولانا محمد علی جوہر۔ علی برادران نے جب حرمت و حفاظت حرمین شریفین کے لیے "انجمن خدام کعبہ" قایم کی تو سجاد مرزا بیگ حیدرآباد میں اس کے قیام و فروغ کے لیے کوشاں ہوئے۔ ان کی تصنیف شمع راہ میں جو ان کے خطبات کا مجموعہ ہے، اولین خطبہ ان کے اسی تعلق اور جذبے کا مظہر ہے۔[۶] اداروں میں سے وہ "نظام کالج" کے علاوہ "جامعہ عثمانیہ" اور "انجمن ترقی اردو" کے رکن رہے۔[۷]

ان کی علمی و تصنیفی خدمات کے صلے میں نظام حیدرآباد نے ۱۹۱۸ء میں انھیں دو سو روپے ماہوار وظیفہ منظور کیا۔[۸] پھر اپنی تصانیف تسہیل البلاغت، الاستدلال اور الفہرست چونکہ انھوں نے نظام حیدرآباد کے نام معنون کی تھی، اس لیے نظام نے ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں

---

۱ سجاد مرزا بیگ، تسہیل البلاغت، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۹ھ، ص ۱۰۔

۲ مولانا فرید الدین شہید فرنگ کے فرزند ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء کو انتقال کیا۔ دہلی کی مقتدر ہستی سمجھے جاتے تھے۔ سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ ان کی ایک تصنیف الاستشفاع و التوسل مشہور ہے۔ تفصیلات کے لیے امداد صابری دہلی کی یادگار ہستیاں، دہلی، ۱۹۷۲ء، ص ۳۳۵۔۳۳۲۔

۳ دہلی میں ترابہ بہرام خان میں رہتے تھے۔ جنوری ۱۹۱۷ء تک حیات تھے۔ "انجمن خدام کعبہ" سے منسلک اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خاندانی ارادت مند تھے... نقوش (لاہور) خطوط نمبر، جلد دوم، ۱۹۶۸ء، ص ۲۱۰-۲۱۱۔

۴ سجاد مرزا بیگ شمع راہ (دہلی، ۱۹۳۶ء) ص ۶۳ جنھوں نے ان کے ایک خطبے پر، جو ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی تھا، اصلاح بھی دی تھی۔ مشمولہ، ایضاً، ص ۱۰۵۔۶۱۔

۵ ایضاً، ص ۱۱۳۔۱۰۹۔

۶ ایضاً، ۳۵۔۱۴۔

۷ بحوالہ ایضاً، سرورق۔

۸ سجاد مرزا بیگ، کتاب مذکور، ص ۱۰۔

انتساب کی اجازت دیتے ہوئے ان کی کتابوں کی اشاعت کی مد میں ڈھائی ہزار روپے انھیں عنایت کیے اور مزید پانچ سال تک دو سو روپے ماہانہ وظیفہ ان کے نام جاری کر دیا۔ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں اس وظیفے کو اضافے کے ساتھ تاحیات کر دیا گیا۔[1] ان اعزازات اور اپنی علمی و ادبی خدمات کے صلے میں اکابر کی ستایش کے علاوہ سجاد مرزا بیگ حیدرآباد میں ہجو اور تنقید کا نشانہ بھی بنے۔ صدق جائسی[2] نے اپنی خودنوشت یادداشتوں دربار دربار میں ان پر تحریر کردہ اپنی ایک منظوم ہجو نقل کی ہے اور اس کا پس منظر بھی بیان کیا ہے۔[3]

ان کی کئی تصانیف اپنے موضوعات پر اردو میں نصابی کتب کی عدم موجودگی یا کمیابی کے سبب چونکہ طلبہ کی نصابی ضرورتوں کی تکمیل بھی کرتی تھیں، اس لیے نصاب میں بھی شامل کی گئیں۔ مثلاً حکمت عملی ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۶ء میں انٹرمیڈیٹ [بارہویں جماعت] کے نصاب کے لیے منظور کی گئی۔[4] ان کی تصانیف میں الفہرست، تسہیل البلاغت، الاستدلال، شمع راہ اور حکمت عملی کے علاوہ تمنائے دید، الانسان اور شمع ہدایت کے نام بھی ہیں۔ ان تصانیف کی صراحت موضوعات کے لحاظ سے درج ذیل ہے:

۱۔ تمنائے دید

اس میں قصے کے پیرائے میں زندگی کے نشیب و اور اخلاق و معاشرت کے مسائل پیش کیے گئے ہیں۔ اسے مخزن ادب (دہلی) نے شایع کیا تھا۔ ان کے فرزند صفوۃ اللہ بیگ صوفی نے اپنی مرتبہ مفصل فہرست تصانیف پروفیسر سجاد مرزا بیگ میں سے پروفیسر صاحب کے اوائل عمر کی تصنیف بتایا ہے۔[5]

---

[1] سید منظر علی، حیدرآباد کی علمی فیاضیاں، حیدرآباد، ۱۳۵۵ھ، ص ۱۳۹۔

[2] سید تصدق حسین نام صدق تخلص۔ جائس میں پیدا ہوئے اور جوانی میں حیدرآباد چلے آئے۔ تعلیمات سے منسلک تھے۔ ۱۹۶۸ء میں انتقال کیا۔ شعر خوب کہتے تھے اور اسی وصف کی بناپر شہزادہ معظم جاہ بہادر کے دربار سے وابستہ ہوئے جہاں فانی اور جوش وغیرہ سے قرب رہا۔ ان کی خودنوشت دربار دربار مذکورہ دربار سے ان کی وابستگی اور اس کے مختلف دلچسپ واقعات کو پیش کرتی ہے۔ یہ تصنیف حیدرآباد دکن سے ۱۹۶۱ء میں اور کراچی سے ۱۹۷۹ء میں شایع ہوئی۔

[3] ایضاً، ص ۱۹۹ سے ۲۰۹۔

[4] سید منظر علی، حیدرآباد کی علمی فیاضیاں، [حیدرآباد، ۱۳۵۵ھ]، ص ۱۴۱۔

[5] ایضاً، ص ۴۹۔

۲۔ حکمت عملی

پہلی مرتبہ "قاسم پریس" حیدر آباد دکن سے ۱۹۰۶ء میں شایع ہوئی تھی۔ یہ فلسفہ عمل، قومی ترقی اور حصولِ عزت کے موضوعات پر مبنی اور ایک مقدمے اور تین مقالات پر مشتمل ہے۔

۳۔ الانسان

یہ علم اخلاق، مذہب، معاشرت و تمدن کے فلسفے اور انسان کے قوائے جسمانی و نفسانی اور خصوصیات و مزاج کے موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ "مکتبہ اختر دکن" حیدر آباد سے ۱۹۰۱۱ء میں شایع ہوئی۔

۴۔ الاستدلال

یہ علم منطق پر ہے اور اس کے مسائل و مباحث کو سلیس زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ اسے "نظام دکن پریس" حیدر آباد نے ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء میں شایع کیا۔

۵۔ الفہرست

مولوی عبدالحق کی فرمایش پر انجمن ترقی اردو کے ایک منصوبے کے تحت یہ ایک ضخیم کتابیات مرتب کی گئی تھی جو مختلف موضوعات اور علوم و فنون پر اردو میں شایع ہونے والی مطبوعات کی فہرست ہے۔ یہ "نظام دکن پریس" حیدر آباد ۱۹۲۳ء شایع ہوئی۔

۶۔ تسہیل البلاغت

حیدر آباد دکن سے ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء میں شایع ہوئی۔ یہ دراصل "نظام کالج" میں دورانِ تدریس علم البلاغت کی تحصیل میں مدد دینے کے لیے دیے جانے والے خطبات کا مجموعہ ہے جو علم معانی، بیان، بدیع اور بلاغت کے تقریباً تمام اہم موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔

۷- شمع راہ

مختلف مجالس میں مختلف موضوعات پر دیے جانے والے خطبات کا مجموعہ ہے جسے ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند صفوۃ اللہ بیگ صوفی نے دفتر کتابت سجاد منزل دہلی سے ۱۹۳۶ء میں شایع کیا تھا۔[1]

سجاد مرزا بیگ نے ۲؍فروری ۱۹۲۷ء کو بعارضہ فالج حیدرآباد میں انتقال کیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند صفوۃ اللہ بیگ صوفی نے مفصل فہرست تصانیف پروفیسر سجاد مرزا بیگ شایع کرتے ہوئے[2] اس کے آخر میں اپنے والد کے مکاتیب اور مضامین بھی شایع کرنے کا اعلان کیا تھا، لیکن راقم کو ان کی اشاعت کا علم نہیں۔ یہ مفصل فہرست تصانیف... جو وضاحتی ہونے کے سبب ۲۰×۳۰%۱۶ سائز کے ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں جہاں تصانیف کے موضوعات اور مطالب کا مفصل اندراج ہے، وہیں آغاز میں ان کی تصانیف حکمت عملی، الانسان، تسہیل البلاغت پر اس وقت کے اکابر علم و ادب کی آرا بطور تقاریظ جمع کی گئی ہیں۔ ان اکابر کے نام یہ ہیں: شبلی، حالی، مولوی ذکاء اللہ، علامہ اقبال، عزیز مرزا، ہمایوں مرزا، کپتان ناب ممتاز یار الدولہ بہادر، مولوی محمد محسن فاروقی، ڈاکٹر سید سراج الحسن، عماد الملک سید حسین بلگرامی، پروفیسر محمد نعیم الرحمٰن، مولوی سید احمد دہلوی اور ڈاکٹر محمد بذل الرحمٰن۔

ان اکابر میں سے بالخصوص شبلی، حالی اور اقبال کی غیر مدون تحریریں ان کی مختلف النوع نگارشات کے مجموعوں یا دیگر صورتوں میں منظر عام پر آتی رہی ہیں۔ شبلی نے حکمت عملی کے بارے میں جو رائے دی ہے۔[3] وہ ان کے پاس اس طرح کے کسی مجموعے میں شامل نہیں۔ اور اسی طرح اقبال نے حکمت عملی اور الانسان کے بارے میں مصنف کو جو خط لکھے تھے، وہ بھی ان کے ایسے کسی مجموعے میں موجود نہیں۔ اقبال نے اپنی یہ آرا سجاد مرزا بیگ کے

---

[1] مصنفین اردو (مطبوعہ: دہلی، ۱۹۳۹ء) کے مرتب سید زوار حسین نے ان کی ایک کتاب شمع ہدایت کا حوالہ دیا ہے لیکن اس کا ذکر اور تفصیلات کہیں اور دستیاب نہیں۔

[2] مطبوعہ: سجاد منزل، دہلی۔ سنہ اشاعت موجود نہیں۔

[3] ایضاً، ص ۵۔

نام دو مختلف خطوط میں دی ہوں گی۔ ان خطوط کے تحریر جانے کی تحریروں کا اندازہ نہیں ہوتا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خطوط متعلقہ کتابوں کی اشاعت علی الترتیب ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۷ء میں سجاد مرزا بیگ کے انتقال تک، کسی وقت لکھے گئے۔

اقبال کے ان خطوط کے اقتباسات جو مذکورہ "فہرست..." میں اسی طرح درج ہیں، ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ حکمت عملی

میں نے آپ کی تصنیف حکمت عملی کو شروع سے آخر تک پڑھا، نہایت عمدہ اور دلچسپ کتاب ہے۔ خصوصاً عورتوں کی تعلیم کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا، نہایت مناسب اور اسلامی اصول تمدن کے عین مطابق ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ شاید اردو زبان میں اس قسم کی ایسی عمدہ اور حکمت آموز کتاب شاید کوئی نہ ہو گی۔[1]

۲۔ الانسان

میں نے آپ کی کتاب الانسان کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ میں اس کتاب کو اردو زبان کے علمی لٹریچر میں ایک نہایت قابل قدر اضافہ سمجھتا ہوں۔ اس سے پہلے حکمت عملی لکھ کر آپ نے اردو خواں لوگوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ الانسان علمی اعتبار سے بہت زیادہ وقعت رکھتی ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ علمی حلقوں میں اس کتاب کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ اردو زبان میں اس مضمون پر شاید کوئی کتاب موجود نہیں، اس اعتبار سے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ آپ نے اس میدان میں سب سے پہلے قدم رکھا۔ اصطلاحات جو آپ نے وضع کی ہیں، نہایت عمدہ ہیں۔ طرزِ تحریر دلکش ہے اور دقیق مسائل کو سلیس اور عام فہم زبان میں بیان کرنے کی قوت جو قدرت نے آپ کو عطا کی ہے، قابل داد ہے۔ کاش اردو خواں لوگوں میں علمی مذاق پیدا ہو اور بہت سے ایسے مصنفین پیدا ہوں جن کے دماغی مسائل (مساعی؟) سے اردو زبان کا علمی لٹریچر ایسا ہی وسیع ہو جائے جیسے دنیا کی دیگر مہذب زبانوں کا ہے۔[2]

---

[1] ایضاً، ص ۹۔
[2] ایضاً، ص ۱۵۔

مکاتیب اقبال کی سات تاریخوں کا مسئلہ*

ڈاکٹر صابر کلوروی

ادھر چند برسوں سے مکاتیب اقبال سے دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے۔ تحقیقی اُمور میں ان خطوط سے استفادے کے رجحان میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ مکاتیب کے مطالعے میں سب سے زیادہ لائق توجہ امر خطوط کی تاریخ ہوتا ہے۔ اگر کسی خط کی تاریخ غلط درج ہو گئی ہو تو اس سے تحقیقی نتائج کے استنباط میں غلطی کا خدشہ رہتا ہے۔ مکاتیب اقبال کی تاریخیں درج کرتے وقت بعض مرتبین نے مطلوبہ ژرف نگاہی کا ثبوت فراہم نہیں کیا۔ ان تاریخوں کے ضمن میں مشکل یہ ہے کہ اقبال کی تحریروں میں بعض اعداد واضح طور پر نہیں پڑھے جاتے۔ پانچ اور صفر میں تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔ ایک اور دو کا عدد بھی بعض اوقات الجھن پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح دو اور تین کے عدد کی لکھاوٹ بھی کبھی کبھی مسئلہ بن جاتی ہے۔ اس کی تازہ مثال مکاتیب اقبال کا ایک نیا مجموعہ اقبال... جہان دیگر ہے۔ اس مجموعے میں اقبال کے چوالیس (۴۴) مکاتیب پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے مرتب محمد فرید الحق ہیں جو اقبال کی تحریروں کے ماہر نہیں ہیں... یہی وجہ ہے کہ متن کے پڑھنے میں ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں۔

سیاسی حوالے سے اقبال کے یہ خطوط بے حد اہمیت کے حامل ہیں لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان خطوط کی تاریخوں کی درستی کی جائے تاکہ محققین نتائج کے استنباط میں کسی قسم کی لغزش سے محفوظ رہیں۔ زیر نظر مجموعے میں مراتب نے چوالیس (۴۴) خطوط پیش کیے ہیں لیکن ان میں سے ایک خط نمبر ۳۶ محررہ ۸/اپریل ۱۹۳۳ء انگریزی خط نہیں ہے بلکہ یہ اسی

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۲ جلد نمبر ۳۵، جولائی ۱۹۹۴ء۔

تاریخ کو لکھے گئے اردو خط کے ساتھ منسلک ایک سرٹیفکیٹ [تصدیق نامہ] ہے۔ اس لحاظ سے اس مجموعے میں تینتالیس خطوط ہیں۔ ان خطوط کے علاوہ زیر نظر مجموعے میں علامہ اقبال کا ارسال کردہ ایک ٹیلی گرام [تار] بھی شامل کیا گیا ہے جو مارچ (؟) میں بھیجا گیا تھا۔ راقم الحروف کے نزدیک ٹیلی گرام کو مختصر خط کہا جا سکتا ہے۔

اس مجموعے میں شامل خطوط کی اہمیت کا تذکرہ کسی اور موقع کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں، سردست ہمیں ان خطوط کی تاریخوں سے سروکار ہے۔ اس مجموعے میں درج ذیل سات خطوط کی تاریخیں یا تو سرے سے موجود ہی نہیں، اور اگر ہیں تو مشکوک، بلکہ غلط ہیں:

۱۔ خط نمبر ۳	محررہ	۶ر فروری ۱۹۳۰ء	ص ۳۱
۲۔ خط نمبر ۴	رر	۱۲ر فروری ۱۹۳۰ء	ص ۳۳
۳۔ خط نمبر ۵	رر	۶ر جولائی ۱۹۳۰ء	ص ۳۵
۴۔ خط نمبر ۱۷	رر	۸ر دسمبر ۱۹۳۳ء	ص ۶۲، ۶۳
۵۔ خط نمبر ۳۴	رر	۱۲ر جون (؟)	ص ۱۰۲
۶۔ خط نمبر ۳۵	رر	بلا تاریخ	ص ۱۰۵
۷۔ ٹیلی گرام	رر	بلا تاریخ	ص ۱۲۸

خط نمبر ۳، ۵، ۴

ان تینوں خطوط کا سنہ اصل میں ۱۹۳۵ء ہے جسے مرتب صحیح نہ پڑھ سکے اور ان خطوط کو ۱۹۳۰ء شمار کیا۔ علامہ پانچ (۵) کا عدد اسی طرح لکھتے تھے۔ ان کا صفر محض نقطے کی صورت میں ہوتا تھا۔ لہٰذا ان خطوط کو ۱۹۳۵ء میں شمار کرنا چاہیے۔

ان خطوط کے ۱۹۳۵ء کا ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اقبال اسی سال گلے کے علاج کے لیے بھوپال گئے تھے اور وہاں ماورا بنفشی شعاعوں (الٹراوائلٹ ریز) سے معالجہ شروع ہوا تھا۔ اس ضمن میں دیگر تفصیلات اقبال کے درج ذیل خطوط میں موجود ہیں:

۱۔ خط محررہ ۹ر فروری ۱۹۳۵ء (بھوپال) بنام نذیر نیازی، مکتوباتِ اقبال، ص ۲۵۶۔

۲۔ خط محررہ ۱۱ر فروری ۱۹۳۵ء (بھوپال) بنام نذیر نیازی، مکتوباتِ اقبال، ص ۲۵۸۔

۳۔ خط محررہ ۱۱ر جولائی ۱۹۳۵ء (بھوپال) بنام نذیر نیازی، مکتوباتِ اقبال، ص ۲۷۹۔

ان خطوط کے مندرجات کا اقبال۔ . . جہاں دیگر کے زیر تبصرہ خطوط کے مندرجات سے تقابل کیا جائے تو ۱۹۳۵ء کے سنہ کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ برنی صاحب کے مجموعہ کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم میں بھی یہ خطوط ۱۹۳۰ء ہی کے تحت درج کیے گئے ہیں۔

خط نمبر ۱۷ محررہ ۸/دسمبر ۱۹۳۳ء

یہ خط دراصل ۸/نومبر ۱۹۳۳ء کو لکھا تھا۔ خط کی آخری سطر قابل غور ہے۔ '۸' کے ہندسے کے بعد جو لفظ درج ہے، وہ دسمبر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کی ابتدا میں 'نو' کا ٹکڑا واضح طور پر نظر آرہا ہے۔ سنہ بظاہر لگتا ہے، لیکن یہ متعین طور پر ۱۹۳۳ء ہی ہے کیونکہ اسی سال اقبال کو لندن میں رہوڈز لیکچرز [خطبات] کی دعوت موصول ہوئی تھی۔

۸/نومبر کے حق میں ہمارے پاس سب سے قوی دلیل اقبال کا وہ خط ہے جو ۸/نومبر ۱۹۳۳ء کو نیازی صاحب کے نام لکھا گیا اور اب ان کے مکتوبات کے مجموعے میں ص ۱۱۹ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ دونوں خطوط کے تقابلی مطالعے سے حیرت انگیز مماثلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک ہی تاریخ میں لکھے گئے خطوط میں اقبال کے ہاں یہ مماثلت عام طور پر دیکھی گئی ہے۔ ان دونوں خطوط کی عبارت بھی قریب قریب یکساں ہے لہٰذا یہ کہنا درست ہوگا کہ اس خط کی صحیح تاریخ ۸/نومبر ۱۹۳۳ء ہی ہے۔

خط نمبر ۴۳ صفحہ ۱۰۲

اس خط پر مہینہ اور تاریخ (۱۲/جون) درج ہے لیکن سنہ موجود نہیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ خط ۱۹۳۷ء میں لکھا گیا۔ اس دعوے کے ثبوت میں ہماری دلیل یہ ہے کہ جس مضمون کا ذکر اقبال نے اپنے خط میں کیا ہے وہ درانی صاحب نے "مسلم انڈیا سوسائٹی" [مجلس مسلم ہند] کے نام سے رسالہ ٹروتھ کی اشاعت ۴/مئی ۱۹۳۷ء میں شایع کیا تھا۔ ۷/مئی ۱۹۳۷ء کو اخبار انقلاب میں اقبال کا ایک تردیدی بیان شایع ہوا تھا۔ خط میں اس تردیدی بیان کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ یہ بیان گفتارِ اقبال صفحہ ۲۰۸ پر بھی دیکھا جا سکتا ہے لہٰذا یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اقبال نے یہ خط ۱۲/جون ۱۹۳۷ء ہی کو تحریر کیا تھا۔

ٹیلی گرام، صفحہ ۱۲۸

ٹیلی گرام کی مہر کے مطابق (ص ۱۲۸) یہ ۱۱ر مارچ ۱۹۳۵ء کو دہلی میں تقسیم ہوا۔ اقبال، مارچ کے اوائل میں بھوپال میں تھے۔ ۱۱ر مارچ ہی کو وہ لاہور پہنچے اور اسی روز راغب احسن کو لاہور بلوایا۔ اس ٹیلی گرام کو بھی خط ہی شمار کرنا چاہیے۔

خط نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰۵

اقبال کے اس خط کا زمانہ تحریر متعین کرنے کے لیے ہمیں خاصی کاوش کرنی پڑی۔ زیر تبصرہ خط میں دو اشارے اصل تاریخ کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں:

(ا) مسلم کانگرس (کانفرنس) کی ورکنگ کمیٹی ۲۵ر مارچ کو ہونے والی ہے۔

(ب) مشترکہ اجلاس کے میں بھی خلاف تھا مگر اور لوگ چاہتے ہیں کہ اجلاس ہو۔

(ج) میں ۲۴ کی شام کو دہلی جاؤں گا اور وہاں دو تین روز قیام کروں گا۔[1]

مسلم کانفرنس کا یہ اجلاس ۲۵، ۲۶ر مارچ ۱۹۳۳ء کو ہوا۔ اس اجلاس میں حکومت انگلستان کے جاری کردہ وائٹ پیپر [قرطاس ابیض] پر بھی غور ہوا اور اس کا جواب تیار کرنے کے لیے کمیٹی بنائی گئی۔ اس کمیٹی میں اقبال بحیثیت صدر کانفرنس شریک ہوئے۔ ۲۶ر مارچ کو کانفرنس کے ایگزیکٹو بورڈ [انتظامی مجلس] کا اجلاس علامہ اقبال کی صدارت میں ویسٹرن ہوٹل دہلی میں ہوا جس میں وائٹ پیپر کے متعلق قرارداد منظور ہوئی۔[2]

مشترکہ اجلاس کا اشارہ مسلم کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی طرف ہے۔ دونوں تنظیموں کے اجلاس ۵ر مارچ ۱۹۳۳ء کو دہلی میں ہونے طے پائے تھے۔ مسلم رہنماؤں کا خیال تھا کہ دونوں تنظیموں کو ایک تنظیم میں ضم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ۵ر مارچ ۱۹۳۳ء کو ویسٹرن ہوٹل دہلی میں مسلم کانفرنس کے ایگزیکٹو بورڈ کا اجلاس منعقد ہوا جس سے

---

[1] [محمد فرید الحق]، اقبال۔۔۔ جہان دیگر، ص ۱۰۵۔

[2] محمد حمزہ فاروقی، اقبال کا سیاسی سفر، [لاہور، بزم اقبال، ۱۹۹۲ء]، ص ۴۸۳-۴۸۲۔

شفیع داؤدی سمیت ۵۰/ارکان نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں سر محمد یعقوب اور مولوی شفیع داؤدی نے الحاق [یکجا] کی تحریک کو منظور کرلیا۔ لیکن جب ۱۳/مارچ ۱۹۳۳ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس بیرسٹر میاں عبدالعزیز (پشاور) کی صدارت میں ہوا تو الحاق کی قرارداد یہ کہہ کر واپس لے لی گئی کہ مسلم لیگ کونسل اس قرارداد پر غور کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔[۲] ان اجلاسوں میں شرکت کے لیے اقبال ۳/مارچ کی صبح کو فرنٹیئر میل سے دہلی پہنچے۔ وہ ۱۶/مارچ ۱۹۳۳ء کو بہرحال دہلی سے لاہور پہنچ گئے تھے۔[۳] ۶/مارچ اور ۱۳/مارچ ۱۹۳۳ء کے درمیان اقبال دہلی میں تھے یا لاہور میں، اس کا کوئی واضح ثبوت ابھی تک نہیں مل سکا۔

اس خط کا مہینہ اور سال تو متعین ہوگیا۔ صحیح تاریخ متعین کرنے سے پہلے ایک الجھن کو رفع کرنا ضروری ہے۔ ہم نے اس خط کو ابتدا میں جو تیسری دلیل قائم کی تھی، اس کے مطابق اقبال کو ۲۴/مارچ کی صبح کو دہلی پہنچنا تھا جب کہ مس فارقوہرسن کے نام خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۶/مارچ کی صبح کو لاہور پہنچ گئے تھے۔ اس سے بظاہر ۱۶/مارچ کی تاریخ بھی مشکوک ہو جاتی ہے، ممکن ہے یہ تاریخ ۲۶/مارچ ہو۔

اس الجھن کے ضمن میں کسی حتمی نتیجے تک پہنچنے کے لیے وہ خط بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے جو اقبال نے شیخ محمد اکرام کو ۲۷/مارچ ۱۹۳۳ء کو لکھا۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال ۲۷/مارچ کی صبح کو دہلی سے لاہور پہنچے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لاہور پہنچنے کی تاریخ ۱۶/مارچ درست ہے یا ۲۷/مارچ؟ ہمارے خیال میں یہ دونوں تاریخیں درست ہیں۔ اقبال نے اس ماہ کم از کم دو بار دہلی کا سفر کیا تھا۔ ۳/مارچ ۱۹۳۳ء کو، اور دوسری دفعہ ۸/مارچ ۱۹۳۳ء تا ۲۶/مارچ ۱۹۳۳ء دہلی میں قیام کیا۔

---

۱ انقلاب، ۲۸/مارچ ۱۹۳۳ء بحوالہ [محمد احمد خان] اقبال کا سیاسی سفر، [لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۷۷ء]، ص ۴۸۰۔

۲ ایضاً، ۱۵/مارچ ۱۹۳۳ء، ایضاً، ص ۴۸۰۔

۳ ملاحظہ کیجیے اقبال کا خط بنام مس فارقوہرسن محررہ ۱۶/مارچ ۱۹۳۳ء [شیخ عطاء اللہ، مرتبہ] اقبال نامہ، [لاہور، شیخ محمد اشرف]، حصہ دوم، ص ۲۸۸۔

مارچ کے مہینے کے دوسرے سفر کے بارے میں تفصیلات سید نذیر نیازی نے اپنی کتاب مکتوباتِ اقبال کے صفحہ ۹۵ تا ۹۷ میں دی ہیں۔ ان کے مطابق وہ جامعہ ملیہ دہلی میں رؤف بے کے خطبات کے ضمن میں اقبال کو صدارت کے لیے آمادہ کرنے کی غرض سے ۱۷ر مارچ ۱۹۳۳ء کو لاہور پہنچے اور اسی روز شام کو حضرت علامہ ان کے ہمراہ دہلی روانہ ہوئے اور رؤف بے کے خطبات کے ضمن میں دو جلسوں کی صدارت کی۔ گویا اقبال ان دو سفروں کے درمیان صرف ۱۶ اور ۱۷ر مارچ کو لاہور میں مقیم رہے۔

زیرِ بحث خط کے ضمن میں مہینہ اور سال تو طے ہو گیا یعنی مارچ ۱۹۳۳ء، اب ہم خط کی تاریخ پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

اس خط کے بارے میں یہ طے شدہ امر ہے کہ صحیح تاریخ کے متعلق پورے یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں، اگر خط کا لفافہ کہیں سے دستیاب ہو جائے تو ممکن ہے اصل تاریخ معلوم ہو سکے۔ اس ضمن میں ہماری تحقیق یہ ہے:

یہ خط چونکہ مارچ ۱۹۳۳ء میں لکھا گیا ہے اور اس کے آخری اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال، لاہور سے یہ خط لکھ رہے ہیں، لیکن وہ ۳ر مارچ سے ۶ر مارچ تک لاہور میں موجود نہیں تھے بلکہ دہلی میں تھے۔ لاہور میں ان کی موجودگی کا دوسرا ثبوت ۱۶ اور ۱۷ر مارچ ۱۹۳۳ء کو ملتا ہے لہٰذا ہمارا قیاس یہ ہے کہ یہ خط ۱۶ یا ۱۷ر مارچ ۱۹۳۳ء کو لاہور سے لکھا گیا۔ اس قیاس کو مزید تقویت خط میں مندرج اس فقرے سے بھی ہوتی ہے۔ "مشترکہ اجلاس کے میں بھی خلاف تھا مگر اور لوگ چاہتے ہیں کہ اجلاس ہو۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط اس اجلاس کے بعد لکھا گیا جو دونوں پارٹیوں کو ایک دوسرے میں ضم کرنے کے ضمن میں ۵ر مارچ ۱۹۳۳ء کو ہونا تھا۔

اب ہم ۱۶ر مارچ یا ۱۷ر مارچ ۱۹۳۳ء کی تاریخوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اس خط میں اقبال دہلی جانے کی ممکنہ تاریخ ۲۴ر مارچ ۱۹۳۳ء بتاتے ہیں۔ یہ خط جب لکھا گیا، اس وقت تک اقبال کو معلوم نہ تھا کہ انھیں رؤف بے کے خطبات کی صدارت کے لیے ۱۷ر مارچ کی شام کو دوبارہ دہلی کے لیے عازمِ سفر ہونا پڑے گا۔ اقبال کو توقع تھی کہ وہ جامعہ ملیہ کو اس امر پر قائل کر لیں گے کہ ان کی صدارت ۲۴ یا ۲۵ کو رکھی جائے تاکہ وہ ایک

طرف تو رؤف بے کے خطبات کی صدارت کر سکیں، اور دوسری طرف مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں بھی شریک ہو سکیں۔ لیکن چونکہ رؤف بے کے لیکچرز کے ضمن میں تاریخ کا تعین پہلے ہو چکا تھا اور دعوت نامے بھی تقسیم ہو چکے تھے، اس لیے سید نذیر نیازی کو لاہور بھیجا گیا تاکہ وہ اقبال کو اس تاریخ کے لیے قائل کر سکیں۔ سید نذیر نیازی ۱۷/۱۰ مارچ کی صبح کو لاہور پہنچ گئے تھے، اور اقبال شام کو دہلی چلنے پر آمادہ ہو چکے تھے۔ اس دلیل کی بنا پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ خط کم از کم ۱۷ مارچ کو نہیں لکھا گیا ہوگا ورنہ اقبال خط میں اپنے نئے پروگرام کا ضرور ذکر کرتے۔ اب ہمارے لیے یہ یقین کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اقبال نے یہ خط ۱۶ مارچ ۱۹۳۳ء کو دہلی سے واپس آنے کے بعد لکھا۔ ہمارے اس قیاس کو تقویت اقبال کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے ۱۶ مارچ ہی کو مس فارقوہرسن کے نام لکھا۔ اس خط میں اقبال نے سلیکٹ کمیٹی [مجلس منتخبہ] کے روبرو پیش ہونے کے امکان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ میں اس کمیٹی کا ممبر بننے کے لیے "خواہ مخواہ دوسروں کے پیچھے بھاگے پھرنے کا عادی نہیں۔"

اب ان الفاظ کا زیر بحث خط کے اس فقرے سے موازنہ کیا جائے:

سلیکٹ کمیٹی کے متعلق مجھے [illegible] معلوم نہ [illegible] میں نے کبھی اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ مجھے بھیجا جائے۔ ایسے معاملات میں میری جو روش پہلے رہی ہے، وہی اب بھی ہے۔

تو دونوں خطوط کی مماثلت واضح طور پر اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ یہ دونوں خطوط ایک ہی تاریخ کو لکھے گئے تھے۔

اقبال... جہانِ دیگر میں شامل سات خطوط کی مشکوک تاریخوں کے بارے میں الجھن دور ہو گئی، لیکن اس کوشش میں ایک نئی الجھن پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارا اشارہ نذیر نیازی کے نام علامہ کے ۱۸ مارچ ۱۹۳۳ء کے خط کی طرف ہے جو لاہور سے لکھا گیا۔ یا تو یہ تاریخ غلط ہے یا ماننا پڑے گا کہ علامہ ۵ مارچ ۱۹۳۳ء والے اجلاس میں شرکت کے بعد لاہور سے واپس آگئے تھے اور دوبارہ ۱۲ مارچ کو لاہور سے دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔

[محمد فرید الحق]، کتاب مذکور، ص ۱۰۵۔

۶/مارچ اور ۱۲/مارچ ۱۹۳۳ء کے دوران علامہ کی دہلی میں مصروفیت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اگر وہ دہلی میں فارغ تھے تو پھر نذیر نیازی سے ان کی ملاقات ضرور ہونی چاہیے۔ اگر اس عرصے میں نیازی صاحب سے علامہ کی ملاقات ہوئی ہوتی تو نیازی صاحب علامہ کو رؤف بے کے لیکچرز کی صدارت کے لیے قائل کرنے لاہور نہ آتے۔

اس دلیل کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ علامہ ۶/مارچ اور ۱۲/مارچ ۱۹۳۳ء کے درمیان لاہور ہی میں تھے۔ اسی دوران انھوں نے ۸/مارچ ۱۹۳۳ء کو نذیر نیازی کو خط لکھا لہٰذا خط کی یہ تاریخ درست ہے۔ اس بحث سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ علامہ نے مارچ کے مہینے میں تین بار دہلی کا سفر اختیار کیا۔

اضافہ مابعد

مضمون مکمل ہو چکا تھا کہ ہمیں اقبال کے خط بنام نذیر نیازی محررہ ۸/مارچ ۱۹۳۳ء کا عکس دستیاب ہوا۔ اسے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ خط کی تاریخ بالکل درست ہے اور اس پر شک کرنا مناسب نہیں، تاہم مطبوعہ متن اور اصل خط کے موازنے سے معلوم ہوا کہ خط کے مسودے سے عبارت اخذ کرنے میں خود نیازی کو بھی دھوکا ہوا۔ وہ بعض تاریخیں غلط لکھ گئے اور ایک فقرہ بھی متن میں شامل نہیں کیا۔ اختلاف متن کی تفصیل درج ذیل ہے:

مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی، صفحہ ۹۵

خط سطر ۳:

میں ۱۹/مارچ کی شام کو یہاں سے روزانہ ہو کر ۲۰ کی صبح کو دہلی پہنچ جاؤں گا۔

خط سطر ۶-۵

۲۰/مارچ کی صبح آپ مجھے...

مولوی... پہنچ جاؤں گا۔ (یہ عبارت مطبوعہ متن میں شامل ہونے سے رہ گئی۔)

اصل خط (عکس)

میں ۱۱/مارچ کی شام

...۱۲/ کی صبح کو دہلی پہنچ جاؤں گا۔

۱۲/مارچ کی صبح...

مولوی شفیع داؤدی صاحب کو بھی فون کر دیں کہ میں ۱۲ کی صبح کو دہلی پہنچ جاؤں گا... لیکن اگر ڈاکٹر انصاری...

خط کے مکمل متن کے مطالعے سے اب ہمارا قیاس یقین میں بدل چکا ہے کہ اقبال مارچ ۱۹۳۲ء میں تین بار دہلی گئے تھے۔ پہلے ۳/مارچ کو دوسری دفعہ ۱۲/مارچ کو اور تیسری مرتبہ ۱۸/مارچ کی صبح کو دہلی پہنچے۔ رؤف بے کے لیکچرز کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ ان کی تعداد چھ ہوگی اس لیے اقبال کی خواہش تھی کہ وہ آخری لیکچر کی صدارت کریں جو ۱۸/مارچ کو ہو لیکن جامعہ والوں کا پروگرام تو ۱۸/مارچ کو اجلاس شروع کرنے کا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اقبال اپنے کام نمٹا کر ۱۵/مارچ کو واپس لاہور چل دیے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ نذیر نیازی ۱۶ کی صبح کو لاہور پہنچے اور ۱۷ کی شام اقبال کو اپنے ہمراہ لے کر دوبارہ دہلی چلے گئے۔

علامہ اقبال کے تین نادر خطوط*

ڈاکٹر وحید قریشی
پروفیسر احمد سعید

نوٹ: میاں نور محمد پبلک پراسیکیوٹر سیشن کورٹ [عدالت] تھے، یہ خط ان کے نام ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں لکھے گئے۔ ان کے بیٹے میاں عبدالحفیظ ایڈووکیٹ [وکیل] نے میاں مسعود احمد جھنڈیر مالک سردار جھنڈیر لائبریری کو تحفے میں دیے تھے۔ مسعود صاحب کے شکریے کے ساتھ ان کا متن مع عکس شایع کیا جارہا ہے۔

نظر بظاہر خط مؤرخہ ۱۱/ماہ دسمبر ۱۹۲۰ء کا متن انجمن حمایت اسلام کے عملے نے ڈرافٹ [مسودہ تیار] کیا۔ خط کے شروع میں "زادِ عنایت" علامہ کے ہاتھ لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور آخر میں دستخط بھی علامہ ہی کے ہیں۔

"مرحمت فرماوے اور ترقی فرماوے" کی ترکیبات میں فرماوے کی تکرار اس بات کو تقویت دیتی ہے کہ یہ عبارت علامہ کی نہیں بلکہ انجمن کے عملے کے کسی فرد کا ڈرافٹ ہوگا۔ ۸/فروری (۳) ۱۹۲ء کا مرقومہ خط تمام و کمال علامہ اقبال کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

(ڈاکٹر وحید قریشی)

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۳۶، جنوری ۱۹۹۶ء۔

علامہ اقبال کے تین نادر خطوط

نمبر ۱۹۹م ۲۷ رماہ محرم ۱۳۳۹ھ

دفتر انجمن حمایت اسلام

بخدمت شریف جناب نور محمد صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل زاد عنایت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اراضی واقع سجانپور جس کی تاریخ مقدمہ ۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء مقرر تھی، ہیڈ کلرک [میر منشی] انجمن کی رپورٹ [اطلاع] سے معلوم ہوا کہ آپ نے نہایت مہربانی اور ہمدردی سے اس مقدمہ کی پیروی سرانجام فرمائی اور ہیڈ کلرک سے نیک سلوک فرمایا۔ لہٰذا میں اراکین انجمن کی جانب سے آپ کی اس تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو اجر عظیم مرحمت فرماوے اور آپ کے مراتب میں روز افزوں ترقی فرماوے۔

امید ہے کہ آپ ضرور آئندہ بھی اس مقدمہ کی سرانجام دہی میں تکلیف فرما کر کارکنان انجمن کی مزید شکر گزاری کے مستحق ہوں گے۔

والسلام

محمد اقبال

آنریری سیکرٹری

5th Feb, 192(3)

My Dear Mr. Noor Muhammad,

I am sending Mr. Karam Din Head Clerk of the Anjuman [Himayat-ul-Islam] office to you. He tells me that you have very kindly agreed to take up the case for the Anjuman. The matter is perfectly clear and does not involve any complication. The contractor seems to be absolutely unjustifiable. I hope you will do all that you can for the Anjuman

for which they will be grateful (to) you. I think you will have to apply for setting aside (?) the reported order of the court.

But I am not quite certain as I do not know that order the court has passed. If [(the (plaintiff)] in the case agrees to pay us Rs. 500/- We are ready to let him take possession of 5 Ghumains of land. The Anjuman has already passed a resolution to that effect.

Yours sincerely,
Muhammad Iqbal
Barrister
Lahore
General Sec.[retary] Anjuman[1]

ترجمہ:

مائی ڈیر مسٹر نور محمد

میں انجمن کے دفتر کے میر منشی جناب کرم دین کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ آپ انجمن کا مقدمہ لینے پر آمادہ ہیں۔ معاملہ بالکل واضح ہے، اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ ٹھیکیدار کا مطالبہ قطعاً بے جواز ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ انجمن کے لیے جو ہو سکے گا، کریں گے۔ انجمن والے اس کے لیے شکر گزار ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو عدالت کے ان احکامات کو معطل کرنے کی درخواست دینا ہوگی جن کے بارے میں ہمیں بتایا گیا ہے۔

مجھے اس سلسلے میں پورا یقین نہیں ہے کیونکہ مجھے عدالت کے اس فیصلے کا علم نہیں ہے۔ اگر اس کیس کا مدعی ہمیں پانچ سو روپے ادا کرنے پر آمادہ ہو تو ہم اسے ۵ گھماؤں زمین کا قبضہ لینے کا اختیار دے سکتے ہیں۔ انجمن نے اس کے لیے پہلے ہی ایک قرارداد منظور کر رکھی ہے۔

مخلص

محمد اقبال

وکیل عدالت العالیہ، لاہور

معتمد عمومی انجمن

[مترجم: محمد سہیل عمر]

نوٹ:

دسمبر ۱۹۲۳ء میں حیدرآباد دکن کے حکمران میر عثمان علی نے انجمن حمایت الاسلام کے لیے تین سو روپے کی گرانٹ کا اعلان کیا۔ سر اکبر حیدری نے اس کی اطلاع علامہ اقبال کو دی جنھوں نے انجمن کے سیکرٹری حاجی میر شمس الدین کو یہ دو سطری خط لکھا کہ:

(احمد سعید)

مخدومی حاجی صاحب

السلام علیکم!

یہ خط حیدری صاحب کا ہے۔ امید ہے آپ کو اطلاع ہو گئی ہوگی۔

محمد اقبال

۱۷ر دسمبر ۱۹۲۳ء

نمبر ۱۹۹

۲۷ ماہ محرم سنہ ۱۳۳۹ھ
۱۱ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء

دفتر انجمن حمایت اسلام لاہور

مکرمی

بخدمت شریف جناب میاں نور محمد صاحب بی اے ایل ایل بی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ — اراضی واقعہ [illegible] کی تاریخ مقدمہ ۹ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء مقرر تھی ہمارے مختار کارکن کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ آپ نے نہایت مہربانی اور ہمدردی سے اس مقدمہ کی پیروی سرانجام فرمائی — اور ہمارے مختار کے ساتھ نیک سلوک فرمایا — لہٰذا میں انجمن کی جانب سے آپ کی اس تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو اجر عظیم مرحمت فرماوے اور آپ کے مراتب میں روز افزوں ترقی فرماوے —

امید ہے کہ آپ حسب ضرورت آئندہ بھی اس مقدمہ کی سرانجام دہی میں توجہ فرما کر کارکنان انجمن کی مزید شکرگزاری کے مستحق ہوں گے — والسلام

[illegible]

[illegible]

Hyderabad, Deccan,
11th December 1923.

My dear Dr. Iqbal,

You will be glad to hear that His Exalted Highness has been pleased to sanction a grant of B.G.Rs.300/- a month for the Anjuman-i-Himayat-i-Islam.

Yours sincerely,

[illegible]

The Anjuman-i-Himayat-i-Islam,

Lahore, the ____ 192_.

[illegible]

[illegible]
I do not know what will
the [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

Yours sincerely
Muhammad Iqbal
Barrister
[illegible]
[illegible]

علامہ اقبال کے تین نایاب خطوط*

ڈاکٹر رحیم بخش شاہین

جناب سردار محبوب عالم تکانی قبیلہ کے ایک نیک نام فرض شناس اور علم دوست سرکاری افسر ہیں۔ انھوں نے چند ماہ پیشتر مجھے اپنے خالو سردار محمد عظیم خان کے علامہ اقبال سے روابط سے بارے میں بتایا۔ میرے اشتیاق پر انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ سردار محمد عظیم خان کے حالات اور علامہ اقبال کے چند نادر خطوط فراہم کریں گے۔ انھوں نے بڑی تگ و دو کے بعد یہ وعدہ پورا کیا اور اپنے بھانجے جناب طارق کی وساطت سے اہم معلومات و دستاویزات فراہم کیں۔ اقبال کے مذکورہ خطوط وغیرہ برائے ملاحظہ پیش کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تکانی قبیلہ کا مختصر تعارف کروا دیا جائے تاکہ خطوط کا کچھ پس منظر واضح ہوسکے۔ پنجاب گزیٹئر [جریدۂ پنجاب] میں اس قبیلے کے بارے میں مختصر مگر جامع انداز میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کچھ یوں ہے:

تکانی ایک اہم قبیلہ ہے اور اس کے افراد مختلف حصوں میں بٹے ہوئے ہیں، ہر حصے کا سربراہ مقدم کہلاتا ہے لیکن اب ان کا کوئی بڑا سردار نہیں ہے۔ ان کا علاقہ سنگھڑ سے نکلنے والی نہروں سے سیراب ہوتا ہے۔ یہ علاقہ شمال میں قیصرانی علاقے اور جنوب میں کھوسہ اور سوری قبائل کے علاقوں کے درمیان واقع ہے۔ ان میں سے کوئی بھی پہاڑی علاقے کا رہائشی نہیں ہے اور یہ لوگ اس ہموار میدانی علاقے کے چھوٹے سے حصے میں بزداروں کے ساتھ رہتے ہیں جو

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۳۶، جنوری ۱۹۹۶ء۔

سنگھڑ ندی کے پہاڑی منبع کے سامنے واقع ہے۔ اس قبیلے کا آخری سربراہ اسد خان تھا جس نے سکھوں کو خراج دینے سے انکار کر دیا تھا اور ایڈورڈز کے خلاف مولراج کا ساتھ دیا تھا۔ اس کا ذکر اس کتاب کے گیارھویں باب میں کیا گیا ہے۔ اس نے آخرکار نواب بہاول پور کی فوج میں شمولیت اختیار کر لی تھی اور ملتان کے محاصرہ میں مدد دی تھی۔ لیکن وہ قبیلے کی سربراہی کے حصول کے لیے کبھی سنگھڑ واپس نہیں آیا۔ نواب بہاول پور کے خاندان میں شادی کے ذریعے رشتہ داری قائم ہونے کی بنا پر اس نے اپنے باقی ایام زندگی اسی کے ساتھ گزارے۔ اس دوران اسے بہاول پور کے خزانے سے -/۳۶۰۰ روپے کی پنشن ملتی رہی۔ اس کا بیٹا عظیم خان ڈیرہ غازی خان واپس آیا اور اس کے پوتے محمد مسو خان نے پولیس کی ملازمت اختیار کر لی اور کئی سال تک اس ضلع میں انسپکٹر پولیس [معاینہ کار شُرطہ] کے عہدے پر فائز رہا۔ وہ اپنی قابلیت اور دیانت کے لیے بہت زیادہ مشہور تھا۔ اس نے ۱۸۹۶ء میں وفات پائی اور اپنی اولاد میں دو بیٹے محمد خان اور امام بخش چھوڑے۔ اسد خان کا چچازاد حاجی محمد مسو خان سنگھڑ تحصیل میں بہت بااثر تھا جہاں اس نے اپنے خرچ پر مسودہ نہر کھدوائی، لیکن چونکہ اس کے لیے اس نہر کا انتظام کرنا ممکن نہیں تھا اس لیے اس نے یہ نہر حکومت کو فروخت کر دی۔ وہ ۱۸۸۳ء میں بے اولاد فوت ہو گیا۔[1]

سردار عظیم خان کا شجرہ نسب یہ ہے:

محمد مسود خان۔اول

↓

علی اکبر خان

↓

محمد اسد خان

↓

عظیم خان

↓

محمد مسو خان۔ سوم (وفات ۱۸۹۷ء)

---

[1] ملاحظہ کیجیے ضمیمہ نمبر ا

↓

محمد خان

↓

محمد عظیم خان دوم[1]

سردار محمد اعظم خان کا اصل نام سردار عبدالعظیم خان تھا اور وہ اپنے والد سردار محمد خان کے اکلوتے بیٹے تھے، محمد خان تنکانی قبیلہ کے سردار تھے اور ان کے بعد گورنر پنجاب کے حکم سے ۷ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو عظیم خان کو ڈویژنل [قسمت] درباری قرار دیا گیا تھا۔[2] وہ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے، قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم حافظ مصطفیٰ سے حاصل کی۔ منگروٹھ میں واقع اینگلو ورنیکلر سکول میں مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ یہ اس علاقہ کا واحد تعلیمی ادارہ تھا جو بعد میں تونسہ منتقل ہو گیا تھا۔ اگرچہ مزید باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کر سکے لیکن ذاتی مطالعہ کی بدولت انھوں نے علوم متداولہ کی تحصیل کی اور کتابت اور خط نویسی میں کامل دستگاہ حاصل کی۔ تحریر اور خط و کتابت مغلوں کے دور کی یاد تازہ کرتی تھی۔ سرائیکی مادری زبان تھی لیکن محنت اور لگن کی بدولت وہ فارسی، اردو، سندھی، عربی اور بلوچی زبانیں بھی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ انگریزی عدالت میں سیشن جج کے ساتھ بطور آنریری اسیسر [اعزازی ثالث] کام کرتے تھے، لہٰذا انگریزی زبان میں بھی گفتگو کر لیتے تھے۔

سردار محمد عظیم نہایت وجیہ و شکیل تھے۔ آنکھیں موٹی، چہرہ لبوترا مگر کھلا، جسم سڈول اور مناسب حد تک لمبا تھا، چال میں متانت تھی اور شخصیت مرعوب کن تھی۔ وہ خلق و مروت کا پیکر تھے اور ان کے حسن سلوک اور تحمل و بردباری کے قصے زبان زد خاص و عام تھے۔ ان کی گفتگو بہت دلچسپ ہوتی تھی۔ جس سے ملتے خندہ جبینی سے ملتے اور ملاقاتی کو اجنبیت کا احساس نہ ہونے دیتے۔ سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا۔ قیام پاکستان سے قبل، کشمیر، شملہ، بمبئی، کلکتہ وغیرہ تک گھوم پھر چکے تھے۔ پاکستان کے بیشتر علاقوں میں آتے جاتے رہتے تھے۔ ذاتی تعلقات کے سبب کوٹ ڈی جی، خیر پور اور حیدرآباد کا سفر بھی بارہا کیا۔

---

[1] ملاحظہ کیجیے ضمیمہ نمبر ۲

[2] ملاحظہ کیجیے ضمیمہ نمبر ۳

جناب غلام علی تنکانی نے ان کے جو حالات تحریر کیے ہیں ان کی رو سے سردار موصوف کو سخت ناموافق حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ باپ کی دیوانگی اور چچاؤں کی سرپرستی سے محرومی کی بنا پر انھیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے مزاج پر لاأبالی پن غالب تھا جس کی وجہ سے انھیں شہر بدر اور ضلع بدر ہونا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ حریت پسندانہ خیالات و جذبات کی بنا پر تمنداری نظام کے خلاف تھے اور اس کے خاتمے اور اس کے خواہاں تھے۔ جب کہ انگریز اس نظام کو اپنے حق میں مفید سمجھتے تھے اور اس کی حفاظت کرتے تھے۔ سردار محمد عظیم کو دو بار اپنے سسرال کے دو تمنداروں سردار غلام حیدر خان اور سردار امیر محمد خان قیصرانی کی وجہ سے جلا وطنی کی صعوبت سہنی پڑی کیونکہ یہ دونوں سردار تمنداری نظام کی بقا کے خواہاں تھے۔ سر محمد جمال خان لغاری نے سردار محمد عظیم خان کو ایک ناصحانہ خط لکھا کہ انگریز یا مذکورہ تمنداروں سے معذرت کرلی جائے تو جلا وطنی موقوف کی جا سکتی ہے لیکن سردار عظیم خان نے جلا وطنی کی سزا کو تمغہ حریت خیال کیا اور سال دو سال اپنے وطن سے دوری کی مصیبتیں مردانہ وار برداشت کرتے رہے۔

سردار عظیم خان کی شخصیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ جاہلی رسوم و رواج اور توہمات وغیرہ کے سخت خلاف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ذات پات کی تفریق اور قبائلی فخر و غرور کو پاس تک پھٹکنے نہیں دیا۔ جناب غلام علی تنکانی نے اگرچہ لکھا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں سے نابلد تھے، نیز یہ کہ جب ایک خط کے ذریعے انھیں کہا گیا کہ وہ اپنے دادا نواب محمد اسد خان کی قبر کا نشان دوبارہ قائم کریں جو اس وقت رود کوہی کے پانی کی وجہ سے مٹ گیا ہے تو انھوں نے اس کے جواب میں صرف یہ لکھ بھیجا ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ (الرحمٰن: ۲۶) "زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے"۔ اس سلسلے میں مصنف مذکور نے ان کی اولاد کی بے اعتنائی کا ذکر بھی کیا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سردار محمد عظیم خان کی اولاد کو انگریزی دور کی یادگار سرداری نظام سے کوئی لگاؤ نہیں اور یہ بہر حال قابل تعریف بات ہے، سردار عظیم خان مئی ۱۹۸۰ء میں لاہور میں فوت ہوئے۔

سردار عظیم خان شعر و ادب کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ اگر انھیں کوئی باقاعدہ استاد میسر آجاتا تو ان کا کلام نہ صرف مضامین کے اعتبار سے بلند پایہ ہوتا بلکہ عروض اور زبان و بیان

کی غلطیوں سے بھی مبرا ہو جاتا۔ وہ اردو اور سرائیکی میں شعر کہتے تھے۔ ان کی شاعری اکثر و بیشتر ان کے مذہبی جذبات کی ترجمان ہے۔ سردار اسد خان کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے اردو میں اسدی تخلص کرتے تھے جب کہ سرائیکی میں ان کا تخلص وارث شاہ تھا۔ اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

اگر کلام سوقیانہ و متبذل کا نمونہ کہیں ملاحظہ فرمانے کا موقع اب تک نہ ملا ہو تو یہاں موجود پاؤگے۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ نہ پیشہ شاعری نہ علم عروض سے واقفیت، علمی کم مایگی مزید برآں۔ انفراغ [ترجمہ ؟؟؟] تعلیم مڈل ۱۹۱۴ء کے بعد محض اشتیاق یہی رہا کہ قلم سے حمد باری تعالیٰ جل شانہٗ کے باب میں کچھ خدمت لی جائے۔ ۱۹۱۵-۱۶ء بالکل ننھال میں گزرے۔ ۱۹۱۷ء، ۱۹۱۸ء، و ۱۹۱۹-۲۰ء سندھ ریاست خیر پور میں۔ لہٰذا وہاں کے ماحول میں جہاں مقابر پرستی و اولیاپرستی کی انتہا نہ تھی، اپنے ایک دوست سید نذیر حسین شاہ صاحب کی معیت میں خامہ فرسائی کا موقع ہاتھ رہا۔ موصوف ہم عمر نہایت ہی شریف و نیک سیرت، اغیار پرستی سے نفور اور توحید پرستی میں سرشار اپنا کلام سندھی زبان مین سناتے اور مجھے اردو لکھنے پر مجبور کرتے۔ لہٰذا ابتدا وہاں ہوئی اور انتہا اب۔

۲۔ سنین کے اندارج سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کلام فلاں سن میں لکھا گیا۔ سنین کی عدم ترتیب کی وجہ معقول ہے کہ اوراقِ پریشان کہنہ جیسے جیسے ہاتھ لگے انھیں یہاں مختلف اندراج کیا گیا جس سے لامحالہ سنین کی ترتیب کا فقدان رہا۔

سردار موصوف کا سرائیکی کلام تو نہیں مل سکا البتہ ان کے اردو کلام کے متفرق اجزا ہاتھ آسکے ہیں، ان میں سے ایک "حمد" جناب غلام علی تنکانی نے نقل کی ہے جس کا مطلع یہ ہے:

میں ترے در کا ہوں بندہ تو مرا پروردگار
ہے ترے در کی غلامی باعث صد افتخار

انھوں نے اپنے قلم سے جو اشعار درج کیے ہیں ان کا انتخاب حسب ذیل ہے:

خطا ہے گر کروں حمد و ثنا سے کوتاہی
زباں عطا ہوئی ہم کو تری ثنا کے لیے
نہ التفات ہو مجھ پر تو میری قسمت ہے
ہے ذات تیری تو بہر جہاں عطا کے لیے
تو بادشاہ جہاں ہے میں در کا سائل ہوں
کشاد چشم ہوں ہر دم تری سخا کے لیے
جو تیرے در پہ ہی آٹھوں پہر نیاز کرے
تجھے بھی چاہیے تو اس کو سرفراز کرے
آپ نے فرمایا ہے افسوس تیری عقل پر
رہتا ہے شب روز گروی رقبہ کے پیکار میں
فرق کیا باقی ہے شرع میں بتا اے مرتہن
رقبہ مرہونہ میں اور دنبہ مردار میں
جب لگا نکتہ یہ دل کو وہ گرا پیش حضور
اور تائب اس گنہ سے ہو گیا دربار میں

سردار عظیم خان کو علامہ اقبال سے بے حد عقیدت تھی۔ ان کی شاعری اور پیغام کے دلدادہ تھے۔ اسرار و رموز، بانگ درا اور ضرب کلیم انھیں تقریباً یاد تھیں۔ وہ اقبال کا کلام ذوق و شوق سے محفل احباب میں سناتے اور جب کبھی لاہور جاتے تو اقبال کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے۔ ایک موقع پر انھوں نے اقبال سے اپنے کتب خانہ کا ذکر کیا جو دراصل ان کے والد سردار محمد خان کے ورثے کے طور پر انھیں ملا تھا اور جس میں انھوں نے اپنے ذوق کے مطابق کچھ اضافہ بھی کیا ہوگا۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ کتب خانہ کسی قومی رفاہی و تعلیمی ادارے کو بطور عطیہ دے دیا جائے۔ علامہ اقبال نے بعد میں انھیں لکھا کہ وہ یہ کتب خانہ انجمن حمایت اسلام

کے اشاعت اسلام کالج لاہور کو دے دیں۔ سردار موصوف نے اقبال کا یہ مشورہ قبول کرتے ہوئے اپنی کتابیں انجمن حمایت اسلام کو بھجوا دیں اور مذکورہ کالج کے نام وقف کر دیں۔ انجمن کے ساتھ اس معاملے کو طے کرانے میں بھی اقبال نے تگ و دو کی۔ انجمن کے آنریری سیکرٹری محمد عبدالرحمان خان نے اپنی چٹھی مؤرخہ ۱۵ر ستمبر ۱۹۳۷ء کے ذریعے ان کتابوں کی وصولی کی اطلاع دی۔

علامہ اقبال کے یہ خطوط میاں اللہ بخش، مختار کار سردار محمد عظیم خان رئیس منگروتھ تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازی کے نام ہیں۔ تاہم پہلے اور تیسرے خط میں براہِ راست خطاب سردار عظیم خان سے ہے جب کہ دوسرے خط میں مختار کار مخاطب ہیں۔ ان خطوط کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اس دور میں لکھے گئے جب علامہ اقبال علالت کی بناپر دوسروں سے خط لکھوایا کرتے تھے لیکن یہ خطوط ان کے مخصوص انداز کتابت کا نمونہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ اقبال شدید علالت کے باوجود قومی امور کی انجام دہی میں بدستور منہمک رہے اور انجمن حمایت اسلام کے ساتھ ان کا گہرا لگاؤ ہمیشہ برقرار رہا۔

یہاں اس امر کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ جس کتاب خانہ کا ذکر ان خطوط میں ہوا ہے ان میں کتب کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ ہے اور ان میں تفسیر، حدیث، فقہ، شعر و ادب، طب، لغت، سیرت، تاریخ، تذکرہ اور اذکار وغیرہ موضوعات پر کتابیں شامل ہیں۔ چند عنوانات حسب ذیل ہیں:

دلیل الحسنات علی طریقتہ الصلوٰت، تنبیہ المسائل، انوار الہدیٰ، شجر الامالی، حصن الحصین، شرائع الاسلام، کشف الموطا عن کتاب الموطا، الصافی شرح اصول الکافی، مظاہر حق، دیوان حافظ، اخلاق محسنی، مدارج النبوہ، روضتہ الاحباب فی سیرہ النبی و آل و اصحاب، تفسیر ہاشمی بزبان سندھی، طب اکبری، حیات القلوب، دیوان غوث الاعظم، شرح دیوان علی، رقعات عالمگیری، شرح دیوان حافظ، انشائے فیض رساں، بدر الدجی، سکندر نامہ، صواعق محرقہ، کریم اللغات، فیض الباری، صحیفہ کاملہ، دبستان المذاہب، دیوان امیر خسرو، روضہ الصفا وغیرہ۔[1]

---

[1] کتابوں کی جو فہرست مجھے ملی ہے اس کے کئی اندراجات محل نظر ہیں، اس لیے چند عنوانات پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مکتوب (۱)

لاہور ۲۲ر جنوری ۱۹۳۷ء

جناب من۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ آپ ابھی اپنا کتب خانہ کسی ادارے کو نہ دیں۔ میں چند روز تک آپ کو صحیح مشورہ دے سکوں گا۔ عنقریب ایک ادارہ پنجاب میں کھلنے والا ہے جو دینی تعلیم کے لیے خاص طور پر ایک قسم کا بہت بڑا وقف ہوگا۔ اس کے کاغذات قانونی طور پر تیار ہو رہے ہیں اور بعض عمارات بھی تعمیر ہو رہی ہیں۔ مکمل ہو جانے پر میں آپ کی خدمت میں عرض مفصل کر دوں گا۔ فی الحال اگر ممکن ہو سکے تو اس کتب خانہ کی مفصل فہرست تیار کریں تاکہ فہرست دیکھنے سے معلوم ہو جائے کہ دینی کتب کی تعداد اس کتب خانے میں کیا ہے۔ جس ادارے کا میں نے ذکر کیا ہے اس میں نوجوانوں کی دینی تربیت کا خاص اہتمام کیا جائے گا۔

سردا صاحب کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت آداب عرض کریں۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال

مکتوب (۲)

لاہور ۲۸ر جنوری ۱۹۳۷ء

جناب من۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میری طرف سے سردار صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجیے کہ میں غالباً آغاز اپریل میں لاہور ہی میں ہوں گا۔ باہر بہت کم جاتا ہوں کہ ایک مدت سے بیمار ہوں۔ وہ شوق سے تشریف لائیں۔ مجھے ان کی ملاقات سے مسرت ہوگی۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سردار صاحب مع الخیر ہوں گے۔ میری طرف سے سلام شوق عرض کر دیجیے۔

والسلام

محمد اقبال

میو روڈ

مکتوب (۳)

لاہور ۴رفروری ۱۹۳۷ء

جناب من۔ آپ کا خط مع فہرست مل گیا ہے۔ یہ کتابیں بیشتر دینی ہیں۔ اس واسطے میں آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ یہ کتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے اشاعت اسلام کالج[1] کو دیدیویں۔ میں نے آج جنرل سیکرٹری انجمن ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین[2] کو لکھ دیا ہے اور آپ کا پتہ بھی ان کو دے دیا ہے۔ وہ آپ کو خط لکھیں گے۔ آپ صرف میرے خط کا حوالہ دے کر ان سے خط وکتابت کریں اور کسی مناسب طریق پر کتب خانہ مذکورہ ان کی خدمت میں بھیج دیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ سردار صاحب کی خدمت میں سلام شوق عرض کریں۔

والسلام

محمد اقبال

لاہور

---

۱ اس زمانے کے مخصوص حالات کے پیش نظر اشاعت اسلام کالج لاہور کا اجرا عمل میں لایا گیا تھا۔ جس کا مقصد تھا کہ نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جائے۔

۲ خلیفہ شجاع الدین (وفات ۱۹۵۵ء) خلیفہ عماد الدین کے فرزند اور اسلامیہ کالج میں اقبال کے شاگرد، پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور لندن سے بیرسٹری کی سند لے کر لاہور میں وکالت شروع کی۔ سرکاری ملازمت سے گریزاں رہے۔ رفاہی اور فلاحی اُمور میں ہمہ تن مصروف رہے۔ شعبہ تعلیم سے انھیں خاص لگاؤ تھا۔ پنجاب یونیورسٹی سنڈیکیٹ [مجلس] کے رکن تھے، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور انجمن حمایت اسلام کے ذریعے قومی خدمات انجام دیتے رہے۔ انجمن حمایت اسلام کے ساتھ ان کی وابستگی ہمیشہ قائم رہی۔ وہ اس کے سیکرٹری اور صدر بھی رہے اور اس کی متعدد کمیٹیوں [مجلسوں] میں شامل رہے۔ خلیفہ شجاع الدین مجلس قانون ساز پنجاب کے رکن بھی منتخب ہوتے رہے۔ وہ پنجاب مسلم لیگ کے نائب صدر کی حیثیت سے علامہ اقبال کے ہمراہ [آل انڈیا] مسلم لیگ کے مقاصد کے لیے سرگرم عمل رہے۔

Copy of a letter No. 29640 Pol/Genl, dated 7th September 1932, from the Chief Secretary to Government, Punjab, to the Commissioner, Multan Division.

Subject:- Succession of Sardar Muhammad Azim Khan to his father Sardar Muhammad Khan Nutkani's Seat in Divisional Darbar.

I am directed to refer to your endorsement No. LXXIX-80-60, date the 17th of August 1932, transmitting for the orders of Government a recommendation made by the Deputy Commissioner of Dera Ghazi Khan that Sardar Muhammad Azim Khan be allowed to succeed to his father's seat in Divisional Darbar.

2. In reply, I am to inform you that His Excellency the Governor is pleased to accept Sardar Muhammad Azim Khan as a Divisional Darbari in succession to his father the late Sardar Muhammad Khan Nutkani and to assign to him a place corresponding to No. 20 on the list of Divisional Durbaris of the Multan Division corrected up to the 15th of July 1931.

Copy of an endorsement No: LXXIX-80-111-61 dated the 14th September 1932 by the Commissioner, Multan Division.

Copy forwarded to the Deputy Commissioner, Dera Ghazi Khan for information, with reference to the correspondence ending with his confidential letter No. 69, dated 5th August 1932.

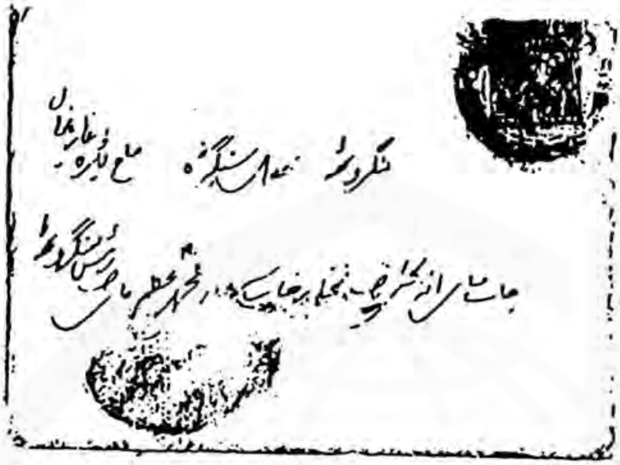
No: 4187
Deputy Commissioner's Office
Dated Dera Ghazi Khan the 20th September 1932.

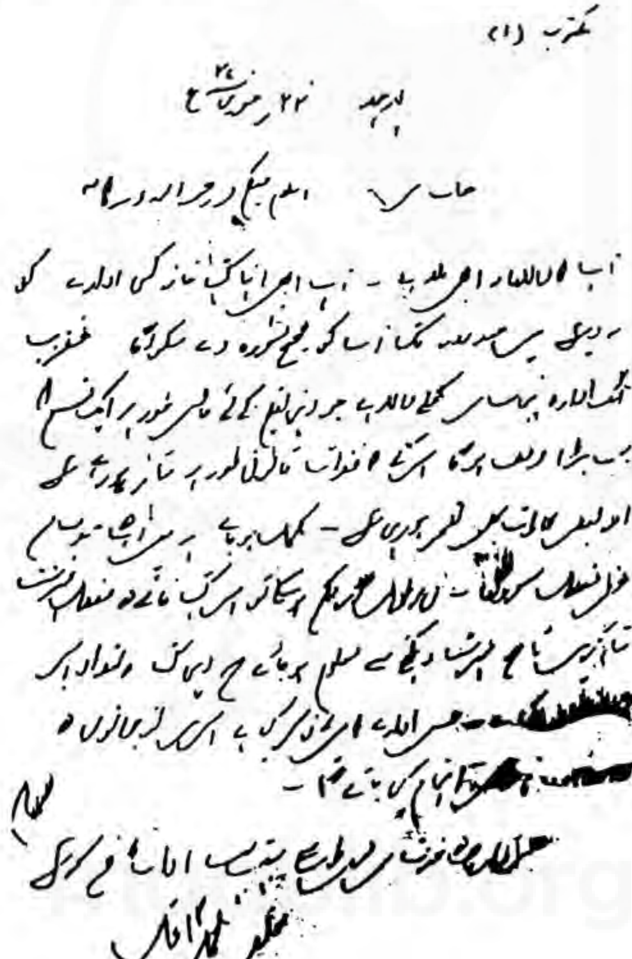
Copy forwarded to Sardar Muhammad Azim Khan Nutkani, Mangrotha in the Sanghar Tahsil, Dera Ghazi Khan district, for information.

Supdt:
For Deputy Commissioner

The Nutkanis are an important tribe and are organized into sections under mukaddam, but they have now no chief. They occupy the country watered by distributary channels from the Sangarh lying between the Kasrani country to the north and the country of the Khosas and the Sori lands to the south. None of them are resident in the hills and they share with the Bazdars a small part of the plain country in front of the point of issue from the hills of the Sangarh torrent. The conduct of Asad Khan, the last chief to the tribe, in refusing to pay the tribute demanded by the sikh and in taking the part of Mulraj against Edward's, has been noticed in chapter 11 of this work. He finally joined the Nawab of Bahawalpur's army and assisted at the siege of Multan, but he never returned to Sangarh to resume the chieftainship of the tribe. Being related by marriage to the Nawab of Bahawalpur, he spent rest of his days with him, receiving a pension of Rs. 3,600 from the revenues of Bahawalpur. His son, Azim Khan returned to Dera Ghaazi Khan, and his grandson Muhammad Masu Khan entered the Police and was for many years Inspector of Police in the District and had a high reputation for ability and integrity.3/4 He died in 1896, leaving two sons, Mohammad Khan and Imam Bakhsh Khan Haji Muhammad Massu Khan, cousin of Asad Khan, was a man of influence in the Sangarh Tahsil where he excavated the Massuwah Canal at his own expense subsequently selling it to Government on finding himself unable to manage it successfully. He died childless in A.D. 1883.

Gazetteer of the Dera Ghazi Khan District,
Revised Edition 1893-97, Compiled and published by Authority of the Punjab Government Lahore, "Civil and Military Gazette" Press, 1898.




مکتوب (۱)

لاہور ۲۲ جنوری ۳۷ء

جناب من السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مخلص محمد اقبال

18 — 3

لنگروڑہ تحصیل سانگھڑ ضلع ڈیرہ غازیخاں

جناب میاں الحاج تمندار سردار محمد اعظم خاں صاحب رئیس لنگروڑہ

مکتوب (۲)

لاہور ۲۸ فروری ۳۷ء

جناب من — آپ کا خط ابھی ملا ہے

مجھے افسوس ہے سردار صاحب [illegible] کر

[illegible] - [illegible]

کہ [illegible] ہوں کہ ایک سال [illegible] سے بیمار ہوں [illegible]

[illegible] ہو گی -

وہاں کیا ہو رہا ہے [illegible] سردار [illegible]

سے [illegible] سلام شوق [illegible] دیجئے -

محمد اقبال ۔ میو روڈ

مکتوب (۴)



ضمیمہ (ا)

The Nutkanis are an important tribe and are organised into lons under mukaddam , but they have now no chief. They occupy the try watered by distributary channels from the Sangarh lying een the Kasrani country to the north and the country of the s and the Sori lands to the south. None of them are resident in hills and they share with the Bezdars a small part of the plain country east of the point of issue from the hills of the Sangarh torrent. conduct of Asad Khan, the last chief ot the tribe, in refusing to the tribute demanded by the sikh and in taking the part of ij against Edwardes, has been noticed in chapter 11 of this work, inally joined the Nawab of Bahawalpur's army and assisted at the of Moltan, but he never returned to Sangarh to resume the tainship of the tribe. Being related by marriage to the Nawab hawalpur, he spent rest of his days with him, receiving a pension 3,600 from the revenues of Bahawalpur. His son, Azim Khan ned to Dera Ghazi Khan, and his grandson Muhammad Masum Khan ed the Police and was for many years Inspector of Police in th ict and had a high reputation for ability and integrity. led in 1896, leaving two sons, Mohammad Khan and Imam Bakhsh Khan Muhammad Masu Khan, cousin of Asad Khan, was a man of influence in Sangarh Tahsil where he excavated the Masuwah Canal at his xpense subsequently selling, it to Government of finding lf unable to manage it successfully. He died Childless in 1885.

GAZETTEER OF THE DERA GHAZI KHAN DISTRICT, Revised Edition 1893-97, Compiled and Published by Authority of the Punjab Government. Lahore, "Civil and Military Gazette" PRESS, 1898

ضمیمہ (۲)

REVISED PEDIGREE TABLES

OF THE

FAMILIES MENTIONED

IN

GRIFFIN'S PUNJAB CHIEFS

AND

MASSY'S "CHIEFS & FAMILIES OF NOTE IN THE PUNJAB."

SANG-E-MEEL PUBLICATIONS
20 - SHAHRA-E-PAKISTAN (LOWER MALL), LAHORE - 2 PAKISTAN

ضمیمہ (۳):

Copy of a letter No. 20640 Pol/Genl, dated 7th September 1932, from the Chief Secretary to Government, Punjab, to the Commissioner, Multan Division.

Subject:- Succession of Sardar Muhammad Azim Khan to his father Sardar Muhammad Khan Nutkani's seat in Divisional Durbar.

I am directed to refer to your endorsement No. LXXIX-80-60, dated the 17th of August 1932, transmitting for the orders of Government a recommendation made by the Deputy Commissioner of Dera Ghazi Khan that Sardar Muhammad Azim Khan be allowed to succeed to his father's seat in Divisional Durbar.

2. In reply, I am to inform you that His Excellency the Governor is pleased to accept Sardar Muhammad Azim Khan as a Divisional Durbari in succession to his father the late Sardar Muhammad Khan Nutkani and to assign to him a place corresponding to No. 20 on the list of Divisional Durbaris of the Multan Division corrected up to the 15th of July 1931.

Copy of an endorsement No: LXXIX-80-111-61 dated the 14th September 1932 by the Commissioner, Multan Division.

Copy forwarded to the Deputy Commissioner, Dera Ghazi Khan for information, with reference to the correspondence ending with his confidential letter No 60, dated 5th August 1932.

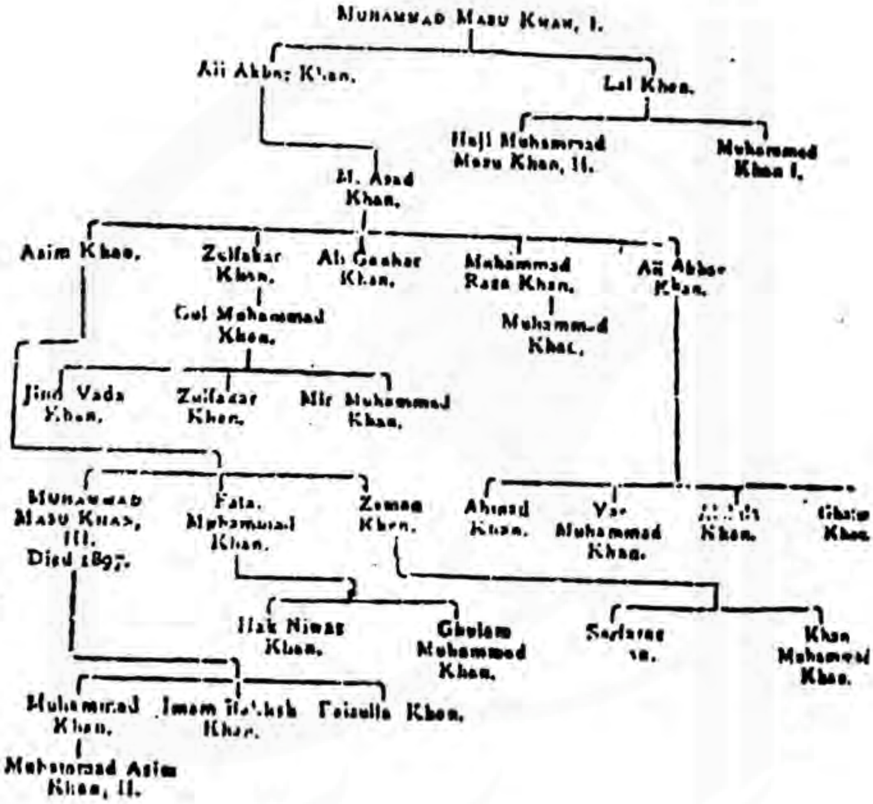
No: 4197
Deputy Commissioner's Office
Dated Dera Ghazi Khan the 24th September 1932.

Copy forwarded to Sardar Muhammad Azim Khan Nutkani, Mangrotha in the Sanghar Tahsil, Dera Ghazi Khan district, for information.

[signature] Supdt.,
For Deputy Commissioner.

DERA GHAZI KHAN DISTRICT.

MUHAMMAD MASU KHAN, KUTKANI.



نوادرِ اقبال*

جعفر بلوچ

مکتوب بنام مدیر زمیندار

ذیل کا مکتوب حضرت علامہ اقبال نے مولانا ظفر علی خان اڈیٹر زمیندار کو لکھا تھا۔ اس خط میں جسٹس محمد شاہ دین ہمایوں (۱۸۶۸ء - ۱۹۱۸ء) کی ایک نظم بعنوان "عدن" "تحسین آمیز کلمات کے ساتھ مدیر زمیندار کو اشاعت کی غرض سے بھجوائی گئی تھی۔ ہمایوں کا مجموعہ کلام "جذبات ہمایوں کے نام سے چھپ چکا ہے۔ ان کے بیٹے میاں بشیر احمد نے اپنے والد محترم کی یادگار کے طور پر ۱۹۲۲ء میں مشہور ادبی ماہنامہ ہمایوں جاری کیا تھا جو ۱۹۵۷ء تک نکلتا رہا۔

مکرمی جناب اڈیٹر صاحب زمیندار

عدن کے عنوان سے جناب قبلہ آنریبل مولوی جسٹس شاہ دین صاحب جج عدالت عالیہ پنجاب کی ایک نظم جو نہایت معنی خیز ہے، اتفاق سے میرے ہاتھ آگئی ہے۔ یہ نظم جس کو اشاعت کے لیے آپ کی خدمت میں ارسال کرتا ہوں، مولوی صاحب موصوف نے ۱۵/اگست ۱۹۱۲ء کے روز لکھی تھی جب کہ وہ ولایت تشریف لے جارہے تھے۔ عدن دیکھ کر ان کے قلب میں ان تمام روایات کی یاد تازہ ہو گئی جو اس سرزمین کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان اشعار میں ایک نہایت

---

* سہ ماہی اقبالیات، شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۳۶، جنوری ۱۹۹۶ء۔

دلفریب طریق میں انھوں نے تاثرات کا اظہار کیا ہے جو ہر مسلمان کے دل میں خوابیدہ یا بیدار ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ نظم نہایت دل چسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی۔

محمد اقبال

عدن

نہیں گو لائق توصیف منظر اے عدن تیرا
مگر تو ہے عرب میں اور یہی ہے بانکپن تیرا
مسلماں کی نظر میں پھول ہے خار چمن تیرا
زباں شیریں تری، مرغوب انداز سخن تیرا
پہاڑوں میں ترے غار حرا کا راز پنہاں ہے
کہاں وہ باب عالی ہے کہ تو اک جس کا درباں ہے
وہ دن ہیں یاد تجھ کو جب عجب دنیا کی حالت تھی
ہر اک قوم اور ملت غرق دریائے جہالت تھی
مشائخ میں حسد تھا اور قبیلوں میں عداوت تھی
عرب کی سرزمیں سب تشنہ آب اخوت تھی
یکایک جانب بطحا سے اُٹھا ابر رحمت کا
ہرا کشت جہاں کو کر گیا دریا رسالت کا
صداقت ہو گئی عریاں کہ دنیا اس کو پہچانے
نہ بت خانے رہے باقی نہ بت خانوں کے افسانے
مہذب بن گئے علم و عمل سے تھے جو بیگانے
ہوئے ہم رشتہ پھر بکھری ہوئی تسبیح کے دانے
بنی آدم بنا انساں جہاں میں انقلاب آیا
سوال اولین کا عرش اعظم سے جواب آیا

مگر افسوس فصل گل کا انجام آ گیا جلدی
مہ اسلام پر ابر تنزل چھا گیا جلدی
وہ مذہب قوم یخ بستہ کو جو گرما گیا جلدی
برنگ نور آیا بن کے پھر سایا گیا جلدی
چمک کر چھپ گئی بجلی جہاں کی آنکھ حیراں ہے
جو تھا باغ ارم وہ آج اک اجڑا بیاباں ہے
عدن پھر تجھ میں آبادی کے آثار اب نمایاں ہیں
پھرے دن ان کے بھی اسلام کے جو خانہ ویراں ہیں
پڑے ہر سو نظر آتے جو کچھ تنکے پریشاں ہیں
عجب کیا خوش نما سے اک نشیمن کے یہ ساماں ہیں
ہمایوں اس چمن میں پھر بہار آئے عجب کیا ہے
نکل کر گرد سے اک شہسوار آئے عجب کیا ہے

(زمیندار، ۲۹ر دسمبر ۱۹۱۲ء)

اقبال کے دو محذوف اشعار

جنگ عظیم اول کے بعد استعمار کوش اتحادیوں (برطانیہ، فرانس، روس) نے ترکی کے حصے کرے اور خلافت عثمانیہ کو سازشوں سے ختم کرکے متعدد اسلامی ممالک پر قبضہ کرلیا تھا۔ دنیائے اسلام شدید کرب و اضطراب سے دوچار تھی۔ انھی دنوں بر عظیم میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ حضرت علامہ اقبال ان دنوں بظاہر خاموش تھے۔ جناب محمد حسین عرشی امرتسری، مولانا ظفر علی خان اور حکیم طغرائی امرتسری کے اصرار اور منظوم تحریک پر حضرت علامہ نے چھے اشعار کی ایک غزل کہی کو یکم رجون ۱۹۲۰ء کو روزنامہ زمیندار میں شایع ہوئی۔ ان اشعار کا عنوان تھا "ہندوستان کی نذر... رسول اللہ ﷺ کے دربار میں اقبال کے ہاتھ سے" اشعار درج ذیل ہیں:

شعلہ در آغوش دارد عشق بے پروائے من
بر نخیزد یک شرار از حکمت نازائے من

چوں تمام افتد سراپا ناز می گردد نیاز
قیس را لیلی ہمی نامند در صحرائے من[1]
تا دمِ گرمم از تاب ایں چمن افزوں ترست
نغمہ شوخم بخود می پیچد اندر نائے من
ملک (؟) را از جرعہ باز آتشے در گیر کن
ساقی من جام من، مینائے من صہبائے من[2]
تیغ لا در پنجہ این کافر دیرینہ دہ
باز بنگر در جہاں ہنگامہ الائے من
بہر دہلیز تو از ہندوستان آوردہ ام
سجدہ شوقے کہ خوں گردید در سیمائے من[3]

---

[1] ترجمہ:

ایک شعلہ کا امیں ہے عشق بے پروا مرا
قطعہ کوئی شرارہ بھی نہیں رکھتا مرا
ناز بن جاتا ہے جب تکمیل پاتا ہے نیاز میرا
اس لیے کہتا ہے لیلیٰ قیس کو صحرا مرا

[صدیقی، ص ۷۱۲، ۷۱۳]

[2] ترجمہ

میری گرم سانس اس چمن کی برداشت سے زیادہ ہے
میں تیز نغمہ میری نے کے اندر ہی چکر کھاتا رہتا ہے
ملک کو ایک گھونٹ سے پھر آگ لگا دے
میرا ساقی، میرا جام، میری صراحی، میری شراب

[مترجم: محمد سہیل عمر]

[3] ترجمہ:

تیغ لا اس کافر دیرینہ کے پنجے میں دے
دیکھ پھر آفاق میں ہنگامہ الّا مرا
آستاں پر تیرے ہندستان سے لایا ہوں میں
میری پیشانی میں جو خوں ہو گیا سجدہ مرا

[صدیقی، ص ۷۱۳]

اب غزل ترمیم و اضافہ کے ساتھ پیام مشرق میں شامل ہے لیکن غزل کا تیسرا اور چوتھا شعر (یعنی تا دم گرم... الخ اور ملک راز جرعہ...الخ) پیام مشرق کی ترتیب کے وقت حذف کر دیئے گئے تھے اور اب یہ تبرکات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مکتوب بنام پروفیسر فضل حق

ذیل کا خط حضرت علامہ نے ۲۱ر جولائی ۱۹۲۴ء کو خان صاحب پروفیسر قاضی حق کے نام تحریر کیا تھا۔ اس خط کی فوٹو سٹیٹ [عکسی] نقل ہمیں خان صاحب کے پوتے جناب رجل حق محمود کے توسط سے دستیاب ہوئی ہے۔ موصوف اس عنایت پر اہل ادب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

خان صاحب پروفیسر قاضی فضل حق موضع حاجی والا ضلع گجرات (پنجاب) میں ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے۔ جلال پور جٹاں سے میٹرک کیا۔ ۱۹۰۹ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے اور ۱۹۱۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (عربی) کا امتحان پاس کیا۔ عربی میں امتیازی حیثیت سے ایم اے کرنے پر آپ کو میکلوڈ عریبک ریسرچ سکالر شپ [عربی تحقیقی وظیفہ] ملا اور آپ اس مضمون میں مزید تعلیم و تحقیق کے لیے ریسرچ ایسوسی ایٹ [شریک تحقیق] کے طور پر ۱۹۱۲ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی [جامعہ] تشریف لے گئے۔ وہاں جرمن پروفیسر ڈاکٹر جوزف ہورووٹز آپ کے نگران تھے۔ جولائی ۱۹۱۳ء میں آپ نے پی۔ایچ۔ڈی کا امتحان پاس کیا اور گورنمنٹ کالج راجشاہی (بنگال) میں عربی اور فارسی کے لیکچرر [مدرس] مقرر ہوئے۔ دسمبر ۱۹۱۴ء میں آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں فارسی کے پہلے مستقل لیکچرر مقرر کیے گئے اور ترقی کرتے کرتے سینئر [بڑے] پروفیسر [استادِ اعلیٰ] بڑے اور صدر شعبہ بنے۔ یکم جنوری ۱۹۳۴ء کو ہند کی مرکزی حکومت نے آپ کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کو خان صاحب کا خطاب دیا۔ خان صاحب باون برس کی عمر میں ۳۰ر جولائی ۱۹۳۹ء کو بعارضہ نمونیہ فوت ہوئے اور اپنے آبائی گاؤں میں سپرد خاک کیے گئے۔

خان صاحب پروفیسر قاضی فضل حق نے فارسی اور پنجابی زبان و ادب پر گراں قدر تحقیقی و تنقیدی کام کیا ہے۔ مڈل میٹرک اور ایف اے [بارہویں] کے لیے آپ نے تدریسی کتابیں

بھی مرتب فرمائیں جو اپنے حسن انتخاب و ترتیب اور افادیت کے باعث بہت مقبول ہوئیں۔ آپ کی اہم مطبوعہ تصانیف میں سر گزشت مرد حسیس (مرتبہ) چھٹیاں دی وار (مرتبہ) اور سخن وران ایران (تنقید و تحقیق) خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ (مزید معلومات کے لیے دیکھیں گورنمنٹ کالج لاہور کا علمی و ادبی مجلّہ راوی باب ۱۹۸۵ء) حضرت علامہ اقبال سے خان صاحب کے دوستانہ مراسم تھے۔ بی اے اور ایم اے (فارسی) کے امتحانی پرچوں کو مرتب کرنے اور جانچنے میں حضرت علامہ اور خان صاحب اکثر شریک کار ہوا کرتے تھے۔ مکتوب ذیل بھی اسی سلسلہ مراسم میں لکھا گیا۔ اصل خط بہت خستہ اور شکستہ حالت میں ہے۔ بعض الفاظ قیاساً پڑھے گئے۔

Dr. Sir Muhammad Iqbal — Lahore
M.A. Phd.D L.L.D — Dated
Barrister-at-Law — 21st July 1924

Dear Qazi Sahib

I am sending you script of paper vi (M.A - Persian). If You agree with me please sign all the papers and send them directly to the University (under) registered and insured cover Please also transcribe a copy for the ----- to the rules made and enforced this year.

You Sincerely
Mohammad Iqbal
Lahore[1]

---

[1] ترجمہ:

ڈیر قاضی صاحب

ایم اے (فارسی) کے پرچے کا متن ارسال کر رہا ہوں۔ اگر آپ متفق ہوں تو تمام کاغذات پر دستخط کرکے یونیورسٹی کو براہِ راست بذریعہ رجسٹری انشورنس [بیمہ] ڈاک بجھوادیں۔ براہِ کرم ان کی ایک نقل کروا لیجیے تاکہ اس سال سے نافذ ہونے والے قوانین کی شرائط بھی پوری ہو جائیں۔

مخلص محمد اقبال

لاہور

[مترجم: محمد سہیل عمر]

علامہ اقبال کی ایک تقریر (بسلسلہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی)

کشمیر اور اس کے معاملات و مسائل سے حضرت علامہ اقبال کو شروع ہی سے دلچسپی تھی۔ بیسویں صدی کے عشرۂ اول میں لاہور آل انڈیا کشمیر کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کانفرنس کے غیر مؤثر ہو جانے پر شملہ میں ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنائی گئی تھی جس کے بارے میں حضرت علامہ کا پہلے یہ خیال تھا کہ یہ عارضی اور ہنگامی طور پر قائم کی گئی ہے۔ اس کمیٹی کے صدر مرزا بشیر الدین محمود تھے۔ کمیٹی کے بعض ارکان کے مطالبہ پر کمیٹی کے نئے انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مرزا بشیر الدین محمود مستعفی ہو گئے اور عارضی طور پر حضرت علامہ کو اس کمیٹی کا صدر اور ملک برکت علی کو سیکرٹری بنایا گیا۔ اس کمیٹی کے آئین و ضوابط کی تشکیل کے لیے محمڈن ہال میں ایک جلسہ کیا گیا۔ لیکن اس جلسہ میں مرزائیوں نے نامعقول رویہ اختیار کیا جس سے یہ تاثر ابھرتا تھا کہ قادیانی حضرات اپنی مذہبی اور سیاسی اغراض کے لیے کمیٹی کے اندر قادیانی حلقہ کی ایک اور کمیٹی بنانا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت علامہ نے اس کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی تشکیل کے لیے عام جلسہ منعقد کریں۔ چنانچہ ۲ر جولائی ۱۹۳۳ء کو رات کے نو بجے باغ بیرون دہلی دروازہ میں مسلمانانِ لاہور کا ایک عظیم الشان جلسہ میاں عبدالعزیز صدر بلدیہ لاہور کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں حضرت علامہ کے علاوہ مولانا ظفر علی خان، ملک برکت علی اور صدر جلسہ نے تقاریر کیں اور ایک نئی آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنائی گئی جس میں مرزائیوں کو شامل نہ کیا گیا۔ اس جلسہ کی مفصل کارروائی روزنامہ زمیندار لاہور بابت ۱۰ر جولائی ۱۹۳۳ء میں شایع ہوئی تھی۔

علامہ اقبال کی تقریر

علامہ اقبال نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہونے کے اسباب و علل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس سلسلہ میں ایک بیان اخبارات میں شایع کرا چکا ہوں اور بعض اخبارات نے میرے اس بیان پر تنقید کی ہے مرزا بشیر الدین محمود کی طرف سے بھی میرے اس بیان کا جواب دیا ہے۔ جواب الجواب کے لیے میں اخبار کے صفحات کے بجائے اس جلسہ کو ترجیح دیتا ہوں جو میرے مشورہ کے مطابق مسلمانانِ لاہور نے منعقد کیا ہے۔ علامہ اقبال نے

کہا کہ مسلمانوں میں ابھی سیاسی زندگی کا آغاز ہے اس لیے ضروری ہے جمہور اسلام ہر معاملہ پر اچھی طرح غور کریں اور ان کے سامنے تمام مسائل پر پوری روشنی ڈالی جائے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذاتی اختلافات مٹا کر ایک ہو جائیں اور سیاسیاتِ حاضرہ کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنے لیے مفید راہ تلاش کریں۔

آپ نے کہا کہ پچیس تیس سال ہوئے جب لاہور میں آل انڈیا کشمیر کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اور اس کانفرنس میں صرف اہل خطہ حضرات اور کشمیری قومیت رکھنے والے شامل ہو سکتے تھے۔ میں نے اس وقت بھی اس امر سے اختلاف کا اظہار کیا تھا اور میری رائے تھی کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنائی جائے جس میں ہندوستان کے وہ تمام افراد شامل ہو سکیں جو اہل کشمیر سے ہمدردی رکھتے ہوں۔ چنانچہ میں اس کانفرنس میں شامل نہیں ہوا۔ اس کانفرنس نے کشمیر کے مسلمان لڑکوں کو تعلیم سے بہرہ ور کرنے کی کوشش کی لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو ریاست میں ملازمتیں نہ ملیں۔ چنانچہ وہاں اضطراب پیدا ہوا اور زبردست تحریک شروع ہو گئی۔ اس تحریک کے جاری کرنے کا الزام میرے اور سر محمد شفیع مرحوم کے سر تھوپا گیا۔ ان دنوں میں شملہ میں تھا۔ وہاں پر ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ چونکہ عام طور پر خیال تھا کہ اس کمیٹی کی ضرورت چند روز کے لیے عارضی طور پر ہو گی، اس لیے اس کا کوئی آئین یا ضابطہ نہ بنایا گیا اور اس کے صدر مرزا بشیر الدین محمود مقرر ہوئے۔ کشمیر کے اندرونی حالات کے تغیر کے طول پکڑ جانے کے باعث اس کمیٹی کے کام کو جاری رکھنا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تین چار سال تک یہ حالات درست نہ ہو سکیں گے اور کشمیر کمیٹی کو زندہ رکھنے کی ضرورت باقی رہے گی۔

قادیانیوں کی ضرورت

شملہ میں قائم ہونے والی عارضی کمیٹی کے صدر مرزا بشیر الدین محمود تھے جن سے کمیٹی کے بعض ارکان کو اختلاف پیدا ہوا۔ اور تجویز کی گئی کہ نئے انتخابات عمل میں لائے جائیں۔ مرزا صاحب نے استعفیٰ دے دیا اور کمیٹی نے عارضی طور پر مجھے صدر اور ملک برکت علی کو سیکرٹری مقرر کر دیا تھا کہ کمیٹی کے ضوابط مرتب کر کے عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں لایا جائے۔ اس کے بعد محمڈن ہال میں ایک جلسہ ہوا۔ جس میں کمیٹی کے ضوابط کا آئین پیش کیا گیا۔

کے رکن رہے۔ اس دوران انھوں نے لیجسلیٹو کونسل میں شہری و دیہاتی چپقلش کا بغور جائزلیا جو دراصل یونینسٹ پارٹی کی پیدا کردہ تھی۔

۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد کا تکملہ قائدا عظم کے نام اقبال کے ان دو خطوط سے ہوتا ہے جو انھوں نے قائدا عظم کو ۲۸ر مئی ۱۹۳۷ء اور ۲۱ر جون ۱۹۳۷ء کو لکھے۔ اس سے ایک سال قبل اپنی شدید علالت کے باوجود انھوں نے قائدا عظم کی جانب سے [آل انڈیا] مسلم لیگ مرکزی پارلیمانی بورڈ [مجلس] کا رکن بننے کی دعوت منظور کرلی تھی۔ ۱۸ر جون ۱۹۳۶ء کو مسلم لیگ کونسل اور مرکزی پارلیمانی بورڈ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے قائدا عظم نے مسلم لیگ کا انتخابی منشور منظور کرایا۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ [مسلم] لیگ کے مرکزی پارلیمانی بورڈ کو اس لیے تشکیل دیا گیا تھا تاکہ حکومت برطانیہ کی جانب سے ۱۹۳۷ء میں منعقد ہونے والے انتخابات میں حصہ لیا جاسکے۔ اسی مرکزی پالیمانی بورڈ کے تحت صوبائی بورڈ تشکیل دیے گئے اور اقبال کو پنجاب پراونشل [صوبائی] پارلیمانی بورڈ کا صدر نامزد کیا گیا تھا۔[1] ۸ر مئی ۱۹۳۶ء کو مسلم لیگ اور قائدا عظم کی حمایت میں اور مؤخر الذکر کی خدمات کو شاندار خراج پیش کرتے ہوئے ایک اپیل مسلمانانِ پنجاب کے نام ایک پمفلٹ کی شکل میں شایع کی گئی تھی۔ اس اپیل کا متن گفتارِ اقبال (مرتبہ رفیق افضل) کے ص ۲۰۵-۲۰۳ پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اس اپیل پر ۱۵ر حضرات کے دستخط تھے جن میں سر فہرست اقبال کے دستخط تھے۔ اس مشترکہ اپیل کے علاوہ اقبال نے پراونشل پارلیمانی بورڈ کے صدر کی حیثیت سے اپنے انفرادی حوالے سے ایک الگ اپیل بھی مسلمانانِ پنجاب کے نام کی تھی۔ یہ اپیل خط کی صورت میں آل انڈیا مسلم لیگ مینی فسٹو [منشور] کے آغاز میں شایع ہوئی جو ایک پمفلٹ کی صورت میں میکلیگن پریس لاہور نے شایع کیا تھا۔ یہ پمفلٹ مجھے ممتاز محقق جناب خلیل الرحمٰن داؤدی نے مرحمت کیا۔ ان کے تشکر کے ساتھ ذیل میں علامہ کی اپیل مؤرخہ ۸ر جولائی ۱۹۳۶ء کا متن مع عنوان درج کیا جاتا ہے:

---

[1] یہ معلومات بیشتر جاوید اقبال کی زندہ رود (جلد سوم) [لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء] سے ماخوذ ہیں۔

کمیٹی کی جگہ ایک آل انڈیا مسلم سٹیٹ ڈیفنس کمیٹی بنائے جائے جو تمام ریاستوں میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا کام اپنے ذمہ لے۔

حالی میموریل فنڈ کے لیے اپیل

۲۶، ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو مولانا الطاف حسین حالی کی صد سالہ سالگرہ پانی پت میں منائی گئی تھی۔ حضرت علامہ اقبال اس تقریب میں شرکت کی غرض سے پانی پت تشریف لے گئے تھے اور وہاں انھوں نے نواب حمید اللہ خان آف بھوپال کی صدارت میں اپنا وہ مشہور قطعہ پڑھا تھا جس کے آخری دو شعر یہ ہیں:

طواف مرقد حالی سزد ارباب معنی را
نوائے او بجاں ہا فگند شورے کہ من دانم
بیا تا فقر و شاہی در حضور او بہم سازیم
تو بر خاکش گہر افشاں و من برگ گل افشانم[1]

اسی جشن سالگرہ کے سلسلہ میں بعض اکابر ملک وملت کی طرف سے ذیل کی اپیل بعنوان "زندہ دل محبان ملک وملت کی خدمت میں اپیل" ۲۳ ستمبر ۱۹۳۵ء کو جاری کی گئی تھی۔ اس اپیل [التجا] کا مقصد حالی میموریل فنڈ [یادگاری سرمایہ] کو مالی طور پر زیادہ مستحکم کرنا تھا۔ اس اپیل پر دیگر زعما کے ساتھ حضرت علامہ اقبال نے بھی دستخط فرمائے تھے۔

زندہ دل محبان ملک وملت کی خدمت میں اپیل

آپ کو معلوم ہوگا کہ ۲۶، ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو پانی پت میں مولانا الطاف حسین حالی مرحوم کی صد سالہ سالگرہ کا جشن منعقد ہو رہا ہے۔ حالی مرحوم ان بزرگوں

---

[1] ترجمہ:
اربابِ معنی کے لیے حالی کے مزار کا طواف جائز ہے
اس کی آواز نے دلوں میں وہ شور اُٹھایا جسے میں جانتا ہوں
آؤ، درویشی اور شاہی اس کے حضور اکٹھی کر دیں
تو اس کی قبر پر موتی نچھاور کر اور پھول کی پتیاں چھڑک دوں

[مترجم: محمد سہیل عمر]

میں سے تھے جن کی ذات انفرادیت کے گرداب سے نکل کر حیات قومی کے محیط بیکراں میں اس طرح گھل مل جاتی ہے کہ جب تک ان کی قوم زندہ رہتی ہے، وہ بھی زندہ رہتے ہیں۔ خدا کے فضل سے حالی کی قوم زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔ وہ آج اپنے شاعر کی صد سالہ سالگرہ منا رہی ہے اور ہر سو سال کے بعد اسی طرح مناتی رہے گی۔ ان شاء اللہ الحیی القیوم

حالی ملت کا دل اور ملک کی زبان تھا۔ امید و بیم کی لہریں جو قلب ملت کی گہرائیوں میں پیدا ہوئیں، حالی کے دل میں مد و جزر بن کر اٹھیں اور دیس کا ترانہ جو ملک کے لبوں تک آکر رہ جاتا تھا، حالی زبان سے حب وطن بن کر نکلا۔ حالی کی یاد اصل میں اس انقلاب کی یاد ہے، جو قوم کے مزاج اور ملک کے مذاق میں پچھلی صدی کے آخر میں پیدا ہوا۔ جشن حالی، ملک اور قوم کی بیداری کا جشن ہے۔

حالی، سر سید مرحوم کا دست و بازو تھا جنھوں نے قومی تعلیم کے ذریعہ اصلاح و ترقی کی بنیاد ڈالی اور اس بنیاد پر ایک رفیع الشان عمارت کھڑی کر دی۔ تعلیمی کانفرنسوں [مجلسوں] میں جہاں سر سید کی بارعب آواز گونجتی تھی اور ہماری سوئی ہوئی عقلوں کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیتی تھی، وہاں حالی کی پُر سوز آواز بھی لپکتی تھی اور ہمارے بجھے ہوئے دلوں میں آگ لگا دیتی تھی۔ قومی تعلیم میں جب تک سر سید کا ڈنکا بجتا ہے، حالی کا سکہ بھی چلتا رہے گا۔

جو تعلق حالی کو قومی تعلیم سے تھا، اسے دیکھتے ہوئے، جشن حالی کی صدارت کے لیے قومی تعلیم کے گل سر سبد ہز ہائینس [عالی مرتبت] فرمان روائے بھوپال خلد اللہ کا انتخاب قوم کے حسن انتخاب اور خوش نصیبی کی دلیل ہے۔ ہز ہائینس کو ان کی مادر مہربان علیا حضرت نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ جنت مکانی نے رئیسوں کے مدرسے میں تعلیم دلانے کی بجائے سب سے بڑی قومی تعلیم گاہ میں بھیجا جہاں سے وہ سچے سردار قوم اور محب وطن بن کر نکلے۔ ہز ہائینس کا منتظمین جشن حالی کی درخواست کو شرف قبول بخشا اور اس جشن کی صدارت قبول فرمانا اتنا بڑا احسان ہے جس کا شکریہ ساری قوم کو مل کر (ادا۔ جعفر) کرنا چاہیے۔

ہم کل محبان ملک و ملت اور حامیان علم و تعلیم سے پُر زور اپیل کرتے ہیں کہ جشن حالی کو کامیاب بنانے کے لیے کوئی امکانی کوشش اٹھا نہ رکھیں۔ ہمیں امید ہے کہ ملک کے ہر گوشہ سے ارباب ذوق پانی پت تشریف لا کر ۲۶، ۲۷ / اکتوبر کو جشن حالی میں شریک ہوں گے اور ملک کی کل انجمنیں اور تعلیم گاہیں اپنے اپنے نمایندوں کو اس مبارک تقریب میں شرکت کے لیے بھیجیں گی۔

ہم اس موقع پر اہل ہمت کو حالی میموریل فنڈ کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو بیس سال سے حالی مرحوم کے وطن پانی پت میں نہایت قابل قدر علمی اور تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جس کی نگرانی میں حالی مرحوم ہی کا قائم کیا ہوا ایک ہائی اسکول اور متعدد ابتدائی مدارس اور ایک علمی رسالہ اور ایک کتب خانہ چل رہا ہے۔ زندہ دل اہل ملک سے یہ توقع ہے کہ وہ اس موقع پر حالی میموریل فنڈ کے لیے اتنا سرمایہ فراہم کر دیں گے کہ وہ آئے دن کی مالی پریشانیوں سے نجات پا کر اپنا کام اطمینان سے انجام دے سکے۔ ہم تمام قومی اخباروں سے اپیل کرتے ہیں کہ اپنے ناظرین کو جشن حالی کی شرکت اور حالی میموریل فنڈ کی امداد پر آمادہ کر کے حب قومی کا ثبوت دیں۔ جشن میں شرکت کی اطلاع اور میموریل فنڈ کا چندہ خواجہ سجاد حسین صاحب بی۔اے سابق انسپکٹر مدارس و آنریری سیکرٹری حالی ایسوسی ایشن و سیکرٹری استقبالیہ کمیٹی حالی سینٹری پانی پت کے پتہ سے بھیجنا چاہیے۔

الملتمسین

(نواب صدر یار جنگ بہادر) محمد حبیب الرحمان (خان شروانی)، (مولانا خواجہ حسن نظامی (ڈاکٹر) ذاکر حسین خان (پرنسپل جامعہ ملیہ)۔ (علامہ ڈاکٹر سر) محمد اقبال، (علامہ عبداللہ یوسف علی، (کرنل سر پنڈت) کیلاش نرائن ہکسر (پولیٹکل ممبر کونسل، گوالیار)۔ (مولانا سید) سلیمان ندوی، (ڈاکٹر مختار احمد انصاری (آنریبل خان بہادر صاحبزادہ نواب سر) عبدالقیوم خان، (ڈاکٹر) ضیاء الدین (وائس چانسلر [امیر جامعہ] مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) (بریگیڈیر) سی۔ایس۔

ٹیوٹ (صاحب بہادر شملہ)۔ (محترمہ) بیگم شاہنواز (صاحبہ)۔ (مولوی) عبدالحق (صاحب بی اے۔علیگ۔ سیکرٹری انجمن ترقی اردو اورنگ آباد) (ڈاکٹر سر) سید راس مسعود (وزیر تعلیمات گورنمنٹ بھوپال)۔ (مسٹر) ہالنس (صاحب بہادر۔ ڈائرکٹر جنرل محکمہ پولیس گورنمنٹ)۔ ہز اگزالٹیڈ ہائی نس حضور نظام خلد اللہ ملکہ، حیدرآباد دکن) (نواب حیدر نواز جنگ بہادر سر)۔ محمد اکبر نذر علی حیدری (حیدرآباد دکن) سجاد حسین آنریری سیکرٹری۔ حالی مسلم ہائی سکول پانی پت)

پانی پت

۲۳؍ ستمبر ۱۹۳۵ء

(روزنامہ شمس، ملتان بابت ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۳۵ء، ص ۲)

Dr. Sir Muhammad Iqbal
[illegible]

[illegible]

[illegible] 1934

[illegible]

[illegible]

Yours sincerely,
Muhammad Iqbal

Letter of Dr. Sir Iqbal still not pai published

اقبال کا خط اور ایک دلچسپ علمی مباحثہ*

پروفیسر ریاض حسین

روز نامہ انقلاب لاہور نمبر۶ جلد۲ بتاریخ ۲۴ر ستمبر ۱۹۲۷ء میں "نذر اقبال" کے عنوان سے ایک نظم مصنفہ جناب اصغر حسین خان صاحب نظیر لدھیانوی چھپی تھی جس میں یہ شعر درج تھا:

اے کہ سینا ذرہ از تاب تو
نعرہ ارنی زنم بر باب تو

اس شعر پر مولانا عبدالمجید سالک مدیر انقلاب نے یہ نوٹ لگا دیا:

ارنی میں رائے متحرک ہے، خدا جانے نظیر صاحب نے ساکن کیوں باندھی۔

اس نوٹ پر اچھی خاصی علمی بحث کا آغاز ہو گیا جس کا چرچا انقلاب کے کالموں میں مدت تک رہا۔

مندرجہ بالا نظم کے شایع ہونے کے چند روز کے اندر ہی حضرت علامہ اقبال نے ایک خط مدیر انقلاب کے نام ارسال کیا جو انقلاب بتاریخ ۲۸ر ستمبر ۱۹۲۷ء میں شایع ہوا یہ خط علامہ کے خطوط کے کسی مطبوعہ مجموعے میں شامل نہیں ہے اور انقلاب کے کالموں سے براہِ راست پہلی دفعہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۲ جلد نمبر ۴۰، جولائی ۱۹۹۹ء۔

حضرت علامہ نے لکھا:

ڈیر سالک!

ٹیک چند بہار نے ابطال ضرورت میں رب ارنی پر مفصل بحث کی ہے۔ افسوس اس وقت ابطال ضرورت کا کوئی نسخہ میرے پاس موجود نہیں بہر حال یہ صحیح ہے کہ اساتذہ عجم نے رب ارنی کی رائے ثانی کو بسکون بھی استعمال کیا ہے۔

سالک، لاہوری، سالک یزدی کا شعر ملاحظہ فرمائیں:

مرغ ارنی گو ز شوق لن ترانی پر زند
پیش موسیٰ خار خار وادی ایمن گل است[1]

اصغر حسین کے شعر میں کوئی غلطی نہیں۔

والسلام

محمد اقبال

اسی تاریخ یعنی ۲۸ ر ستمبر ۱۹۲۷ء کے اخبار انقلاب میں جناب نظیر کا جواب بھی چھپا ہے جس میں انھوں نے صاحب غیاث کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے:

لفظ ارنی در فارسی بسکون رائے مہملہ نیز آمدہ چنانچہ در مخزن اسرار نظامی گنجوی گفتہ بیت موسیٰ ازیں جام تہی دید دست شیشہ بہ کہ پایۂ ارنی شکست۔[2]

---

[1] ترجمہ:
"ارنی" [مجھے دکھائیے] کا پرندہ اگرچہ شوق "لن ترانی" [تو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا] میں اڑتا ہے
موسیٰ کے لیے وادیٔ ایمن کا ایک ایک کانٹا پھول کی طرح ہے

[مترجم: محمد سہیل عمر]

[2] ترجمہ:
ارنی کا لفظ فارسی میں را کو ساکن باندھ کر بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ نظامی گنجوی کی مخزن الاسرار میں شعر ہے کہ:

موسیٰ ازیں جام تہی دید دست
شیشہ بہ کہ پایۂ ارنی شکست

ان دونوں جوابات کو نقل کرنے کے بعد مدیر انقلاب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت علامہ اگر محض سالک یزدی کی سند پر ہی اکتفا فرماتے تو کوئی بات نہ تھی لیکن اب کہ حضرت نے خود اپنی رائے بھی ظاہر فرمادی کہ "اصغر حسین صاحب کے شعر میں کوئی غلطی نہیں" تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حضرت کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کر دیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اساتذہ عجم بالعموم بعض عربی الفاظ میں جو من مانے تصرفات کرلیا کرتے ہیں آیا وہ سب ہمارے لیے سند قرار پا جائیں گے؟

مثلاً قاآنی نے ایک مقام پر استغفار کے بجائے ستغفار باندھا ہے اور غالباً اسی کے اتباع میں دورِ حاضر کا ایک ایرانی استاد بھی لکھتا ہے کہ:

بادشا از ستبداد چہ داری مقصود

تو کیا ہمیں بھی اختیار ہے کہ اختیار کے بجائے ختیار۔ انتظار کے بجائے نتظار اور استقلال کے بجائے ستقلال باندھ لیا کریں۔

حضرت علامہ اور مدیر انقلاب کے درمیان یہ مکالمہ اخبار انقلاب کے کالموں کی حد تک تو یہیں ختم ہو گیا۔ تاہم حضرت علامہ کے خط کا یہ جملہ کہ ٹیک چند بہار نے ابطال ضرورت میں رب ارنی پر مفصل بحث کی ہے افسوس اس وقت ابطال ضرورت کا کوئی نسخہ پاس موجود نہیں۔ میری جستجو کے لیے مہمیز کا کام دے گیا۔ میں نے ابطال ضرورت کا کوئی نسخہ اپنے طور پر تلاش کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری [جامعہ پنجاب کتب خانہ]، پنجاب پبلک لائبریری [عوامی کتب خانہ پنجاب] اور دیال سنگھ پبلک لائبریری میں کوشش کی۔ بیرون لاہور بعض احباب کو بھی لکھا کہ اپنے ہاں کے کتب خانوں میں ابطال ضرورت کے کسی نسخہ کا کھوج لگائیں۔ مگر یہ سب سعی لاحاصل ثابت ہوئی۔ آخر 'چراغ تلے اندھیرے' والا معاملہ ہو گیا۔ جہاں میں نے یہ کتاب کھوجنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی وہیں سے اس کا نسخہ برآمد ہو گیا۔ میرے اپنے ادارے گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور کی لائبریری میں ٹیک چند بہار

کی ابطال ضرورت کا ایک پرانا نسخہ محفوظ تھا۔ اس کتاب میں ٹیک چند بہار جو کہ لغت بہار عجم کے مصنف بھی ہیں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اساتذہ کرام خصوصاً بلغائے واجب الاعظام در کلمات تصرفہا کردہ اند و منظور ازاں تخفیف در لفظ و توسیع درانبیہ است و ایں از جہت کمال دستگاہ فن و اقتدار ایشان بر سخن بود نہ از جہت عجز طبیعت کہ آنرا در عرف ضرورت گویند۔[1]

اس عبارت کے تجزیے سے مندرجہ ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

ٹیک چند بہار ان تصرفات کی وجہ

۱۔ لفظوں کی کمی

۲۔ میدان شاعری کا وسیع ہونا

۳۔ کمال دستگاہ فن اور

۴۔ سخن پر قدرت

کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن بہادر مندرجہ ذیل کو تصرف کا جائز سبب نہیں مانتے:

۱۔ شاعر کی طبیعت کا عجز

۲۔ ضرورت شعری

چنانچہ جہاں کہیں بھی تصرفات شاعر کی عجز طبیعت یا ضرورت شعری کی وجہ سے ہوئے ہیں ٹیک چند بہار ان کو ناقابل قبول اور رموز کے خلاف سمجھتے ہیں۔

چونکہ علامہ نے اپنے خط میں ٹیک چند بہار کے اس نظریے کی توثیق کی ہے اس لیے سالک کی طرح ہمیں بھی بہار کے اس نظریے کو ماننے کے سوا چارہ نہیں۔ رموز شاعری پر بہار

---

[1] ترجمہ:

حضرات اساتذہ کرام خاص طور پر وہ واجب التعظیم حضرات جو بلاغت پر عبور رکھتے ہیں، ان کی طرف سے کچھ کلمات میں تصرف کیا گیا ہے، اور اس سے مقصود یہ تھا کہ لفظ میں تخفیف کے ساتھ انبیہ میں توسیع ہو جائے اور اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ ان کی طبیعت اس سے عاجز تھی یعنی عرف عام میں ضرورت کے تحت نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ ان کے فنی کمال اور قدرت کمال کا ثبوت تھا۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

کے اس اصول کو ہی علامہ کا اصول تنقید سمجھنا چاہیے۔ شعروں میں تصرفات کا موضوع قدیم، دلچسپ اور وسیع ہے۔ حضرت علامہ بھی اس موضوع میں بے حد دلچسپی رکھتے تھے اور ان کے احباب نے کئی مواقع پر تصرفات شعری پر ان کے ارشادات نقل کیے ہیں۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض دیگر مستند علما کی آرا بھی اس سلسلے میں ہدیہ قارئین کر دی جائیں۔

محمد بن قیس اپنے مشہور رسالہ معیار عجم فی اشعار عجم میں سیبویہ سے نقل کرتے ہیں کہ شعرائے عرب نے مواقع اور مواضع اضطرار میں بضرورت شعریہ دس قسم کے تصرفات کیے ہیں۔ علامہ زمخشری نے دس ضرورت شعریہ کو نظم کی شکل میں بیان فرمایا ہے:

ضرورته الشعر عشرته جملتها
وصل و قطع و تخفیف و تشدید
و قصر و مد و اسکان و تحریک
و منع صرف و صرف تمہ تعدید لہا[1]

جہاں تک تصرفات کی مختلف اقسام کا تعلق ہے ٹیک چند بہار نے تصرف کی تین اقسام بتائی ہیں:

۱۔ تصرف در لفظ فقط [صرف لفظی تبدیلی]
۲۔ تصرف در معنیٰ فقط [صرف معنیٰ میں تبدیلی]
۳۔ تصرف در لفظ و معنیٰ فقط [لفظ و معنیٰ دونوں میں تصرف]

مگر بن قیس اپنے مذکورہ بالا رسالہ میں سیبویہ سے نقل کرتے ہیں کہ شعرائے عرب نے مواقع ضرورت اور مواضع اضطرار میں بضرورت شعریہ دس قسم کے تصرف کیے ہیں۔

مولانا عبدالمجید سالک مدیر انقلاب نے اپنے شذرہ میں سوال کیا تھا "اساتذہ عجم علی العموم بعض عربی الفاظ میں جو من مانے تصرفات کر لیا کرتے ہیں وہ سب ہمارے لیے سند قرار پائیں گے؟... کیا ہمیں بھی اختیار ہے کہ اختیار کے بجائے ختیار، انتظار کے بجائے نتظار اور استقلال کے بجائے ستقلال باندھ لیا کریں؟"

---

[1] ترجمہ:
شعری ضرورت کے تحت کل دس طرح کے تصرف ہیں ملانا، کاٹنا، سکیڑنا، شدت لانا، چھوٹا کرنا، پھیلانا، ساکن کرنا، حرکت دینا، منع صرف اور ایسا پھیرنا کہ عام ہو جائے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

مندرجہ بالا سندات کی روشنی میں سالک کے ان سوالات کا جواب یہ قرار پاتا ہے کہ :

۱۔ غیر صاحب زبان اس امر کا مجاز اور مستحق نہیں کہ اہل زبان کے تصرفات پر قیاس کرکے دوسرے الفاظ پر اس قسم کا تصرف کرے مثلاً اگر قاآنی نے ایک مقام پر استغفار کے بجائے ستغفار باندھا ہے تو ہمیں یہ اختیار حاصل نہیں کہ ہم اس پر قیاس کرکے اختیار کو خیار باندھ لیں یا استقلال کا الف اڑا کر ستقلال کریں۔

۲۔ ایسے غیر صاحب زبان شاعر جن کو قدرت فن اور قدرت زبان حاصل ہے وہ ایسے تصرفات کرنے کے مجاز ہیں۔ اس کی سند ایک اور ذریعے سے بھی ملتی ہے۔ سراج الدین علی خان آرزو اپنے رسالہ سراج منیر میں تحریر فرماتے ہیں: "فارسی دانان ہند جنھیں قدرت فن حاصل ہے وہ بھی اس قسم کے تصرفات کرنے کے مجاز ہیں۔"

۳۔ حق یہی ہے کہ غیر اہل زبان کو چاہیے کہ وہ کتنا ہی کامل فن کیوں نہ ہو کسی دوسری زبان میں حق تصرف کو استعمال کرنے میں انتہائی احتیاط برتے۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ بھی اسی نظریے کے حامی تھے۔ لیکن اس عظیم علمی و ادبی بحث کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا۔ یہ موضوع مختصصین اقبال کی مزید تحقیق کا متقاضی ہے اس لیے بھی کہ اس میں خود حضرت علامہ کو تمام عمر گہری دلچسپی رہی۔

علامہ اقبالؒ کا ایک غیر مطبوعہ خط*

ڈاکٹر ندیم شفیق ملک

آل انڈیا مسلم لیگ، بر عظیم کی وہ واحد سیاسی جماعت ہے جس کی دستاویزات، مطبوعات اور دفتری مسلیں سب سے زیادہ بہتر طریقے سے محفوظ ہیں۔ اس بیش بہا ذخیرے میں مسلم لیگ کے سالانہ اجتماعات، مرکزی مجالس عاملہ اور مسلم لیگ کونسل [مجلس] کے اجلاسوں کی روودادیں، صدارتی خطبات، سالانہ جائزے، مختلف مواقع پر جاری ہونے والے قواعد و ضوابط، دستاویز اور منشور، مرکزی دفتر اور ہندستان کے مختلف حصوں میں قائم شدہ لیگ کی شاخوں کے مابین ہونے والی خط و کتابت وغیرہ شامل ہے۔ اس سارے لوازمے کو علیحدہ علیحدہ موضوعات اور عنوانات کے تحت پانچ سو سے زیادہ جلدوں میں محفوظ کیا جاچکا ہے اور ابھی ترتیب و تحقیق کا کام جاری ہے۔ مزید برآں تین ہزار کے قریب طبع شدہ مواد کی بھی درجہ بندی کی گئی ہے۔ ابتدا میں یہ تمام تر ذخیرہ آرکائیوز آف فریڈم موومنٹ کے نام سے جامعہ کراچی میں قائم شدہ ایک خصوصی شعبے میں محفوظ تھا مگر اب اسے قومی ادارہ برائے تحفظ دستاویزات اسلام آباد میں منتقل کر دیا گیا ہے اور اس کی نقول ملک کے بعض تحقیقی و علمی اداروں میں موجود ہیں۔[1]

---

* مجلہ بازیافت شمارہ نمبر ۱، جنوری ۲۰۰۲ء۔

1. تفصیلات کے لیے دیکھیے: محمود حسن صدیقی اور عقیل ظفر خان۔ اے ہینڈ بک آف آرکائیول میٹریل آن پاکستان فریڈم موومنٹ، مسلم لیگ ریکارڈز اینڈ پرائیویٹ کولیکشنز، کراچی، یونیورسٹی آف کراچی، ۱۹۸۸ء۔

آل انڈیا مسلم لیگ سے علامہ اقبال کی وابستگی، اس کی تشکیل سے کچھ بعد شروع ہوتی ہے اور علامہ کے آخری ایام تک یہ تعلق خاطر جاری رہا۔ ایک روایت کے مطابق جب ٦ مئی ۱۹۰۸ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی لندن شاخ کا قیام عمل میں آیا تو علامہ اقبال کو اس کی کمیٹی کا رکن منتخب کیا گیا۔[۲] بعد ازاں یہ تعلق مختلف صورتیں اختیار کرتا رہا، اور بطور صدر آل انڈیا مسلم لیگ (سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد ۱۹۳۰ء) رکن سنٹرل پارلیمانی بورڈ [مجلس] (۱۹۳٦ء) اور صدر اور سرپرست پنجاب پراونشل [صوبائی] مسلم لیگ، علامہ اقبال نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ چنانچہ آرکائیوز آف فریڈم موومنٹ میں علامہ اقبال کی سیاسی زندگی سے متعلق نہایت قیمتی مواد ملتا ہے جسے ابھی تک منظر عام پر نہیں لایا گیا۔[۳]

آرکائیوز آف فریڈم موومنٹ کی جلد نمبر ۴۸۴ حصہ سوم (۱۹۳۴ء)، آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ممبران کی جانب سے بیگم و سر آغا خان سوم کے اعزاز میں ٦افروری ۱۹۳۴ء بروز بدھ کو سوس ہوٹل [اقامت گاہ] دہلی میں دیے جانے والے ظہرانے سے متعلق خط وکتابت پر مشتمل ہے۔ اس مسل میں ایک سو سے زیادہ مدعوین کے خطوط موجود ہیں جن میں سید امجد علی، عبداللہ یوسف علی، سر عبداللہ المامون سہروردی، اے ایچ غزنوی، حاجی چودھری محمد اسمٰعیل خاں ایم ایل اے، حاجی سر محمد مہر شاہ ممبر کونسل آف سٹیٹ، ایم انوار العظیم ایم ایل اے، میجر نواب طالب مہدی خان ایم ایل اے، نواب محمد ابراہیم علی خان ایم ایل اے، محمد معظم ایم ایل اے، خان بہادر سید عبدالحفیظ ممبر کونسل آف سٹیٹ، عبدالمتین چودھری ایم ایل اے، حسین امام ایم ایل اے، میجر نواب احمد نواز خان آف ڈیرہ اسمٰعیل خان، نواب ملک محمد حیات خان نون، بیگم شاہ نواز، محمد یامین خان اور خان بہادر ملک اللہ بخش خان ٹوانہ نمایاں ہیں۔[۴]

---

[۲] بحوالہ ایس رضی واسطی، "فاؤنڈیشن آف دی لندن برانچ آف دی آل انڈیا مسلم لیگ" مشمولہ ندیم شفیق ملک (مرتبہ)، دی آل انڈیا مسلم لیگ، ۱۹۰٦-۱۹۴۷ء، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء، ص ٦۳۔

[۳] تفصیلات کے لیے دیکھیے: عبدالرشید ملک، علامہ اقبال کی مسلم لیگ سے وابستگی، غیر مطبوعہ مقالہ ایم فل اقبالیات، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۵ء۔

[۴] آرکائیوز آف فریڈم موومنٹ، جلد نمبر ۴۸۴، حصہ سوم، ص ٦۹-۸۰۔

اسی مسل میں ۴۰ سے زیادہ ان حضرات کے خطوط بھی موجود ہیں جنھوں نے مختلف وجوہ کی بنا پر اس ظہرانے میں شرکت سے معذرت چاہی۔ ان میں ٹیک چند سیٹھی، نواب جمشید علی خان آف باغت، ڈاکٹر ذاکر حسین، شاہ نواز خان آف ممدوٹ، عزیز الدین احمد آف دتیا، سر فضل حسین، میاں محمد رفیع، رام چندرا، سر بی ایل ملر اور ٹی اے سٹیورٹ وغیرہ شامل تھے۔[۵]

ظہرانے میں شرکت نہ کر سکنے والوں میں علامہ اقبال بھی شامل تھے جنھوں نے خط لکھا، ترجمہ اور عکس پیش کیا جا رہا ہے:[۶]

Dr. Sir Muh[ammad] Iqbal, Kt.
M. A, Ph.D.
Barrister-at-Law
Lahore 12.2.34

Dear Sir,

I regret that due to my illness, I shall not be able to come to Delhi and attend the Luncheon Party to be given to their Highnesses the Agha Khan and Begum Agha Khan by the All India Muslim League on Wednesday, the 14th February 1934.

Yours truly,
Muhammad Iqbal

ترجمہ:

ڈاکٹر سر محمد اقبال
ایم اے، پی ایچ ڈی،
بیرسٹر ایٹ لا،
لاہور ۱۲۔۲۔۳۴

جناب محترم!

---

۵ ایضاً، ص ۱۴۶۔۱۷۔

۶ ایضاً، ص A۸۴۔

مجھے افسوس ہے کہ اپنی بیماری کے سبب میں دہلی نہ آسکوں گا اور کل ہند مسلم لیگ کی جانب سے بدھ ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء کو، عالی مرتبت آغا خان اور بیگم آغا خان کو دی جانے والی دعوتِ ظہرانہ میں شرکت نہ کر سکوں گا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال



Dr. Sir Mohd. Iqbal, Kt.
M.A., Ph.D.
Barrister-at-Law,
Lahore

12: 2 34

Dear Sir,

I regret that due to my illness I shall not be able to come to Delhi & attend the Luncheon Party to be given to Their Highnesses the Aga Khan & Begum Aga Khan by the All India Moslem League on Wednesday the 14th February 1934

Yours truly
Muhammad Iqbal

علامہ اقبال کی علالت کا ذکر اس زمانے میں ان کے تحریر کردہ دوسرے خطوط میں بھی ملتا ہے۔ ۱۲فروری ۱۹۳۴ء ہی کو انھوں نے سید نذیر نیازی کے نام ایک مکتوب تحریر کیا جس میں انھوں نے بتایا کہ "میری طبیعت کئی دنوں سے علیل ہے اس لیے دہلی ڈاکٹر وہبی صاحب کے لیکچر کی صدارت کے لیے نہیں جاسکوں گا۔ ڈاکٹر انصاری کا تار بھی آیا تھا مگر میں نے ان کو جواب لکھ دیا کہ میں بوجہ علالت دہلی آنے سے معذور ہوں۔"[۷] ۲۵فروری ۱۹۳۴ء کو راغب احسن کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: "میں انفلوئنزا کی وجہ سے بیمار رہا ہوں اور اب تک صاحب فراش ہوں۔ اسی وجہ سے دہلی نہ جاسکا اور ڈاکٹر وہبی سے مل نہ سکا۔"[۸] ۲۷فروری ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کے نام ایک اور خط میں کہتے ہیں: "میں کئی دنوں سے علیل ہوں۔ انفلوئنزا ہو گیا تھا۔ اب صرف گلے کی شکایت باقی ہے جو ابھی تک صاف نہیں ہوا۔"[۹]

یاد رہے کہ ۱۹۳۴ء سے علامہ اقبال کی طویل علالت کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو ان کی وفات تک کسی نہ کسی شکل جاری رہا۔ بہ روایت ڈاکٹر جاوید اقبال، ۱۰جنوری ۱۹۳۴ء بروز عیدالفطر کو سویوں پر دہی ڈال کر کھانے سے اگلے روز انھیں انفلوئنزا ہو گیا جو مختلف دوائیں استعمال کرنے کے باوجود دو تین ہفتوں تک جاری رہا۔ پھر ایک رات انھیں تین چار گھنٹے کھانسی کا دورہ بھی پڑا۔ چند روز کے بعد انفلوئنزا اور کھانسی کی تکلیف تو رفع ہو گئی مگر گلا بیٹھ گیا اور آخری دم تک علامہ اقبال کھل کر یا اونچی آواز میں گفتگو نہ کر سکتے تھے۔[۱۰]

---

[۷] سید مظفر حسین برنی (مرتبہ)، کلیاتِ مکاتیب اقبال، جلد سوم، دہلی اُردو اکادمی، ۱۹۹۳ء، ص۴۶۸۔

[۸] ایضاً، ص۴۶۷-۴۷۰۔

[۹] ایضاً۔

[۱۰] جاوید اقبال، زندہ رود، لاہور، اقبال اکادمی، ۲۰۰۰ء، ص۸۵۹-۸۵۸۔

علامہ اقبال کا ایک نایاب خط*

محمد جہانگیر عالم

حضرت علامہ اقبال (۱۸۷۷ء۔ ۱۹۳۸ء) کے مکاتیب کو جناب سید مظفر حسین برنی نے کلیات مکاتیب اقبال کے نام سے چار حصوں میں مرتب کر کے اردو اکادمی دہلی سے شائع کیا تھا۔ ان کے مطابق اس میں تمام دستیاب مکاتیب شامل ہیں۔ لیکن اس مجموعے میں منشی غلام قادر فرخ امرتسری (۱۸۸۶ء ۔ ۱۹۵۸ء) کے نام علامہ اقبال کے خط کا کوئی ذکر یا حوالہ نہیں ہے۔ اس خط کا ذکر مولانا عبدالمجید سالک (۱۸۹۴ء ۔ ۱۹۵۹ء) کی کتاب ذکر اقبال (بزم اقبال، لاہور، ۱۹۵۵ء) میں صفحات نمبر ۹۲ تا ۹۴ پر ملتا ہے۔ عبداللہ قریشی (۱۹۰۵ء ۔ ۱۹۹۴ء) نے بھی اپنی کتاب روح مکاتیب اقبال (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء) میں اس خط کا اقتباس دیا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے بھی کتاب زندہ رود (حیات اقبال کا تشکیلی دور) کے صفحہ نمبر ۱۳۶۔۱۳۷ (طبع جدید، ۲۰۰۴ء، ص ۱۶۵) پر اس خط کا ایک اقتباس بحوالہ سفینہ حیات دیا ہے مگر اسے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر اصل کتاب نہیں تھی کیونکہ ان کا متن ہو بہو وہ نہیں ہے جو اصل کتاب سفینہ حیات میں ہے۔

بہر حال تعجب ہے کہ سید مظفر حسین برنی سے یہ خط کیسے اور کیونکر نظر انداز ہو گیا ہے، شاید اس کا سبب یہ ہے کہ اس خط کا متن اور فکر سید مظفر حسین برنی کے اپنے نظریات اور خیالات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اصل خط سفینہ حیات از منشی غلام قادر فرخ (دار الاشاعت امرتسر ۱۹۴۰ء) میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، ص ۲۲۔ ۲۳

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ا جلد نمبر ۴۶، جنوری ۲۰۰۵ء۔

اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے اور علامہ اقبال کے سیاسی فکر کے ارتقا کے مطالعے میں یہ خط خاصی اہمیت کا حامل ہے، بڑا مددگار ہے۔ خط کے متن سے پہلے مکتوب الیہ اور خط کے پس منظر کا اختصار کے ساتھ ذکر ہو جائے تو مناسب ہوگا۔

منشی غلام قادر فرخ امر تسری (۱۶ جولائی ۱۸۸۶ء - ۲۰ نومبر ۱۹۵۸ء) قومی کارکن تھے۔ ملکی اور قومی امور میں گہری دلچسپی رکھتے تھے اور شہر کی علمی ادبی اور سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ شہر کی مختلف تنظیموں، انجمن اصلاح تمدن، مسلم لٹریری سوسائٹی [مسلم ادبی انجمن]، مسلم ینگ من ایسوسی ایشن [انجمن نوجوانان اسلام]، بزم سخن اور انجمن تہذیب الاسلام سے وابستہ تھے۔ رسالہ منروا اور انسان کے ایڈیٹر بھی رہے۔ نثر لکھنے کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری سے بھی شغف رکھتے تھے اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

منروا لوج کے نام سے امرتسر کے ہندو، مسلمان اور سکھ ارباب ذوق نے ایک علمی و ادبی تنظیم ۱۹۰۱ء میں قائم کی جو ۱۹۱۲ء تک فعال رہی۔ اس کے زیر اہتمام جلسے اور تقریبات منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ اس مجلس کا اپنا ایک ماہوار رسالہ منروا بھی شائع ہوتا تھا، جس میں نوجوانوں کی نگارشات شائع ہوتی تھیں۔

مارچ ۱۹۰۹ء کے شروع میں منشی غلام قادر فرخ نے منروا لوج کے صدر کی حیثیت سے حضرت علامہ اقبال کو ایک خط لکھا کہ اپریل ۱۹۰۹ء میں منروا لوج کا سالانہ جلسہ ہے، آپ اس میں شرکت فرمائیں۔ جواب میں علامہ اقبال نے ۸ مارچ ۱۹۰۹ء کو انھیں جواب لکھا کہ ان ہی دنوں میں انجمن حمایت اسلام، لاہور کا سالانہ اجلاس ہو رہا ہے، اس لیے حتمی وعدہ نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا کہ "مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ امرتسر کے مسلمانوں کے خیالات منروا لوج کی نسبت اچھے نہیں ہیں"

اس کے جواب میں منشی غلام قادر فرخ نے علامہ اقبال کو تحریر کیا کہ "بلاشبہ منروا لوج میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کی نسبت زیادہ اور مسلمانوں کی کم ہے۔ لیکن سب اخوت و مساوات کے مسلک پر کاربند ہیں۔ ماو شما کا کوئی جھگڑا نہیں۔ بہت کوشش کی جاتی ہے، مگر مسلمان اس میں شامل نہیں ہوتے۔ اس کے جواب میں علامہ اقبال نے اپنے خط میں امرتسر کے مقامی حالات اور منروا لوج سے مسلمان کی بیزاری کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا کہ جن

مجالس میں ہندوؤں کی کثرت ہو، ان کے متعلق عام طور پر مسلمانوں کا رویہ یہی ہے اور یہی رہے گا۔ یہ خط علامہ اقبال نے ۲۸ رمارچ ۱۹۰۹ء کو لاہور سے تحریر کیا تھا۔ خط کا متن یہ ہے۔

منر والوج کے جو حالات مجھے معلوم ہوئے، وہ ایک امر تسری مسلمان سے معلوم ہوئے۔ میں نے اس بارے میں اُن سے کوئی بحث نہیں کی اور نہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مسلمان لوج مذکور سے کیوں ناخوش ہیں۔ میں سمجھتا تھا، کہ اس سوال کا حق مجھے نہیں۔ عام طور پر مسلمانوں کا رویہ ہندوؤں کی مجالس کے متعلق یا ایسی مجالس کے متعلق جس میں زیادہ تر ہندو ہوں، اسی قسم کا ہے اور غالباً ایسا ہی رہے گا۔ باوجود کوشش بلیغ کے، مسلمان برہمو سماج اور کانگرس کی مجالس سے متنفر رہے۔ اور اب تک ہیں۔ خیر، ان کی نسبت تو کہا جا سکتا ہے، کہ ان ہر دو تحریکوں میں شامل ہونے سے روکنے والے بہت سے تھے مگر میں دیکھتا ہوں کہ جس شہر یا گاؤں میں دو سکول ہوں، ایک ہندوؤں کا اور دوسرا عیسائیوں کا، تو مسلمان فطرتاً عیسائیوں کے سکول کی طرف متوجہ ہوئے، خواہ ہندوؤں کا مدرسہ بھی اُن کے لیے کشادہ ہو۔ یہ ایسے واقعات ہیں، کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے کوئی متفقہ حکمت عملی سوچنے کے لیے ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

میں خود اس خیال کا رہ چکا ہوں کہ امتیاز مذہب اس ملک سے اُٹھ جانا چاہیے اور اب تک پرائیویٹ زندگی میں اسی پر کاربند ہوں، مگر اب میرا یہ خیال ہے کہ قومی شخصیت کو محفوظ رکھنا ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے ضروری ہے۔ ہندوستان میں ایک مشترک قومیت پیدا کرنے کا خیال اگرچہ نہایت خوبصورت ہے اور شعریت سے معمور ہے۔ تاہم موجودہ حالت اور قوموں کی نادانستہ رفتار کے لحاظ سے ناقابل عمل ہے۔

محمد اقبال

اقبال کا خط اور ایک دلچسپ علمی مباحثہ*

پروفیسر ریاض حسین

روزنامہ انقلاب لاہور نمبر ٦ جلد ۲ بتاریخ ۲۴ر ستمبر ۱۹۲۷ء میں "نذر اقبال" کے عنوان سے ایک نظم مصنفہ جناب اصغر حسین خان صاحب نظیر لدھیانوی چھپی تھی جس میں یہ شعر درج تھا:

اے کہ سینا ذرہ از تاب تو
نعرہ ارنی زنم بر باب تو

اس شعر پر مولانا عبدالمجید سالک مدیر انقلاب نے یہ نوٹ لگا دیا:

ارنی میں راے متحرک ہے، خدا جانے نظیر صاحب نے ساکن کیوں باندھی۔

اس نوٹ پر اچھی خاصی علمی بحث کا آغاز ہو گیا جس کا چرچا انقلاب کے کالموں میں مدت تک رہا۔

مندرجہ بالا نظم کے شایع ہونے کے چند روز کے اندر ہی حضرت علامہ اقبال نے ایک خط مدیر انقلاب کے نام ارسال کیا جو انقلاب بتاریخ ۲۸ر ستمبر ۱۹۲۷ء میں شایع ہوا یہ خط علامہ کے خطوط کے کسی مطبوعہ مجموعے میں شامل نہیں ہے اور انقلاب کے کالموں سے براہِ راست پہلی دفعہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

---

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ۲ جلد نمبر ۴۰، جولائی ۱۹۹۹ء۔

حضرت علامہ نے لکھا:

ڈیر سالک!

ٹیک چند بہار نے ابطال ضرورت میں رب ارنی پر مفصل بحث کی ہے۔ افسوس اس وقت ابطال ضرورت کا کوئی نسخہ میرے پاس موجود نہیں بہر حال یہ صحیح ہے کہ اساتذہ عجم نے رب ارنی کی راے ثانی کو بسکون بھی استعمال کیا ہے۔

سالک لاہوری، سالک یزدی کا شعر ملاحظہ فرمائیں:

مرغ ارنی گو ز شوق لن ترانی پر زند
پیش موسیٰ خار خار وادی ایمن گل است[1]

اصغر حسین کے شعر میں کوئی غلطی نہیں۔

والسلام

محمد اقبال

اسی تاریخ یعنی ۲۸ ستمبر ۱۹۲۷ء کے اخبار انقلاب میں جناب نظیر کا جواب بھی چھپا ہے جس میں انھوں نے صاحب غیاث کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے:

لفظ ارنی در فارسی بسکون رائے مہملہ نیز آمدہ چنانچہ در مخزن اسرار نظامی گنجوی گفتہ بیت موسیٰ ازیں جام تہی دید دست شیشہ بہ کہ پایۂ ارنی شکست۔[2]

---

[1] ترجمہ:

"ارنی" [مجھے دکھایئے] کا پرندہ اگرچہ شوق "لن ترانی" [تو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا] میں اڑتا ہے
موسیٰ کے لیے وادیِ ایمن کا ایک ایک کانٹا پھول کی طرح ہے

[مترجم: محمد سہیل عمر]

[2] ترجمہ:

ارنی کا لفظ فارسی میں را کو ساکن باندھ کر بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ نظامی گنجوی کی مخزن الاسرار میں شعر ہے کہ:

موسیٰ ازیں جام تہی دید دست
شیشہ بہ کہ پایۂ ارنی شکست

ان دونوں جوابات کو نقل کرنے کے بعد مدیر انقلاب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت علامہ اگر محض سالک یزدی کی سند پر ہی اکتفا فرماتے تو کوئی بات نہ تھی لیکن اب کہ حضرت نے خود اپنی رائے بھی ظاہر فرمادی کہ "اصغر حسین صاحب کے شعر میں کوئی غلطی نہیں" تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حضرت کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کر دیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اساتذہ عجم ت العموم بعض عربی الفاظ میں جو من مانے تصرفات کر لیا کرتے ہیں آیا وہ سب ہمارے لیے سند قرار پا جائیں گے؟

مثلاً قاآنی نے ایک مقام پر استغفار کے بجائے ستغفار باندھا ہے اور غالباً اسی کے اتباع میں دورِ حاضر کا ایک ایرانی استاد بھی لکھتا ہے کہ:

بادشا از ستبداد چہ داری مقصود

تو کیا ہمیں بھی اختیار ہے کہ اختیار کے بجائے ختیار۔ انتظار کے بجائے نتظار اور استقلال کے بجائے ستقلال باندھ لیا کریں۔

حضرت علامہ اور مدیر انقلاب کے درمیان یہ مکالمہ اخبار انقلاب کے کالموں کی حد تک تو یہیں ختم ہو گیا۔ تاہم حضرت علامہ کے خط کا یہ جملہ کہ ٹیک چند بہار نے ابطال ضرورت میں رب ارنی پر مفصل بحث کی ہے افسوس اس وقت ابطال ضرورت کا کوئی نسخہ پاس موجود نہیں۔ میری جستجو کے لیے مہمیز کا کام دے گیا۔ میں نے ابطال ضرورت کا کوئی نسخہ اپنے طور پر تلاش کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری [جامعہ پنجاب کتب خانہ]، پنجاب پبلک لائبریری [عوامی کتب خانہ پنجاب] اور دیال سنگھ پبلک لائبریری میں کوشش کی۔ بیرون لاہور بعض احباب کو بھی لکھا کہ اپنے ہاں کے کتب خانوں میں ابطال ضرورت کے کسی نسخہ کا کھوج لگائیں۔ مگر یہ سب سعی لاحاصل ثابت ہوئی۔ آخر 'چراغ تلے اندھیرے' والا معاملہ ہو گیا۔ جہاں میں نے یہ کتاب کھوجنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی وہیں سے اس کا نسخہ برآمد ہو گیا۔ میرے اپنے ادارے گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور کی لائبریری میں ٹیک چند بہار

کی ابطال ضرورت کا ایک پرانا نسخہ محفوظ تھا۔ اس کتاب میں ٹیک چند بہار جو کہ لغت بہار عجم کے مصنف بھی ہیں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اساتذہ کرام خصوصاً بلغائے واجب الاعظام در کلمات تصرفہا کردہ اند و منظور ازاں تخفیف در لفظ و توسیع درانبیہ است و ایں از جہت کمال دستگاہ فن و اقتدار ایشان بر سخن بود نہ از جہت عجز طبیعت کہ آنرا در عرف ضرورت گویند۔[1]

اس عبارت کے تجزیے سے مندرجہ ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

ٹیک چند بہار ان تصرفات کی وجہ

۱۔ لفظوں کی کمی

۲۔ میدان شاعری کا وسیع ہونا

۳۔ کمال دستگاہ فن اور

۴۔ سخن پر قدرت

کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن بہادر مندرجہ ذیل کو تصرف کا جائز سبب نہیں مانتے:

۱۔ شاعر کی طبیعت کا عجز

۲۔ ضرورت شعری

چنانچہ جہاں کہیں بھی تصرفات شاعر کی عجز طبیعت یا ضرورت شعری کی وجہ سے ہوئے ہیں ٹیک چند بہار ان کو ناقابل قبول اور رموز کے خلاف سمجھتے ہیں۔

چونکہ علامہ نے اپنے خط میں ٹیک چند بہار کے اس نظریے کی توثیق کی ہے اس لیے سالک کی طرح ہمیں بھی بہار کے اس نظریے کو ماننے کے سوا چارہ نہیں۔ رموز شاعری پر بہار

---

[1] ترجمہ:

حضرات اساتذہ کرام خاص طور پر وہ واجب التعظیم حضرات جو بلاغت پر عبور رکھتے ہیں، ان کی طرف سے کچھ کلمات میں تصرف کیا گیا ہے، اور اس سے مقصود یہ تھا کہ لفظ میں تخفیف کے ساتھ انبیہ میں توسیع ہو جائے اور اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ ان کی طبیعت اس سے عاجز تھی یعنی عرف عام میں ضرورت کے تحت نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ ان کے فنی کمال اور قدرت کمال کا ثبوت تھا۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

کے اس اصول کو ہی علامہ کا اصول تنقید سمجھنا چاہیے۔ شعروں میں تصرفات کا موضوع قدیم، دلچسپ اور وسیع ہے۔ حضرت علامہ بھی اس موضوع میں بے حد دلچسپی رکھتے تھے اور ان کے احباب نے کئی مواقع پر تصرفات شعری پر ان کے ارشادات نقل کیے ہیں۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض دیگر مستند علما کی آرا بھی اس سلسلے میں ہدیہ قارئین کر دی جائیں۔

محمد بن قیس اپنے مشہور رسالہ معیار عجم فی اشعار عجم میں سیبویہ سے نقل کرتے ہیں کہ شعرائے عرب نے مواقع اور مواضع اضطرار میں بضرورت شعریہ دس قسم کے تصرفات کیے ہیں۔ علامہ زمخشری نے دس ضرورت شعریہ کو نظم کی شکل میں بیان فرمایا ہے:

ضرورتہ الشعر عشرتہ جملتھا
وصل و قطع و تخفیف و تشدید
و قصر و مد و اسکان و تحریک
و منع صرف و صرف ثمہ تعدید[1]

جہاں تک تصرفات کی مختلف اقسام کا تعلق ہے ٹیک چند بہار نے تصرف کی تین اقسام بتائی ہیں:

۱۔ تصرف در لفظ فقط [صرف لفظی تبدیلی]
۲۔ تصرف در معنی فقط [صرف معنی میں تبدیلی]
۳۔ تصرف در لفظ و معنی فقط [لفظ و معنی دونوں میں تصرف]

مگر بن قیس اپنے مذکورہ بالا رسالہ میں سیبویہ سے نقل کرتے ہیں کہ شعرائے عرب نے مواقع ضرورت اور مواضع اضطرار میں بضرورت شعریہ دس قسم کے تصرف کیے ہیں۔

مولانا عبدالمجید سالک مدیر انقلاب نے اپنے شذرہ میں سوال کیا تھا "اساتذہ عجم علی العموم بعض عربی الفاظ میں جو من مانے تصرفات کر لیا کرتے ہیں وہ سب ہمارے لیے سند قرار پائیں گے؟... کیا ہمیں بھی اختیار ہے کہ اختیار کے بجائے ختیار، انتظار کے بجائے نتظار اور استقلال کے بجائے ستقلال باندھ لیا کریں؟"

---

[1] ترجمہ:
شعری ضرورت کے تحت کل دس طرح کے تصرف ہیں ملانا، کاٹنا، سکیڑنا، شدت لانا، چھوٹا کرنا، پھیلانا، ساکن کرنا، حرکت دینا، منع صرف اور ایسا پھیرنا کہ عام ہو جائے۔

[مترجم: محمد سہیل عمر]

مندرجہ بالا اسناد کی روشنی میں سالک کے ان سوالات کا جواب یہ قرار پاتا ہے کہ:

۱۔ غیر صاحب زبان اس امر کا مجاز اور مستحق نہیں کہ اہل زبان کے تصرفات پر قیاس کرکے دوسرے الفاظ پر اس قسم کا تصرف کرے مثلاً اگر قاآنی نے ایک مقام پر استغفار کے بجائے ستغفار باندھا ہے تو ہمیں یہ اختیار حاصل نہیں کہ ہم اس پر قیاس کرکے اختیار کو خیار باندھ لیں یا استقلال کا الف اڑا کر ستقلال کریں۔

۲۔ ایسے غیر صاحب زبان شاعر جن کو قدرت فن اور قدرت زبان حاصل ہے وہ ایسے تصرفات کرنے کے مجاز ہیں۔ اس کی سند ایک اور ذریعے سے بھی ملتی ہے۔ سراج الدین علی خان آرزو اپنے رسالہ سراج منیر میں تحریر فرماتے ہیں: "فارسی دانان ہند جنھیں قدرت فن حاصل ہے وہ بھی اس قسم کے تصرفات کرنے کے مجاز ہیں۔"

۳۔ حق یہی ہے کہ غیر اہل زبان کو چاہیے کہ وہ کتنا ہی کامل فن کیوں نہ ہو کسی دوسری زبان میں حق تصرف کو استعمال کرنے میں انتہائی احتیاط برتے۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ بھی اسی نظریے کے حامی تھے۔ لیکن اس عظیم علمی و ادبی بحث کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا۔ یہ موضوع مختصصین اقبال کی مزید تحقیق کا متقاضی ہے اس لیے بھی کہ اس میں خود حضرت علامہ کو تمام عمر گہری دلچسپی رہی۔

علامہ اقبالؒ کا ایک غیر مطبوعہ خط*

ڈاکٹر ندیم شفیق ملک

آل انڈیا مسلم لیگ، بر عظیم کی وہ واحد سیاسی جماعت ہے جس کی دستاویزات، مطبوعات اور دفتری مسلیں سب سے زیادہ بہتر طریقے سے محفوظ ہیں۔ اس بیش بہا ذخیرے میں مسلم لیگ کے سالانہ اجتماعات، مرکزی مجالس عاملہ اور مسلم لیگ کونسل [مجلس] کے اجلاسوں کی رودادیں، صدارتی خطبات، سالانہ جائزے، مختلف مواقع پر جاری ہونے والے قواعد و ضوابط، دستاویز اور منشور، مرکزی دفتر اور ہندستان کے مختلف حصوں میں قائم شدہ لیگ کی شاخوں کے مابین ہونے والی خط وکتابت وغیرہ شامل ہے۔ اس سارے لوازمے کو علیحدہ علیحدہ موضوعات اور عنوانات کے تحت پانچ سو سے زیادہ جلدوں میں محفوظ کیا جاچکا ہے اور ابھی ترتیب و تحقیق کا کام جاری ہے۔ مزید برآں تین ہزار کے قریب طبع شدہ مواد کی بھی درجہ بندی کی گئی ہے۔ ابتدا میں یہ تمام تر ذخیرہ آرکائیوز آف فریڈم موومنٹ کے نام سے جامعہ کراچی میں قائم شدہ ایک خصوصی شعبے میں محفوظ تھا مگر اب اسے قومی ادارہ برائے تحفظ دستاویزات اسلام آباد میں منتقل کر دیا گیا ہے اور اس کی نقول ملک کے بعض تحقیقی و علمی اداروں میں موجود ہیں۔[1]

---

* مجلہ بازیافت شمارہ نمبرا، جنوری ۲۰۰۲ء۔

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: محمود حسن صدیقی اور عقیل ظفر خان، آے ہینڈ بک آف آرکائیول میٹیریل آن پاکستان فریڈم موومنٹ، مسلم لیگ ریکارڈز اینڈ پرائیویٹ کولیکشنز، کراچی، یونیورسٹی آف کراچی، ۱۹۸۸ء۔

آل انڈیا مسلم لیگ سے علامہ اقبال کی وابستگی، اس کی تشکیل سے کچھ بعد شروع ہوتی ہے اور علامہ کے آخری ایام تک یہ تعلق خاطر جاری رہا۔ ایک روایت کے مطابق جب ۶ مئی ۱۹۰۸ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی لندن شاخ کا قیام عمل میں آیا تو علامہ اقبال کو اس کی کمیٹی کا رکن منتخب کیا گیا۔[۲] بعد ازاں یہ تعلق مختلف صورتیں اختیار کرتا رہا، اور بطور صدر آل انڈیا مسلم لیگ (سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد ۱۹۳۰ء) رکن سنٹرل پارلیمانی بورڈ [مجلس] (۱۹۳۶ء) اور صدر اور سرپرست پنجاب پراونشل [صوبائی] مسلم لیگ، علامہ اقبال نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ چنانچہ آرکائیوز آف فریڈم موومنٹ میں علامہ اقبال کی سیاسی زندگی سے متعلق نہایت قیمتی مواد ملتا ہے جسے ابھی تک منظر عام پر نہیں لایا گیا۔[۳]

آرکائیوز آف فریڈم موومنٹ کی جلد نمبر ۴۸۴ حصہ سوم (۱۹۳۴ء)، آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ممبران کی جانب سے بیگم و سر آغا خان سوم کے اعزاز میں ۱۶ فروری ۱۹۳۴ء بروز بدھ کو سوس ہوٹل [اقامت گاہ] دہلی میں دیے جانے والے ظہرانے سے متعلق خط و کتابت پر مشتمل ہے۔ اس مسل میں ایک سو سے زیادہ مدعوین کے خطوط موجود ہیں جن میں سید امجد علی، عبداللہ یوسف علی، سر عبداللہ المامون سہروردی، اے ایچ غزنوی، حاجی چودھری محمد اسمٰعیل خاں ایم ایل اے، حاجی سر محمد مہر شاہ ممبر کونسل آف سٹیٹ، ایم انوارالعظیم ایم ایل اے، میجر نواب طالب مہدی خان ایم ایل اے، نواب محمد ابراہیم علی خان ایم ایل اے، محمد معظم ایم ایل اے، خان بہادر سید عبدالحفیظ ممبر کونسل آف سٹیٹ، عبدالمتین چودھری ایم ایل اے، حسین امام ایم ایل اے، میجر نواب احمد نواز خان آف ڈیرہ اسمٰعیل خان، نواب ملک محمد حیات خان نون، بیگم شاہ نواز، محمد یامین خان اور خان بہادر ملک اللہ بخش خان ٹوانہ نمایاں ہیں۔[۴]

---

[۲] بحوالہ ایس رضی واسطی، "فاؤنڈیشن آف دی لندن برانچ آف دی آل انڈیا مسلم لیگ" مشمولہ ندیم شفیق ملک (مرتبہ)، دی آل انڈیا مسلم لیگ، ۱۹۰۶-۱۹۴۷ء، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء، ص ۶۳۔

[۳] تفصیلات کے لیے دیکھیے: عبدالرشید ملک، علامہ اقبال کی مسلم لیگ سے وابستگی، غیر مطبوعہ مقالہ ایم فل اقبالیات، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۵ء۔

[۴] آرکائیوز آف فریڈم موومنٹ، جلد نمبر ۴۸۴، حصہ سوم، ص ۶۹-۸۔

اسی مسل میں ۴۰ سے زیادہ ان حضرات کے خطوط بھی موجود ہیں جنھوں نے مختلف وجوہ کی بنا پر اس ظہرانے میں شرکت سے معذرت چاہی۔ ان میں ٹیک چند سیٹھی، نواب جمشید علی خان آف باغپت، ڈاکٹر ذاکر حسین، شاہ نواز خان آف ممدوٹ، عزیز الدین احمد آف دتیا، سر فضل حسین، میاں محمد رفیع، رام چندرا، سر بی ایل ملر اور ٹی اے سٹیورٹ وغیرہ شامل تھے۔[۵]

ظہرانے میں شرکت نہ کر سکنے والوں میں علامہ اقبال بھی شامل تھے جنھوں نے خط لکھا، ترجمہ اور عکس پیش کیا جا رہا ہے:[۶]

Dr. Sir Muh[ammad] Iqbal, Kt.
M. A, Ph.D.
Barrister-at-Law
Lahore 12.2.34

Dear Sir,

I regret that due to my illness, I shall not be able to come to Delhi and attend the Luncheon Party to be given to their Highnesses the Agha Khan and Begum Agha Khan by the All India Muslim League on Wednesday, the 14th February 1934.

Yours truly,
Muhammad Iqbal

ترجمہ:

ڈاکٹر سر محمد اقبال

ایم اے، پی ایچ ڈی،

بیرسٹر ایٹ لا،

لاہور ۱۲۔۲۔۳۴

جناب محترم!

---

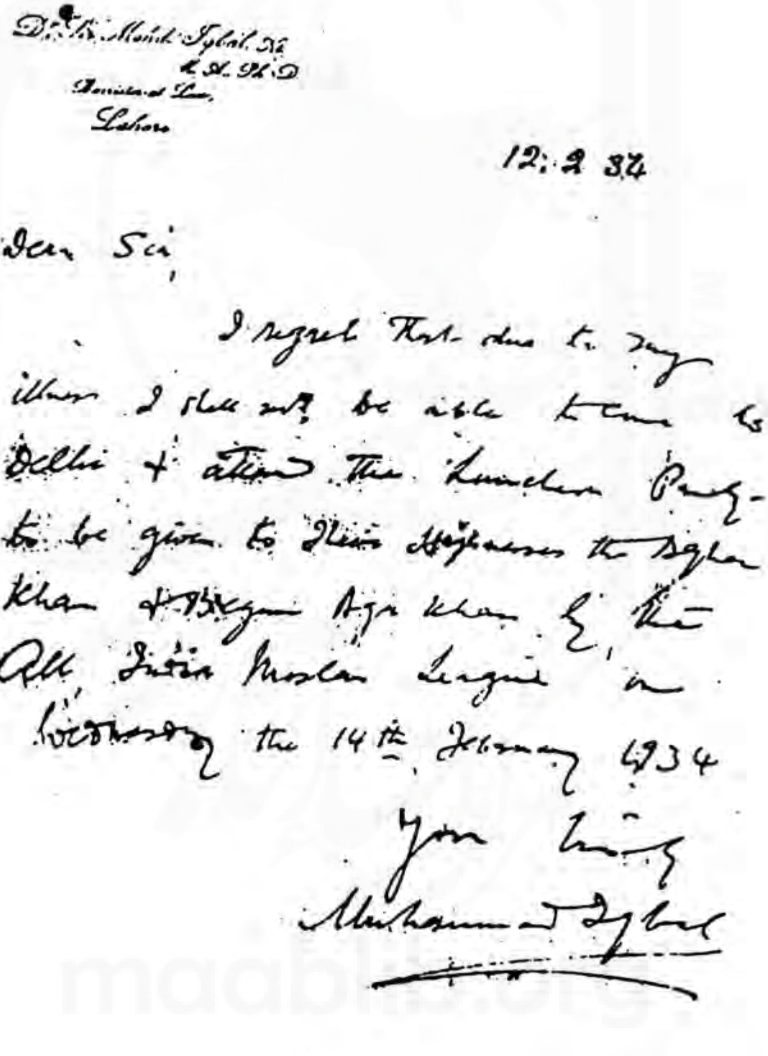
۵ ایضاً، ص ۱۴۶-۱۷۔

۶ ایضاً، ص ۸۴A۔

مجھے افسوس ہے کہ اپنی بیماری کے سبب میں دہلی نہ آسکوں گا اور کل ہند مسلم لیگ کی جانب سے بدھ ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء کو، عالی مرتبت آغا خان اور بیگم آغا خان کو دی جانے والی دعوتِ ظہرانہ میں شرکت نہ کر سکوں گا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال



Dr. Sir Mohd. Iqbal, Kt. M.A. Ph.D
Barrister at Law
Lahore

12.2.34

Dear Sir,

I regret that due to my illness I shall not be able to come to Delhi & attend the Luncheon Party to be given to Their Highnesses the Agha Khan & Begum Aga Khan by the All India Moslem League on Wednesday the 14th February 1934

Yours truly
Muhammad Iqbal

علامہ اقبال کی علالت کا ذکر اس زمانے میں ان کے تحریر کردہ دوسرے خطوط میں بھی ملتا ہے۔ ۱۲فروری ۱۹۳۴ء ہی کو انھوں نے سید نذیر نیازی کے نام ایک مکتوب تحریر کیا جس میں انھوں نے بتایا کہ "میری طبیعت کئی دنوں سے علیل ہے اس لیے دہلی ڈاکٹر وہبی صاحب کے لیکچر کی صدارت کے لیے نہیں جاسکوں گا۔ ڈاکٹر انصاری کا تار بھی آیا تھا مگر میں نے ان کو جواب لکھ دیا کہ میں بوجہ علالت دہلی آنے سے معذور ہوں۔"[۷] ۲۵فروری ۱۹۳۴ء کو راغب احسن کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: "میں انفلوئنزا کی وجہ سے بیمار رہا ہوں اور اب تک صاحب فراش ہوں۔ اسی وجہ سے دہلی نہ جاسکا اور ڈاکٹر وہبی سے مل نہ سکا۔"[۸] ۲۷فروری ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کے نام ایک اور خط میں کہتے ہیں: "میں کئی دنوں سے علیل ہوں۔ انفلوئنزا ہو گیا تھا۔ اب صرف گلے کی شکایت باقی ہے جو ابھی تک صاف نہیں ہوا۔"[۹]

یاد رہے کہ ۱۹۳۴ء سے علامہ اقبال کی طویل علالت کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو ان کی وفات تک کسی نہ کسی شکل جاری رہا۔ بہ روایت ڈاکٹر جاوید اقبال، ۱۰جنوری ۱۹۳۴ء بروز عیدالفطر کو سویوں پر دہی ڈال کر کھانے سے اگلے روز انھیں انفلوئنزا ہو گیا جو مختلف دوائیں استعمال کرنے کے باوجود دو تین ہفتوں تک جاری رہا۔ پھر ایک رات انھیں تین چار گھنٹے کھانسی کا دورہ بھی پڑا۔ چند روز کے بعد انفلوئنزا اور کھانسی کی تکلیف تو رفع ہو گئی مگر گلا بیٹھ گیا اور آخری دم تک علامہ اقبال کھل کر یا اونچی آواز میں گفتگو نہ کر سکتے تھے۔[۱۰]

---

[۷] سید مظفر حسین برنی (مرتبہ)، کلیاتِ مکاتیب اقبال، جلد سوم، دہلی اُردو اکادمی، ۱۹۹۳ء، ص۴۶۸۔

[۸] ایضاً، ص۴۶۷-۴۷۰۔

[۹] ایضاً۔

[۱۰] جاوید اقبال، زندہ رود، لاہور، اقبال اکادمی، ۲۰۰۰ء، ص۸۵۹-۸۵۸۔

علامہ اقبال کا ایک نایاب خط*

محمد جہانگیر عالم

حضرت علامہ اقبال (۱۸۷۷ء۔ ۱۹۳۸ء) کے مکاتیب کو جناب سید مظفر حسین برنی نے کلیاتِ مکاتیب اقبال کے نام سے چار حصوں میں مرتب کر کے اردو اکادمی دہلی سے شائع کیا تھا۔ ان کے مطابق اس میں تمام دستیاب مکاتیب شامل ہیں۔ لیکن اس مجموعے میں منشی غلام قادر فرخ امرتسری (۱۸۸۶ء۔ ۱۹۵۸ء) کے نام علامہ اقبال کے خط کا کوئی ذکر یا حوالہ نہیں ہے۔ اس خط کا ذکر مولانا عبدالمجید سالک (۱۸۹۴ء۔ ۱۹۵۹ء) کی کتاب ذکر اقبال (بزم اقبال، لاہور، ۱۹۵۵ء) میں صفحات نمبر ۹۲ تا ۹۴ پر ملتا ہے۔ عبداللہ قریشی (۱۹۰۵ء۔ ۱۹۹۴ء) نے بھی اپنی کتاب روح مکاتیب اقبال (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء) میں اس خط کا اقتباس دیا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے بھی کتاب زندہ رود (حیات اقبال کا تشکیلی دور) کے صفحہ نمبر ۱۳۶۔۱۳۷ (طبع جدید، ۲۰۰۴ء، ص ۱۶۵) پر اس خط کا ایک اقتباس بحوالہ سفینہ حیات دیا ہے مگر اسے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر اصل کتاب نہیں تھی کیونکہ ان کا متن ہو بہو وہ نہیں ہے جو اصل کتاب سفینہ حیات میں ہے۔

بہر حال تعجب ہے کہ سید مظفر حسین برنی سے یہ خط کیسے اور کیونکر نظر انداز ہو گیا ہے، شاید اس کا سبب یہ ہے کہ اس خط کا متن اور فکر سید مظفر حسین برنی کے اپنے نظریات اور خیالات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اصل خط سفینہ حیات از منشی غلام قادر فرخ (دارالاشاعت امرتسر ۱۹۴۰ء) میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، ص ۲۲۔ ۲۳

* سہ ماہی اقبالیات شمارہ نمبر ا جلد نمبر ۴۶، جنوری ۲۰۰۵ء۔

اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے اور علامہ اقبال کے سیاسی فکر کے ارتقائے مطالعے میں یہ خط خاصی اہمیت کا حامل ہے، بڑا مددگار ہے۔ خط کے متن سے پہلے مکتوب الیہ اور خط کے پس منظر کا اختصار کے ساتھ ذکر ہو جائے تو مناسب ہوگا۔

منشی غلام قادر فرخ امرتسری (۱۶ جولائی ۱۸۸۶ء - ۲۰ نومبر ۱۹۵۸ء) قومی کارکن تھے۔ ملکی اور قومی امور میں گہری دلچسپی رکھتے تھے اور شہر کی علمی ادبی اور سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ شہر کی مختلف تنظیموں، انجمن اصلاح تمدن، مسلم لٹریری سوسائٹی [مسلم ادبی انجمن]، مسلم ینگ مین ایسوسی ایشن [انجمن نوجوانان اسلام]، بزم سخن اور انجمن تہذیب الاسلام سے وابستہ تھے۔ رسالہ منروا اور انسان کے ایڈیٹر بھی رہے۔ نثر لکھنے کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری سے بھی شغف رکھتے تھے اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

منروالوج کے نام سے امرتسر کے ہندو، مسلمان اور سکھ اربابِ ذوق نے ایک علمی و ادبی تنظیم ۱۹۰۱ء میں قائم کی جو ۱۹۱۲ء تک فعال رہی۔ اس کے زیر اہتمام جلسے اور تقریبات منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ اس مجلس کا اپنا ایک ماہوار رسالہ منروا بھی شائع ہوتا تھا، جس میں نوجوانوں کی نگارشات شائع ہوتی تھیں۔

مارچ ۱۹۰۹ء کے شروع میں منشی غلام قادر فرخ نے منروالوج کے صدر کی حیثیت سے حضرت علامہ اقبال کو ایک خط لکھا کہ اپریل ۱۹۰۹ء میں منروالوج کا سالانہ جلسہ ہے، آپ اس میں شرکت فرمائیں۔ جواب میں علامہ اقبال نے ۸ / مارچ ۱۹۰۹ء کو انھیں جواب لکھا کہ ان ہی دنوں میں انجمن حمایت اسلام، لاہور کا سالانہ اجلاس ہو رہا ہے، اس لیے حتمی وعدہ نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا کہ "مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ امرتسر کے مسلمانوں کے خیالات منروالوج کی نسبت اچھے نہیں ہیں"

اس کے جواب میں منشی غلام قادر فرخ نے علامہ اقبال کو تحریر کیا کہ "بلاشبہ منروالوج میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کی نسبت زیادہ اور مسلمانوں کی کم ہے۔ لیکن سب اخوت و مساوات کے مسلک پر کاربند ہیں۔ ماو شما کا کوئی جھگڑا نہیں۔ بہت کوشش کی جاتی ہے، مگر مسلمان اس میں شامل نہیں ہوتے۔ اس کے جواب میں علامہ اقبال نے اپنے خط میں امرتسر کے مقامی حالات اور منروالوج سے مسلمان کی بیزاری کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا کہ جن

مجالس میں ہندوؤں کی کثرت ہو، ان کے متعلق عام طور پر مسلمانوں کا رویہ یہی ہے اور یہی رہے گا۔ یہ خط علامہ اقبال نے ۲۸ / مارچ ۱۹۰۹ء کو لاہور سے تحریر کیا تھا۔ خط کا متن یہ ہے۔

منروا لوج کے جو حالات مجھے معلوم ہوئے، وہ ایک امرتسری مسلمان سے معلوم ہوئے۔ میں نے اس بارے میں اُن سے کوئی بحث نہیں کی اور نہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مسلمان لوج مذکور سے کیوں ناخوش ہیں۔ میں سمجھتا تھا، کہ اس سوال کا حق مجھے نہیں۔ عام طور پر مسلمانوں کا رویہ ہندوؤں کی مجالس کے متعلق یا ایسی مجالس کے متعلق جس میں زیادہ تر ہندو ہوں، اسی قسم کا ہے اور غالباً ایسا ہی رہے گا۔ باوجود کوشش بلیغ کے، مسلمان برہمو سماج اور کانگرس کی مجالس سے متنفر رہے۔ اور اب تک ہیں۔ خیر، ان کی نسبت تو کہا جا سکتا ہے، کہ ان ہر دو تحریکوں میں شامل ہونے سے روکنے والے بہت سے تھے مگر میں دیکھتا ہوں کہ جس شہر یا گاؤں میں دو سکول ہوں، ایک ہندوؤں کا اور دوسرا عیسائیوں کا، تو مسلمان فطرتاً عیسائیوں کے سکول کی طرف متوجہ ہوئے، خواہ ہندوؤں کا مدرسہ بھی اُن کے لیے کشادہ ہو۔ یہ ایسے واقعات ہیں، کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے کوئی متفقہ حکمت عملی سوچنے کے لیے ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

میں خود اس خیال کا رہ چکا ہوں کہ امتیاز مذہب اس ملک سے اُٹھ جانا چاہیے اور اب تک پرائیویٹ زندگی میں اسی پر کاربند ہوں، مگر اب میرا یہ خیال ہے کہ قومی شخصیت کو محفوظ رکھنا ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے ضروری ہے۔ ہندوستان میں ایک مشترک قومیت پیدا کرنے کا خیال اگرچہ نہایت خوبصورت ہے اور شعریت سے معمور ہے۔ تاہم موجودہ حالت اور قوموں کی نادانستہ رفتار کے لحاظ سے ناقابل عمل ہے۔

محمد اقبال

اشاریہ

شخصیات

علی اکبر خان ۳۲۰

محمد اسد خان ۳۲۰

عظیم خان ۳۲۰

محمد خان ۳۲۱

فخر یار جنگ ۱۸۳، ۱۷۱، ۱۷۹

آفتاب اقبال

۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۸۹، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱،

۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۴۰، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۳۳

سر اکبر حیدری

۳۱۴، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۸۹، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸،

۱۸۲، ۱۸۱، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱،

۱۵۳، ۱۵۱، ۱۴۵، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۵، ۱۳۳

سر ظفر اللہ خاں ۱۹۶

معین الدین انصاری ۱۹۷

معین نواز جنگ بہادر ۱۹۷

نواب سر محمد احمد سعید خان ۱۹۸

نواب سر عقیل جنگ بہادر ۱۹۸

نواب مہدی یار جنگ بہادر ۱۹۸، ۱۸۱، ۱۳۴

میجر جنرل نواب خسرو جنگ ۱۹۸

راجہ دھرم کرن ۱۹۸

جناب غلام محمد ۱۹۸

ڈبلیو وی گرگسن ۱۹۸

نواب عالم یار جنگ ۱۹۸

نواب کاظم یار جنگ ۲۰۰

حاجی شمس الدین ۲۰۲، ۲۰۰

نواب عثمان علی خان بہادر ۲۰۰، ۱۵۷

میر عثمان علی خان بہادر ۲۰۰، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۴۲

حاجی شمس الدین صاحب ۲۰۰، ۲۰۲

عثمان علی شاہ ۲۰۴

فضل حسین ۲۰۴، ۵۹

میاں فضل حسین ۲۴

محمد ذوالفقار علی خان ۲۰۴

سردار کریم نواز ۲۰۵

جمال الدین والی ۲۰۵

پیر غلام میراں شاہ ۲۰۵

مولانا عقیل الرحمٰن ندوی ۲۰۹

مولانا احمد علی ۲۰۹

شیخ اعجاز احمد

۲۹۴، ۲۹۱، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۴۳، ۲۳۳، ۲۲۷،

۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۵، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۱۱۱

چودھری ظفر اللہ ۲۱۲

ڈاکٹر اخلاق اثر ۲۹۰، ۲۲۵، ۲۱۲، ۲۱۶

ممنون حسن خان ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۹۵، ۲۱۲

شیخ عطاء اللہ

۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۹۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴،

چودھری محمد حسین ۲۳۳، ۲۲۲، ۲۲۰، ۲۱۹،

۲۱۷،۲۱۶،۲۱۵،۲۱۴،۱۸۰،۸۱
شیخ مختار ۲۱۵
شیخ محمد اشرف ۲۱۷،۲۱۵،۲۱۴،۲۱۳،
۸۳،۸۲،۸۱،۸۹
سید نذیر نیازی ۲۱۶،۲۸۹،۲۹۵،۳۰۷،۳۰۸
جاوید ۲۹۱،۲۴۹،۲۱۹،۲۱۶،۱۷۹،۱۸۰،۱۱۹،
۱۱۹،۱۰۲،۶۵،۵۲
منیرہ ۲۱۶،۲۱۹
مختار مسعود ۲۱۵
شیخ مختار مسعود ۲۱۶،۲۱۷
سر راس مسعود ۲۹۲،۲۸۷،۲۳۶،۲۲۴،
۲۲۲،۲۲۰،۲۱۷،۲۱۴،۲۱۳،۲۱۲
شیخ طاہر الدین ۲۱۹
عبدالغنی ۲۲۲،۲۱۹،۲۲۰
میاں امیر الدین ۲۱۹،۲۲۲
شیخ اعجاز ۲۲۳،۲۲۴،۲۲۷،۲۳۴،۲۲۲،
۲۱۸،۲۱۷،۲۱۶،۲۱۵،۲۱۴،۲۱۳،۲۱۲،۲۱۱
جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال ۲۱۲،۲۲۵،۲۲۷
رفیع الدین ہاشمی ۹۵،۱۱۷،۲۸۹
جاوید اقبال ۲۸۹،۲۳۳،۱۸۰
ڈاکٹر جاوید اقبال ۳۶۳،۳۶۱،۲۸۹،۲۵۲،
۲۱۲،۲۲۵
منیرہ بیگم ۲۲۷
محترمہ ڈورس احمد ۲۲۷
قائداعظم محمد علی جناح ۸۲،۸۱،۸۰
مطلوب الحسن سید ۲۲۹
کارلائل ۱۳،۲۳۰
شیکسپیئر ۲۳۰

عبدالرحمن سعید ۸۵،۸۶،۲۳۰
محمد جہانگیر عالم ۷۹،۲۳۰،۲۳۰،۲۶۴
پروفیسر محمد جہانگیر عالم ۲۳۰
قائداعظم ۲۳۷،۲۳۴،۲۳۲،۲۳۱،۲۳۰،
۲۲۹،۱۲۵،۸۵،۸۵،۸۴،۸۳،۸۲،۸۱،۸۰
غلام رسول ۲۳،۲۳۳،
شیخ اکرام ۲۳۱
ریاض صاحب ۲۳۲
نذیر نیازی ۳۱۰،۳۰۹،۳۰۸،۳۰۳،
۲۳۳،۲۹۵
محمد شفیع ۲۳۳،۲۹۰،۲۸۹،۲۸۸،۲۸۵،
۳۴۶،۲۹۳،۲۹۱
منشی طاہر الدین ۲۳۳،۲۸۹
راجا حسن اختر ۲۳۳
عبداللہ چغتائی ۲۳۳،۲۹۰،۲۸۹،۲۹۵
قاضی نذیر احمد ۲۹۱،۲۸۹،۲۳۳
نور حسین ۲۳۳،۲۹۱
مولانا راغب احسن ۲۳۴
ڈاکٹر عبداللطیف ۲۳۵
گورنس ڈورس احمد ۲۳۵
جناح ۲۹۱،۲۳۵
ڈورس احمد ۲۳۵
جواہر لال نہرو ۲۷۶،۲۳۷
پنڈت جواہر لال نہرو ۲۳۶
سر سکندر حیات ۲۳۸
مولانا عبدالحکیم ۲۴۱
محمد دین فوق ۲۴۱،
محمد عبدالحامد قادری بدایونی ۲۴۱

علامہ عبدالحکیم ۲۴۲
علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ۲۴۳،۲۴۲
شاہجہان ۲۴۳
منشی محمد الدین ۲۴۴
استاد عشق لہر ۲۴۴
مولا بخش کشتہ ۲۴۴
سر شہاب الدین ۲۴۴
فضل شاہ ۲۴۵
محمد عبدالحامد بدایونی ۲۴۵
مولانا عبدالماجد بدایونی ۲۴۵
حسین احمد مدنی ۲۴۶
سید سلیمان ندوی ۳۹،۳۴،۲۴۶،۶۵
راغب بدایونی ۲۴۶
علامہ عبداللہ یوسف علی ۳۴۹،۲۴۶
عبدالماجد دریاآبادی ۲۴۶
ملک محمد دین ۲۴۶،۹۱،۹۰
رفیق افضل ۲۴۷
خلیل الرحم ۲۴۷
ڈاکٹر سعید اختر درانی ۲۵۱
عبدالکریم الجیلی ۲۴۵
عبدالکریم الجیلانی ۲۴۵،۲۵۵
نظام الدین اولیا ۲۷۳،۲۵۷،۱۰
خواجہ حسن نظامی ۶۴،۳۴،۱۲،۱۰،۶۵،۶۶،۲۵۷
اکبر الہ آبادی ۲۷۴،۲۷۳،۲۵۷،۳۴
شاہ سلیمان پھلواروی ۲۵۷،۳۴
حافظ شیرازی ۲۶۲،۲۵۷،۳۵
منصور حلاج ۲۶۳،
ابن تیمیہ ۳۱،۲۶۹،۷۰،۴۸
ابن جوزی ۲۶۹،۲۵۹
زمخشری ۲۶۹،۳۱
مجدد الف ثانی ۲۶۹
حاشیہ غازی ۲۶۹
شاہ ولی اللہ ۲۶۹،۶۵،۳۱
شاہ اسمٰعیل دہلوی ۲۶۹
مولانا جلال الدین رومی ۲۷۲
مولوی اشرف علی تھانوی ۲۷۲
امیر خسرو ۲۷۳
سلطان الاولیا ۲۷۳
مولانا اکبر ۱۰۷،۲۷۴،۲۷۳
ظفر احمد صدیقی ۲۷۷،۲۷۲،۲۷۱
ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ۲۷۶
ہٹلر ۲۷۷،۲۸۱،۲۷۸
مسولینی ۲۷۷،۲۸۱،۲۷۸
حجاج بن یوسف ۲۷۷
چنگیز ۲۷۹،۲۷۸،۲۷۷
ہلاکو ۲۷۹،۲۷۸،۲۷۷
عتبہ ۲۷۸،۲۷۷
ابوجہل ۲۷۸،۲۷۷
لمعہ ۲۸۴،۲۸۷،۲۸۶،۲۸۵،۲۹۰،۲۸۸،
۲۹۳،۲۹۲،۲۹۱،
لمعہ حیدرآبادی ۲۸۶،۲۸۳
میاں محمد شفیع ۲۸۸،۲۸۴
پروفیسر عبدالقوی دسنوی ۲۸۵
صبا لکھنوی ۲۸۵،۲۸۴،۲۲۲،۲۱۵،۲۱۳
عبدالقوی دسنوی ۲۹۰،۲۸۹،۲۸۷،۲۸۶،
۲۹۲،۲۹۱

ماسٹر اختر ۲۸۶،۲۸۷،۲۸۹،۲۹۲،۲۹۳، ۲۹۴

سید غلام میراں شاہ ۲۸۶

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی ۲۸۸،۲۸۹

پنڈت امر ناتھ ساحر دہلوی ۲۸۹

شولال شوری ۲۹۱،۲۳۳

فضل کریم ۲۹۱

مولوی عبدالحق ۱۴۲،۲۹۲،۲۹۴، ۲۹۸

آل احمد سرور ۲۹۲

خواجہ غلام السیدین ۲۹۰،۲۹۴

محمد سجاد مرزا بیگ ۲۹۵

مولوی سید احمد دہلوی ۲۹۶،۲۹۹

مولانا محمد علی جوہر ۲۹۶

صدق جائسی ۲۹۷

سجاد مرزا بیگ ۲۹۵،۲۹۶،۲۹۷،۲۹۷،۲۹۹،۳۰۰

صفوۃ اللہ بیگ صوفی ۲۹۷،۲۹۹

شبلی ۶۶،۲۹۹

حالی ۴۱،۱۹۷،۲۰۲،۲۹۹،۲۴۷،۲۴۸

۲۴۹،۳۵۰،

مولوی ذکاء اللہ ۲۹۹

عزیز مرزا ۲۹۹

ہمایوں مرزا ۲۹۹

کپتان ناب ممتاز یار الدولہ بہادر ۲۹۹

مولوی محمد محسن فاروقی ۲۹۹

ڈاکٹر سید سراج الحسن ۲۹۹

عماد الملک سید حسین بلگرامی ۲۹۹

پروفیسر محمد نعیم الرحمٰن ۲۹۹

ڈاکٹر محمد بذل الرحمٰن ۲۹۹

سر محمد یعقوب ۳۰۶

مولوی شفیع داؤدی ۳۰۶،۳۱۰

میاں عبدالعزیز ۸۹،۹۰،۳۰۶،۳۴۴

شیخ محمد اکرام ۱۳،۳۰۶

میاں نور محمد ۳۱۳

میاں عبدالحفیظ ایڈووکیٹ ۳۱۳

میاں مسعود احمد جھنڈیر ۳۱۳

ڈاکٹر وحید قریشی ۳۱۲

نور محمد صاحب ۳۱۴

میر عثمان علی ۳۱۶

حاجی میر شمس الدین ۳۱۶

سردار محبوب عالم ۳۲۱

سردار محمد عظیم خان ۳۲۴،۳۲۷،۳۲۱

ایڈورڈز ۳۲۲

مولراج ۳۲۲

محمد مسو خان ۳۲۲

اسد خان ۳۲۲

حاجی محمد مسو خان ۳۲۲

محمد مسود خان ۳۲۲

محمد عظیم خان ۳۲۳

سردار محمد عظیم ۳۲۴،۳۲۳

غلام علی ٹیکانی ۳۲۴،۳۲۵

سردار غلام حیدر خان ۳۲۴

سردار امیر محمد خان قیصرانی ۳۲۴

سردار عظیم خان ۳۲۴،۳۲۶،۳۲۷،۳۲۲

میاں اللہ بخش ۳۲۷

مولانا ظفر علی خان ۳۳۹،۳۴۱

جسٹس محمد شاہ دین ہمایوں ۳۳۹

میاں بشیر احمد ۴۴،۸۱،۳۳۹

محمد حسین عرشی ۳۴۱
امر تسری ۳۶۷
حکیم طغرائی امر تسری ۳۴۱
پروفیسر فضل حق ۳۴۳
پروفیسر قاضی حق ۳۴۳
ڈاکٹر جوزف ہورووٹز ۳۴۳
مرزا بشیر الدین محمود ۳۴۵،۳۴۶،۳۴۷
مولانا الطاف حسین حالی ۳۴۸
نواب حمید اللہ خان آف بھوپال ۳۴۸
محمد حبیب الرحمان ۳۵۰
ذاکر حسین خان ۳۴۹
محمد اقبال ۲۲،۳۴،۳۵،۳۶،۳۹،۴۰،
۴۴،۴۶،۴۹،۵۰،۵۱،
۶۰،۶۱،۶۲۷۸،۹۶،۹۹،۱۰۰،۱۰۱،۱۰۲،
۱۰۴،۱۰۶،۱۰۸،۱۱۲،۱۱۳،۱۱۴،۱۱۵،۱۱۶،۱۱۹،۱۲۱،ا
۲۲۰،۲۰۴،۱۶۱،۱۳۰،۲۳،
۲۴۴،۲۴۶،۲۴۹،۲۷۴،۲۸۲،۳۱۳،۳۱۵،
۳۲۷،۳۲۸،۳۳۹،۳۴۹،۳۵۳،۳۶۱،۳۶۶
عبداللہ یوسف علی ۵۸،۳۵۹
کیلاش نرائن بجسر ۳۴۹
سلیمان ندوی ۳۴۹
مختار احمد انصاری ۳۴۹
عبدالقیوم خان ۳۴۹
ضیاء الدین ۳۴۹
بیگم شاہنواز ۳۵۰
عبدالحق ۳۵۰
سید راس مسعود ۳۵۰،۲۹۳،۲۱۳
بالنس ۳۵۰

محمد اکبر نذر علی حیدری ۳۵۰
سجاد حسین ۳۴۹،۳۵۰
اصغر حسین خان ۳۵۳
نظیر لدھیانوی ۳۵۳
مولانا عبدالمجید سالک ۳۵۳،۳۵۷،۲۶۵
ٹیک چند بہار ۳۵۴،۳۵۵،۳۵۶،۳۵۷
سالک یزدی ۳۵۴،۳۵۵
قاآنی ۳۵۵،۳۵۸
محمد بن قیس ۳۵۷
سیبویہ ۳۵۷
سید مظفر حسین برنی ۳۶۵،۳۶۳
عبداللہ قریشی ۳۷،۳۵۸
منشی غلام قادر فرخ امر تسری ۳۶۳،۳۶۴
منروالوج ۳۶۴،۳۶۵
منشی غلام قادر فرخ ۳۶۳،۳۶۴
خواجہ خضر ۱۹
داراشکوہ ۱۲
رومی ۳۱
مولانا ابوالکلام ۳۴
ولایت نام ۱۲
اشعری ۳۱
سید احمد خاں ۷۶
منشی نذر محمد ۹،۱۰
عبدالواحد ۲۴۳،۲۵۸،۱۰۰،
خواجہ باقی اللہ ۶۴
رازی ۳۲
تھامپسن ۱۰۵،۱۰۶

مولوی حفیظ اللہ پھلواروی ۶۳
عبدالرحمن بجنوری ۱۰۲، ۱۰۳
شیخ عطا محمد ۱۱۱
طاہر دین ۱۱۳
اکبر حسین قریشی ۳۱
مرزا اسد اللہ خاں غالب ۱۰
ہمایوں ۶۵، ۸۱، ۳۳۷
ٹامس ننگ ۱۳
لالہ دھنپت رام ۱۷
منشی نور الٰہی ۶۶
شیخ شہاب الدین سہروردی ۴۹، ۲۶۵
خواجہ نظام الدین ۲۵۷
مسٹر حیدری ۱۰۷
نواب سعد اللہ خاں ۴۹
حضرت محبوب الٰہی ۱۰، ۱۲
حضور نظام ۵۰، ۱۶۲، ۱۳۸، ۱۰۷، ۳۴۹
نیرنگ ۹۵، ۹۱، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۱۰۱، ۳۴۵
آزاد ۶۶
اقبال
۱۰، ۹، ۳۵، ۳۴، ۳۱، ۲۹، ۱۱، ۶۳، ۳۹، ۳۷، ۶۶،
۷۹، ۷۶، ۸۲، ۸۴، ۸۳، ۸۶، ۸۷، ۸۹، ۹۰،
۹۹، ۹۸، ۹۱، ۱۰۰، ۱۱۷، ۱۰۹، ۱۱۹، ۱۲۵، ۱۲۳،
۱۳۱، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۶،
۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۸۰، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۱،
۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۵، ۲۰۲، ۲۱۱،
۲۱۵، ۲۱۲، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۵، ۲۲۲، ۲۲۹،
۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۴۲، ۲۴۵،
۲۴۷، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۵۲، ۲۴۹، ۲۵۷، ۲۵۳،
۲۶۶، ۲۵۸، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷،
۲۷۸، ۲۸۲، ۲۷۹، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۵،
۲۸۸، ۲۸۷، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۵،
۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۰، ۳۰۴، ۳۰۲، ۳۰۵،
۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۱۹،
۳۵۱، ۳۳۹، ۳۲۵، ۳۲۴، ۳۶۳
جسٹس شاہ دین ہمایوں ۶۴
ابن عباس ۵۶، ۵۵، ۵۲
خواجہ سید حسن نظامی دہلوی ۹
سلطان شہیدؒ ۱۰۲
سعید پاشا ۲۵
مستری نور دین ۱۱۲
حضرت موسیٰ ۶۷
سر صادق علی خان عباسی خامس ۵۱
حافظ سید عزیز حسن بقائی نقشبندی ۶۴
عمر خیام ۲۱
سحابی نجفی ۲۱
سید محمد سعید الدین جعفری ۳۱
غزالی ۷۰، ۴۹، ۴۸، ۳۱
پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی ۸۷
محمد عمر ۶۶
شیخ عبد القادر ۲۸، ۲۳، ۲۵۲، ۷۷،
صلاح الدین ۴۶
سر ولیم میور ۲۱

ٹالسٹائی ۲۰،۲۱
محمد عبداللہ العمادی ۱۰۷
سید فصیح اللہ کاظمی ۳۴
شیخ نور محمد ۱۱۴
سید سبط حسن ۹۴
مولوی انشاء اللہ خاں ۹
سلطان عبدالحمید ۱۵
کمال بے ۱۵
ابن رشد ۳۱،۴۹،۷۰
نواب ذوالفقار علی خاں ۱۱۱
سر محمد اسماعیل سیٹھ ۱۰۰
محمد شریف طوسی ۸۰،۸۲،۸۴
سلیمان اعظم ۲۳
مولوی مشتاق حسین ۷۵،۷۴
مولوی عزیز مرزا ۷۵،۷۳
منظر علی ۳۳،۲۹۷
شعیب قریشی ۱۰۲
مولانا ظفر علی خاں ۱۰۷،۱۱۶
علامہ عصر نسکی ۷۳،۷۷
نوروجی دادابھائی ۱۷
کاؤنٹ ٹالسٹائی ۲۰
ولایت نامی ۱۰
شیخ عظیم اللہ ۵۹،۴۵
مولانا اسلم جیراج پوری ۳۴
خان نیاز الدین ۴۳
سراج الدین پال ۳۵
صوفی عبداللہ ۳۵
غلام قادر فصیح ۳۷
سید عبدالرحیم ۳۷
شیخ عبدالحق ۳۸،۳۷
میجر شیخ فضل حق ۳۷
قاضی محمد اسلم ۳۸
شیخ اکرام الحق ۳۸
خلیفہ عماد الدین ۴۱
ڈاکٹر ہیگ ۴۲
سر عبدالقادر ۴۳،۵۱،۵۵
مولوی غلام محی الدین ۴۳،۴۴،۴۵،۴۹
میاں حسام الدین ۴۴
منشی عبدالرحمٰن خاں ۴۵
ملک کرم الدین ۴۵
منشی کرم الدین ۴۵
محمد عبدالرحمٰن خان ۴۵
کرم الدین ۴۶،۴۵
یعقوب کندی ۴۸،۷۰
بیکن ۴۸،۷۰
ذوالنون مصری ۴۹،۷۰
دانتے ۴۹،۷۱
محی الدین ابن عربی ۴۹،۷۱
اعلیٰ حضرت ۱۳۹،۲۰۲،۱۴۸،۵۲،۴۹،۵۰
مولوی فضل الدین ۴۳،۴۴،۴۹
حاجی محمد حفیظ ۵۱
حافظ الملک نصرت جنگ ۵۱

خلیفہ فضل حسین ۵۹
شیخ گلاب دین ۵۹
مولانا محمد مصطفی ۶۰
سر سید راس مسعود ۶۲
نواب مسعود جنگ ۶۲
بیگم مسعود ۶۲
قاضی ابو یوسف ۶۵
مولوی احمد دین ۶۶،۴۴
نواب وقار الملک ۷۴،۷۳
مولانا شبلی نعمانی ۷۳
شبلی نعمانی ۸۵،۷۳
سید مطلوب حسین ۸۱
سید مشتاق احمد چشتی ۸۶،۸۵
ملک محمد حسین ۹۰
میر غلام بھیک نیرنگ ۹۱
سید محمد حنیف ۹۵،۹۴،۹۳،۹۲،۹۱
خان بہادر نذر محمد ۹۲
سر میلکم ہیلی ۹۳
لالہ گنگا رام ۹۴
سید شاہد محسن ۹۵
محمد حنیف ۹۶
ڈاکٹر ظفر الحسن ۹۸،۹۷
ڈاکٹر ضیاء الدین ۹۹،
غالب ۱۰۲
مولوی نور الاسلام ۱۰۴
ایڈورڈ تھامسن ۱۰۵
مولوی صدر الدین ۱۰۸
گولزیر ۱۰۸
خواجہ کرمانی ۱۰۸
مہاراجا سر کشن پرشاد ۱۰۸
پروین رقم ۱۱۷،۱۱۸،۱۱۹،۱۲۳
حکیم فقیر محمد چشتی نظامی ۱۱۷
شیخ مبارک علی ۱۱۷،۱۱۹
منشی فضل الٰہی ۱۱۷
عبد المجید کاتب ۱۱۷
منشی عبد المجید ۱۱۷
مولوی عبد العزیز ۱۱۷
مولوی پیر بخش ایمن آبادی ۱۱۷
عبد المجید ۱۱۸،۱۱۷
حافظ نور احمد ۱۱۷
میرزا امام ویردی ۱۱۷
سید انور حسین نفیس رقم ۱۱۸
ڈاکٹر وحید احمد ۱۲۷،۱۲۵
مس نینسی آرنلڈ ۱۲۵
ڈاکٹر ٹامس آرنلڈ ۱۲۵
آرنلڈ ۱۲۵،۱۲۶
عطیہ بیگم ۱۲۶
مسٹر بارفیلڈ ۱۲۶
مرقس ۱۲۷،۱۳۰
ڈاکٹر ضیاء الدین احمد شکیب ۱۳۲
سید شکیل احمد ۱۳۸،۱۳۷،۱۳۶،۱۳۲،۱۳۱
شکیل احمد ۱۴۰،۱۳۸،۱۳۶،۱۳۲،

سر امین جنگ ۱۳۳
حمید احمد ۱۳۶، ۱۳۳، ۱۵۳
نواب حمید اللہ خاں ۱۳۳
حضور نظام آصف ۱۳۳
نواب مہدی یار جنگ ۱۳۴، ۱۹۸
نواب مہدی جنگ ۱۳۴
نواب بہادر یار جنگ ۱۳۵
مولوی شمس الدین ۲۰۴، ۱۳۵
ڈاکٹر گیان چند ۱۳۶
خلیل اللہ حسینی ۱۳۶
رحیم قریشی ۱۳۶
محمد ظہیر الدین احمد ۱۳۶
مصلح الدین سعدی ۱۳۸، ۱۳۶
جگن ناتھ آزاد ۱۳۷
رام پرشاد ۱۳۸، ۱۴۱
نظام الملک ۱۶۴، ۱۴۴، ۱۳۸، ۲۰۰
میر محبوب علی خان ۱۳۸
بلاوشہ ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۳۹، ۱۵۰
سر کشن پرشاد ۱۰۸
حمید اللہ خاں ۱۳۹
سردار امراؤ سنگھ شیر گل ۱۳۹
ڈاکٹر مظفر الدین قریشی ۱۸۰، ۱۷۷، ۱۴۰
میر عثمان علی خاں ۱۴۰
مولوی حمید الدین فراہی ۱۴۱
مولوی حبیب الرحمن ۱۴۱
مولوی محمد تاج الدین ۱۴۱
مولوی محمد عبد الواسع ۱۴۲
مولوی محمد شبر علی خاں ۱۴۲،
امرت لال ۱۴۲
عبد الرحمن خاں ۱۴۲
مولوی محمد مرتضیٰ ۱۴۲
مولوی خان فضل محمد خان ۱۴۲، ۱۵۳، ۱۵۱،
حبیب الرحمن خان شیروانی ۱۴۲،
اعلیٰ حضرت نظام دکن میر عثمان علی خان بہادر
۱۴۲
ہاشمی فرید آبادی ۱۴۳
مولانا صفی الدین ۱۴۳
اورنگ زیب ۲۷۰، ۱۴۴، ۱۴۳
فرخ سیر ۱۴۴
سید حسین علی ۱۴۴
عبد اللہ ۱۴۴
بہادر شاہ ظفر ۱۴۴، ۱۴۳،
محمد شاہ ۱۴۴
سر مہاراجا کشن پرشاد ۱۴۴
افضل علی ۱۴۴
مولوی محمد عزیز مرزا ۱۴۴
مولوی فیاض علی ۱۴۴
میر محبوب علی خان بہادر ۱۴۴
نواب مرزا یار جنگ بہادر ۱۴۵
مہدی یار جنگ بہادر ۱۴۵
علی نواز جنگ بہادر ۱۴۵
مولوی محمد عبد الرحمن خان ۱۴۵

سید محمد حسین ۱۴۵
میجر فرحت علی ۱۴۵
حمید احمد انصاری ۱۴۶،
مسٹر ٹرنچ ۱۵۰
مسٹر شاف ۱۵۰
مسٹر رستم جی ۱۵۰
فریدون جی ۱۵۰
ایس ایم مہدی ۱۵۰
کیپٹن محمد علاؤالدین ۱۵۰
مسٹر نارائن سوامی ۱۵۰
لیفٹیننٹ کرنل آر ایچ تونیکس ٹرنچ سی ۱۵۱
نواب اکبر یار جنگ بہادر ۱۵۱
لوی خان محمد فضل خان ۱۵۱
کٹر حیدر نواز جنگ بہادر ۱۵۱
لیفٹیننٹ کرنل آر ایچ تیونکس ٹرنچ سی آئی ای
۱۵۱
نواب علی نواز جنگ بہادر ۱۵۱
نواب جیون جنگ بہادر ۱۵۱
رام نارائن بہادر ۱۵۲
مسٹر اظہر حسن ۱۶۲

شہر و مقامات

اکستان
۱۳۱،۱۰۶،۹۴،۶۹،۳۱۱،۲۸۴،۲۷۶،۲۴۲،
ایشیا ۲۴۳،۶۹،۴۴،۳۱،۲۳،۱۴۔
ایران
۳۴۲،۲۵۵،۲۵۳،۲۴۳،۷۷،۷۶،۱۳،
مصر ۷۶،۱۸
امرتسر ۳۶۵،۳۶۴،۲۵۸،۲۴۴،۴۴،۳۵،
انبالہ ۹۵،۹۳،۹۲،۹۱
آندھرا پردیش ۱۴۱،۱۳۶،۱۳۲،۱۳۱،
انگلستان
۱۲۶،۱۲۵،۱۰۸،۱۰۶،۷۶،۴۳،۲۸،۱۷،۱۵،۱۰
۱۲۹،۱۳۰،۲۶۵،۲۶۴،۲۵۳،۱۸۳،۱۸۲،۱۳۲
،۳۰۴،
اورنگ آباد ۳۴۹،۱۳۲
اٹلی ۷۱،۴۹،۲۸،۱۹
الہ آباد
۲۲۹،۱۰۶،۷۹،۳۴،۳۵۸،۲۴۷،۲۳۶
باغبان پورہ ۸۵
بحر روم ۲۷،۲۶
برطانیہ ۳۳۹،۲۴۷،۲۳۰،۷۸،
بمبئی
۸۰،۲۵،۱۹،۱۷،۱۶،۱۵،۱۴،۱۳،۹،۳۲۱،۸۱،
بنگلور ۱۰۲،۱۰۰
بھوپال
۳،۳۰۲،۱۶۴،۱۶۳،۱۵۷،۱۳۹،۱۳۸،۱۳۳،۲۶
۳۴۹،۰۴
بہاول پور ۵۱،۴۲،۳۲۰،۵۵،۵۴

پشاور ۱۱۳،۳۰۵
پنجاب
۴۱،۴۳،۴۴،۴۹،۵۰،۵۲،۵۵،۸۰،۸۹،۹۱،۹
،۱۹۷،۲۰۱،۲۰۴،۳،۱۰۹،۱۱۰،۱۸۲،۱۸۳
۲۱۶،۲۳۲،۲۳۶،۲۳۷،۲۳۸،۲۴۷،۲۴۷،۲
۳۵۸،۳۴۱،۲۵۳،۴۸،۲۷۶،۳۲۶
پورٹ سعید ۲۵
پٹنہ ۶۳،۱۰۷
پٹیالہ ۱۱۳
پھلواری شریف ۶۳
ترکی ۱۴،۱۵،۲۵،۷۶،۷۷،۹۳،۳۳۹
جاپان ۱۷
جنوبی ہندوستان ۱۹
جھیل ڈل ۶۶
چنیوٹ ۴۹
چین ۵۸،۲۶۶،۱۴
حیدرآباد
۴۹،۵۰،۱۰۷،۱۰۸،۱۳۳،۱۳۴،۱۳۵،۱۳۶،۱۳
۸،۱۳۹،۱۴۰،۱۴۱،۱۴۲،۱۴۴،۱۴۵،۱۴۸،۱۴۹
،۱۵۵،۱۵۷،۱۶۳،۱۶۷،۱۵۰،۱۵۲،۱۵۳،
،۱۷۷،۱۸۱،۱۸۲،۱۸۵،۱۹۵،۱۹۷،۱۹۹،۲۹۶
۳۲۱،۲۹۸،۲۹۹
حیدرآباد دکن
،۴۹،۵۰،۱۰۷،۱۳۱،۱۳۲،۱۵۲
۱۵۷،۱۷۲،۲۹۸،۳۱۴
خلیج بنگالہ ۱۴

دہلی
،۸۴،۱۰۵،۱۸۰،۹،۱۰،۱۱،۱۲،۱۳،۲۴،۶۶،۸۱
،۱۸۲
۲۱۹،۲۴۳،۲۹۵،۲۹۷،۲۹۹،۳۰۴،۳۰۵،۳۰
،۳۰۹،۳۴۳،۳۵۸،۳۶۰،۳۰۷،۳۰۸،۶
۳۶۱،۳۶۳
دہلی اسٹیشن ۱۰
روس ۱۷،۳۳۹
ریلوے اسٹیشن ۹،۱۱،۱۳
سری نگر ۱۰۰
سویز ۲۳،۲۴،۲۵،۲۲
سویز کنال ۲۴،۲۵
سیالکوٹ ۲۴۴،۱۱۲،۱۱۳،۱۱۴،۲۴۲،۶۶
شالامار ۶۶
شمالی ہند ۵۲،۲۳۶،۲۳۷
شملہ
،۴۴،۴۵،۱۰۷،۱۱۴،۱۹۴،۱۹۶
۳۲۱،۳۴۳،۳۴۴،۳۴۹
صوبہ بہار ۴۳
عدن ۲۱،۲۲،۲۳،۳۳۷۳۳۸،۳۳۹
عرب ۳۵۵،۲۱،۲۲،۲۴،۴۸،۳۳۸
علی گڑھ
۲۴،۶۲،۸۴،۹۷،۹۸،۱۰۲،۱۰۷،۱۲۵،۱۲۶،۲
۳۴۸،۲۱۳،۲۷۵،۲۷۶،۳۴۱،۰۹
فرانس ۲۸،۷۸،۳۳۹
فیصل آباد ۸۷

قاہرہ ۶۰،۷۴
قرنطینہ ۲۳
کراچی
۱۱۱،۱۰۵،۶۵،۶۳،۲۷۶،۲۳۶،۲۳۱،۲۱۳،
۲۸۴،۲۸۵،۳۵۸
کشمیر ۳۴۳،۳۲۱،۶۶،۳۴۵،۳۴۴
کلکتہ ۳۲۱،۱۴۹،۴۶
کوئٹہ ۲۱
کوئٹے ۲۱
کیمبرج ۱۰۶
گجرات ۳۴۱،۴۵
گجرانوالہ ۱۱۴
گوجرانوالہ ۹۴،۴۲،۱۱۷،۹۵
لاہور
۹،۴۰،۳۹،۳۷،۳۶،۳۵،۳۳،۳۱،۲۹،۳۱،۱۷،
۵۶،۵۵،۵۲،۵۰،۴۹،۴۲،۴۵،
۷۳،۶۷،۶۶،۶۵،۶۳،۶۰،۵۹،
۹۸،۹۶،۹۴،۹۱،۹۰،۸۹،۸۱،۸۰،۷۹،۷۶،
۱،۱۱۱،۱۱۰،۱۰۸،۱۰۷،۱۰۴،۱۰۲،۱۰۱،۱۰۰،۹۹
۱۲،۱۲۳،۱۱۹،۱۱۸،۱۱۷،۱۱۶،۱۱۵،۱۱۴،۱۱۳،۱۲
۱۵۹،۱۵۵،۱۵۳،۱۴۹،۱۳۹،۱۳۳،۱۳۱،۱۲۹،۵،
۲۰۲،۲۰۰،۱۸۵،۱۸۴،۱۸۰،۱۷۲،۱۶۱،۱۶۰
۲۳۸،۲۳۶،۲۳۵،۲۲۹،۲۲۰،۲۱۹،۲۱۵،۲۱۴
،۲۴۲،۲۴۲،
،۳۰۵،۳۰۴،۲۸۳،۲۷۴،۲۵۴،۲۴۷،۲۴۵
۳۰۸،۳۰۷،۳۰۶،

۳،۳۴۱،۳۲۷،۳۲۶،۳۲۵،۳۲۴،۳۲۲،۳۰۹
۳۶،۳۶۳،۳۵۹،۳۵۳،۳۶۱،۳۴۴،۳۴۳،۴۲
۳۶۵،۴
لنڈن ۱۷
مارسیلز ۲۸
مازنی ۲۸
مالیرکوٹلہ ۱۱۱
مدراس ۱۴۷،۱۴۵،۱۰۰
مراکش ۷۷
مراکو ۷۷
مکہ معظمہ ۷۴
میسور ۱۰۰
میونخ ۲۵۳،۲۵۱،۱۰۹
نشاط باغ ۶۶
وزیر آباد ۱۱۲
وکٹوریہ ڈاک ۱۷
ومبلڈن ۱۲۷،۱۲۶
ٹرانسوال ۱۱۴
ڈابھیل ۶۵
ڈھاکہ ۵۵
ہندوستان
۱۷،۳۳،۳۲،۲۴،۲۳،۲۱،۱۹،
۶۴،۶۱،۶۰،۵۸،۴۴،۸۰،۷۸،۷۶،۷۳،
۱۶،۱۴۲،۱۴۱،۱۳۴،۱۳۳،۱۰۶،۱۰۵،۱۰۳،۹۹
۶،۲۰۲،۱۹۸،۲۲۹،۲۰۳،۲۴۲،۲۳۸،۲۳۷،
۳۶۵،۳۴۴،۳۴۰،۲۶۹

یورپ
۱۵،۱۶،۱۹،۲۱،۲۳،۳۲،۴۷،۴۸،۴۹،۶۸،۶۹،
۷۰،۷۱،۷۶،۷۸،۸۹،۱۰۱،۱۱۰،۱۲۵،۱۲۶،۲
۵۱،۲۵۲،۲۶۲،۲۶۴،۲۶۶،۲۷۰
یونان ۴۹،۵۳،۶۹،۷۰،۳۸

کتابیں، رسائل و جرائد

آبزرور ۴۲
ابطالِ ضرورت ۳۵۵،۳۵۴،۳۵۳
اتالیقِ خطوط نویسی ۲۶
آج کل ۶۶
احسان ۶۰
اخبار وطن ۹،۲۲،۲۹
اخلاقِ محسنی ۳۲۶
اردوے لصیح ۳۴
ارمغانِ حجاز ۱۱۸
الاستدلال ۲۹۶،۲۹۸،۲۹۹
اسرارِ خودی
۳۴،۳۵،۱۰۰،۱۰۱،۱۱۷،۲۵۷،۲۵۸
اسرار و رموز ۳۲۴
اسلام اور سائنس ۲۴۵
اسلامک برادرہڈ ۶۴
اسلامی مساوات ۶۴
افکار ۲۸۴،۲۱۳،۹۷
اقبال اور بھوپال ۲۱۳،۲۲۲،۲۲۴،۲۸۵
اقبال اور حیدر آباد ۱۳۷،۱۳۸
اقبال اور قائد اعظم ۸۶
اقبال اور ممنون حسن خان ۲۱۶
اقبال ایز آئی نیو ہِم ۲۲۷
اقبال ریویو ۱۳۲،۳۴،۳۹،۹۷،۱۳۱
اقبال کے خطوط جناح کے نام
۷۹،۸۰،۸۳۸۴،۸۵،۸۶
اقبال کے خطوط... جناح کے نام ۲۳۰
اقبال نامہ
۳۴،۶۵،۸۴،۸۶،۹۷،۹۸،۱۰۱۲۱۲،۲۱۳،۲۱
۴،۲۸۳،۲۸۴،۲۸۵
اقبال نامے ۲۱۲،۲۱۶،۲۲۰،۲۲۵
اقبال... جہانِ دیگر ۳۰۱،۳۰۳،۳۰۷
اقبالنامہ ۲۷۵،۲۷۶
اقبالیات ۲۱۱
انا الحافظ ۲۶۴
انڈین انٹی کیوری ۲۵۵
الانسان ۳۰۰،۲۹۲،۲۹۸،۲۹۹
انشائے فیض رساں ۳۲۶
انقلاب ۳۰۳،۳۵۱،۳۵۲،۳۵۳،۳۵۵
انوارِ اقبال ۳۱،۳۴،۴۴
انوار الہدیٰ ۳۲۵
ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقاء ۱۲۶
ایسٹ اینڈ ویسٹ ۱۰۲
باقیاتِ اقبال ۳۷
بالِ جبریل ۱۲۰،۱۱۹،۱۱۸،۱۱۷
بانگِ درا ۲۳۵،۱۱۷
بدر الدجی ۳۲۶
پاکستان مومنٹ ۸۰

پنجاب گزیٹئر ۲۳۰
پنجابی شاعراں دا تذکرہ ۲۴۴
پنجدریا ۲۴۵
پیام اُمید ۳۶
پیام مشرق ۱۰۴، ۱۱۸، ۳۴۶
پیسہ اخبار ۷۳، ۷۴، ۷۶، ۲۴۶
پیشوا ۴۴
تاریخ اسلام ۳۷
تاریخ کبیر کشمیر فارسی ۲۴۳
تاریخ ہند ۱۳۸، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳
ترک الاسباب جہالۃ و الاعتماد علیہا شرک
۲۶
تسہیل البلاغت ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰
تصانیف پروفیسر سجاد مرزا بیگ
۲۹۸، ۳۰۰
تصحیح العقائد ۲۴۵
تفسیر ہاشمی بزبان سندھی ۳۲۶
تفہیمات الٰہیہ ۶۵
تلبیس ۲۵۹، ۲۵۹، ۲۶۷
تمنائے دید ۲۹۷
تنبیہ المسائل ۳۲۵
تہذیب ۲۷۶
ٹروتھ ۳۰۳
جاوید نامہ ۱۱۸
جذبات بھاؤں ۳۳۷
جنگ ۹۷
جواب مشکور ۳۳۵
حاشیہ تفسیر بیضاوی ۲۴۳
حدائق حنفیہ ۲۴۳
حریت اسلام ۲۴۲
حصن الحصین ۳۲۵
حکمت عملی ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰
حمایت اسلام ۵۳
حمیدیہ ۱۰۲
حیات القلوب ۳۲۵
خراج ۶۵
خطوطِ اقبال ۹۷
خطیب ۳۴، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۷۳
دبستان مذاہب ۳۲۵
درِ نخستہ علی طریقۃ الصوت ۳۲۵
دی ڈویلپمنٹ آف میٹافزکس اِن پرشیا
۲۵۳
دیوان امیر خسرو ۳۲۶
دیوان حافظ ۳۲۵
دیوانِ غالب ۲۸۳، ۲۸۵
دیوان غوث الاعظم ۳۲۵
دیوانِ کشتہ ۲۴۳
ذکر اقبال ۳۶۳
رقعات عالمگیری ۳۲۵
رموزِ بےخودی ۱۰۷، ۱۱۹، ۲۵۹، ۲۷۱
رہنمائے کشمیر ۲۳۲
روح مکاتیب اقبال ۳۶۳
روضۃ الادب ۲۴۳
روضۃ الصفا ۳۲۵
زبورِ عجم ۱۱۹
زمیندار ۳۴، ۹۰، ۱۱۶، ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۴۳

زندہ رود ۲۱۲، ۲۲۵، ۲۲۶، ۳۶۴
سبحتہ المرجان ۲۴۳
سراج منیر ۳۵۶
سرگزشتِ اقبال باقی المعروف بہ سیرتِ باقی ۲۴
سفینہ حیات ۳۴۳
سکندر نامہ ۳۲۵
سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲۳۸
سیرتِ باقی ۲۴
سیلکوتی التصورات ۲۴۳
شباب کشمیر ۲۴۲
شجر الامالی ۳۲۵
شرائع الاسلام ۳۲۵
شرح التہذیب ۲۴۳
شرح دیوان حافظ ۳۲۵
شرح دیوان علی ۳۲۵
شرح عقائد نسفی ۲۶۰
شرحِ مواقف ۲۴۳
شعور ۱۰۷
شمس ۳۴۹
شمع راہ ۲۹۷، ۲۹۹
شمع ہدایت ۲۹۷، ۲۹۹
شیرازہ ۱۰۰
صافی شرح اصول الکافی ۳۲۵
صحیفہ ۱۳۸، ۱۴۱، ۳۲۵
صحیفہ کاملہ ۳۲۵
صواعق محرقہ ۳۲۵
ضربِ کلیم ۱۱۵، ۳۲۴
طب اکبری ۳۲۵
علامہ اقبال اور قائد اعظم کے سیاسی نظریات ۸۶
علم الاقتصاد ۱۲۴
علی گڑھ میگزین ۲۷۵، ۲۷۶
غنیۃ الطالبین ۲۴۲
فاران ۶۵
فتاب ۱۰۸
فتوحات مکیہ ۴۹، ۷۱
فرہنگ آصفیہ ۲۹۶
فلسفہ عباداتِ اسلامی ۲۴۵
فنون ۹۷
الفہرست ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۸
فیض الباری ۳۲۵
کامریڈ ۱۰۲
کتاب نما ۱۰۵
کریسنٹ ۳۹
کریم اللغات ۳۲۵
کشف الموطا عن کتاب الموطا ۳۲۵
کلیاتِ مکاتیب اقبال ۳۶۳
گرہ اخبار ۲۵۷، ۲۵۸
گفتارِ اقبال ۲۴۷، ۳۰۳۰
لا رہبانیۃ فی الاسلام ۲۶۱
لغت بہار عجم ۳۵۴
لندن ٹائمز ۱۰۵
لیٹرز آف اقبال ۶۹، ۸۲، ۸۳، ۹۷، ۱۰۵
لیٹرز آف اقبال ٹو جناح ۷۹
لیٹرز آف اقبال ٹو مسٹر جناح ۸۲، ۸۳

مآثر الکرام ۲۴۲، ۲۴۳
ماہِ نو ۸۶
محمد علی جناح: اے پولیٹیکل سٹڈی ۸۱
محمد علی جناح ــــ ایک سیاسی مطالعہ ۸۱
مخزن ۹، ۱۱
مخزن ادب ۲۹۷
مدارج النبوہ ۳۲۶
مرغزار ۱۱۶
مسافر ۱۱۸
مسدس حالی ۲۴۳
مظاہر حق ۳۲۵
معارف ۳۹، ۶۵
معیار عجم فی اشعار عجم ۳۵۵
مفصل فہرست تصانیف پروفیسر سجاد مرزا بیگ ۲۹۷، ۲۹۹
مقالات اقبال ۲۵۸
مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان ۳۴
مکتوباتِ اقبال ۲۹۰، ۳۰۲، ۳۰۶
ملک العلماء علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی ۲۴۲
منروا ۳۶۴
نسخ ۱۰۲
نظام عمل ۲۴۳، ۲۴۶
نقد و نظر ۹۸
نقوش ۹۷، ۹۸، ۱۳۵
ہماری زبان ۲۸۶
ہمایوں ۶۴، ۶۵، ۳۳۷
ہور الجھا کشفہ ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۵
ہیر وارث شاہ ۲۴۵
وجدانی نشتر ۲۴۲
وطن ۹، ۲۲
وکیل ۳۴، ۳۵، ۲۵۸
وکیل اخبار ۳۵
یادِ رفتگاں ۲۴۲
یادگارِ اقبال ۱۱۱
یادگارِ اقبال ۱۱۴

*****



ڈاکٹر ندیم شفیق ملک تاریخ، بین الاقوامی تعلقات، قومی سلامتی، زبان وادب اور اقبالیات کے مطالعہ سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ انھوں نے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے تاریخ میں ایم ایس سی، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ مزید براں پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے ایم اے پنجابی اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے پاکستانی زبانیں وادب میں ایم فل کی ڈگریاں لیں۔

انھیں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے اقبالیات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی عطا کی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے ویمن سٹڈیز میں ایم ایس سی اور نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی اسلام آباد سے بین الاقوامی تعلقات میں ایم فل کی ڈگریاں بھی حاصل کر چکے ہیں۔

تحریک وتاریخ پاکستان، بین الاقوامی تعلقات اور سیاسیاتِ پاکستان پر ڈاکٹر ندیم شفیق ملک کے ستر سے زیادہ تحقیقی مقالات طبع ہو چکے ہیں۔ ان کی کتب، اقبال اینڈ دی انگلش پریس آف پاکستان (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۶ء) دی پالیٹکس آف اپوزیشن ان پاکستان (پلس کمیونیکیشن، لاہور، ۱۹۹۶ء) ریسرچ پیپرز اون پاکستان (نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء) دی پولیٹکل سیگیسٹی آف اقبال (نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء) دی آل انڈیا مسلم لیگ، ۱۹۰۶۔۱۹۴۷ (نیشنل بک فانڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء) علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد، ۱۹۳۰ء: ایک مطالعہ (فیروزسنز، لاہور، ۱۹۹۸ء) اور دی فارسیٹویرز آف آل انڈیا مسلم لیگ، ۱۹۰۶۔۱۹۱۹ء (اظہارسنز، لاہور، ۲۰۰۷) آل انڈیا مسلم لیگ اینڈ علامہ اقبال الہ آباد ایڈریس، ۱۹۳۰ (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۳) علامہ اقبال کا خطبہ الہٰ آباد، ۱۹۳۰ء (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۳)۔ صدائے بام دنیا: وخی زبان، ادب و معاشرت پر ایک نظر (ادارہ فروغ اردو، اسلام آباد، ۲۰۱۴)۔ آسوشو لینگینوسٹلک سٹدی آف واخی لینگویج آف نادرن پاکستان (نسٹ پبلشنگ، اسلام آباد، ۲۰۱۴) اور علامہ اقبال اینڈ انگلش نیوز پیپرز آف پاکستان، ۱۹۵۸۔۱۹۴۷ (بزم اقبال، لاہور، ۲۰۱۴) شائع ہو کر قارئین سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

فکشن ہاؤس

لاہور • حیدر آباد • کراچی •

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

ISBN 978-969-562-350-3